

سَيِّدَةُ النِّسَاءِ الْعَالَمِينَ مَحْبُوبَةُ مَحْبُوبِ رَبِّ الْعَالَمِينَ أُمُّ الْمُؤْمِنِينَ طَاهِرَةٌ

صَدِيقَةُ كَائِنَاتٍ

عَلَيْهَا السَّلَامُ
صَلَوَاتُ اللَّهِ عَلَيْهَا

حَكِيمُ فَضْلِ عَالَمِ صَدِيقَتِي

بَکلاف

پیشتر بکسیرز اینڈ جنرل آرڈر پلاٹرز

چولہ فیصل شہید مین بازار فون ۲۸۸۵ جہلم

✓ ۲۹۷۶۹۹۲
ع ۲۱ ف
۲۲۲۵۶

DATA ENTERED

جملہ حقوق بحق پبلشرز محفوظ ہیں کسی طریقے سے استعمال
کرنے کے لئے تحریری اجازت لازمی ہے

شاهد حمید شفیق الرحمن

ہتمام

حفیظ سدر آرٹسٹ لاہور

تفریق

سید فاضل شاہ انور تلمکار

کاتب

پچیس روپے صرف

قیمت



مطبع طفیل آرٹس پرنٹرز لاہور

اپنی عظیم ماں
کے حضور میں

جگر نخوت نخوت

میری غنیمتیں !

میری بیچہ ماں !
میں نے جس وقت سیدہ صدیقہ کائنات کے حضور میں نذرانہ
عقیدت پیش کرنے کا ارادہ کیا۔ تو تصور خیال مجھے تیرے حضور کی جانب لے اڑا۔ اور جب
میں نے اپنے کاشانہ دل کو تیری یاد سے معمور پایا تو یک لخت گویا وقت کی طنائیں لپیٹ
دی گئیں۔ اور ایک ساٹھ سالہ بوڑھے نے اپنے آپ کو ایک چھو سات سالہ صغیر السن
نکیر فردا سے بے نیاز بچے کی طرح تیرے آگے تیچھے دوڑتے بھاگتے اور اچھلتے کودتے پایا۔
میری ماں ! تقاس وقت میرے سامنے ہے۔ تیری انوار السجود سے منور پیشانی
سے نور کی کرنیں چھوٹی نظر آ رہی ہیں۔ اور تو آج بھی اسی طرح مجھے مختلف قرآنی آیات
حفظ کراتی نظر آ رہی ہے۔

میدہ صدیقہ کائنات کا یہ کس قدر عظیم ثروت و فضل ہے کہ جوں ہی اس عظیم
فات مطہرہ و قدسیہ کے حضور میں حاضر ہونے کا ارادہ کیا، اس نے آنکھ بھپکنے سے
پہلے۔۔۔۔۔ اے میری عظیم اہمیت ماں! تیری یاد سے میرے دل کو معمور کر دیا۔
اے میری ماں! تیری مشقت سے لبریز شب ہائے دراز کی دعاؤں پر تیرے
نالہ ہائے نیم شبی کی تمنائوں، آرزوؤں اور خشیت الہی سے معمور ایمانی قوتوں نے آج مجھے
کہاں سے کہاں پہنچا دیا ہے۔ میں آج اللہ تعالیٰ کے جس قدر احسانات و برکات، نعم و
افضال اور ثروت و اکرام سے نوازا گیا ہوں وہ سب میری پرواز تخیل سے ماوراء ہے
اسے تیری دعاؤں کا حاصل سمجھتا ہوں۔

میری عظیم ماں! تو آج — یہاں سے دُور بہت دُور مہالہ کے دامن
میں راجوری کی خاکِ پاک کی ایک جنتِ آساوا دی میں مغل شاہراہ کے کنارے تُوں کے
درختوں کے فرحت بخش اور ایک کیف اور سائے میں یوم النشور کے انتظار میں محوِ استراحت
ہے۔ اور تیرا چہیتا فیض کارکنانِ قضا و قدر نے اتنی دُور لہجہ نیکا ہے کہ تیری

نزیت پر حاضر ہو کر دست دعا بلند کرنے پر بھی قادر نہیں۔

میری ماں! تو کس قدر عظیم تھی۔ نام نہاد مہذب دنیا سے دور بہت دور تو نے ہمیں خود آگہی، خود شناسی اور خود داری — اطاعت خال اور اتباع سنت کی دولت سے مالا مال کیا۔ اور تیرے روحانی فیوض نے فیض کو دہ کی فیض رسانی کا ایسا شرف بخشا جو رہتی دنیا تک تابندہ و رخشندہ رہے گا۔ اور آج تیرا وہی کھلندہ فیض ام المؤمنین سیدہ کائنات حضرت عائشہ صدیقہ صلوٰۃ اللہ علیہا کے فیوض و اکرام کے سائے میں رب غفور کے حضور یہ التجائے کمر حاضر ہو رہا ہے

سَرَبِ اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدِي وَلِلْمُؤْمِنِينَ يَوْمَ يَقُومُ الْحِسَابُ

اے مولا اے کریم تو میرے والدین کو اپنے جوار رحمت میں سیدہ صدیقہ کائنات کی حضوری کی سعادت سے مشرف فرما۔ آمین

فیض عالم

فرمانِ نبویؐ
فیض عالم
میں مولا نے اس کو
دعا دیا کہ اس کو

وہی

آج سے تقریباً چھ سال پہلے جب مقام صحابہؓ کی تالیف کے لئے مختلف کتب کی وزن گردانی شروع کی تو ہر مقام پر صدیقہ کائناتؓ کی ذاتِ منفردہ و مطہرہ کو کسی نہ کسی شعبہ حیات میں کہیں صحابہ کرامؓ سے بلند اور کہیں برابر پایا۔ ارادہ کیا کہ صحابہ کرامؓ کے حضور میں نذرانہ نشکر پیش کرنے کے بعد حضرت صدیقہؓ کے حضور میں حاضری دوں گا۔ مگر فوجِ عدوت رسولؐ اور نہادتِ ذوالنورینؓ کی تالیفات پیش کرنا ناگزیر ہو گئیں۔ ”صدیقہ کائناتؓ“ کے حضور میں حاضری کے لئے جس کیسبوتی کی ضرورت تھی وہ ناپید رہی اور اسی مضطربانہ سی کیفیت میں سیرۃ امیر المومنین امیر مروانؓ اور نوایدِ غرِ نوبہؓ پر ایک نظر نامی رسائل بھی طبع ہو گئے۔

امیر مروان را اوروا بدعمر کو یہ پیر ایک نظر کافی رہا۔ بی بی ہر گز
صدیقہ کا ثنات فر کے حضور میں نذرانہ عقیدت پیش کرنے
کے لئے جیب بھی تیار ہوا۔ قلب و ذہن پر ایک بیجانی سی کیفیت طاری
ہو گئی۔ کہاں سے شروع کروں؟ کیا لکھوں؟ کس بات کو ترک کروں؟
کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا این جا است والے معاملہ نے

کہیں ایسا نہ ہو جائے میں مہرگزدان رکھا

و جہان نے کہا میاں! اس ذات قدسی صفیات اور زبدۂ منہرات کے حضور میں
نیرے جیسے رُویہ کا نذرانہ تشکر بھی ایک قسم کی گستاخی ہوگی۔ میں انہی تصورات
کے پیچ و خم کو تنوارنے میں مشغول تھا کہ چند ایک مرستان دربار صادق و صدق
اور شہیدانِ کوچہائے محبت و عشق کی طرف سے تلقائے شروع ہو گئے۔

بسم اللہ حجر ہا و مرسلہا کہ کہ قلم ہاتھ میں لیا تو معلوم ہوا کہ اس بحرِ ذخار کی غواہی اور رؤیائے شہوار کی جستجو اس صورت میں کہ صحیح روایات و استدلالات جو صادق و مصدق کی نمایان نشان اور صدیقہ مطہرہ کی حیاتِ طیبہ کے ترجمان تھے وہ تو زیلع بصیرت کے رہن ہوتے نظر آئے اور ان کی جگہ ایسی روایات کا کابو س بُری طرح اذہان و قلوب کو اپنی گرفت میں لئے دکھائی دیا جن کے ذکر سے غاموشی ہی ادلی نہ تھی۔

اب مشکل پیش آئی کہ اول الذکر روایات کی روشنی میں سیرت حدیث و تفسیر کی تکمیل کی جرات کی صورت میں مزعومہ نظریات کے حامل جو آج مسند نشینانِ نبوی و محراب اور حاملینِ جہ و در نہار ہیں۔ انہیں اس سے واسطہ نہیں کہ ملکِ افتخار کی قدر ہے و افتخار ہو۔ صادق و صدوق کی صداقت مجروح ہو بطہر کہ قسطِ ہدیہ کی طہارت خراب اور دہو غرض و بصیرت سے کام لینا جو عظیم ہے۔ جس نے بھی ان کے مزعومہ نظریات کی اصلاح کے لئے لب کشائی کی جرات کی وہ ان کو ناہ بینوں کی لسانہائے کھن آلود سے اپنا دامن بچا کر کہیں نہ جاسکا ہے۔

لے جلا میری شکھیا تی وہ کا ز نے جلا
اولا کہ مومخر الذکر مزمعہ روایات کی روشنی میں کچھ کہا جائے تو اس گفتنی سے گفتنی
ہی ہزار درجہ اولیٰ تر تھی سے

تو اسے گرو تو ہم بشکرتِ رب یا چہ میدانی
امیرِ عندِ لیس کی اوسعیت صحرا چہ میدانی
”صدیقہ کائنات“ کی ذاتِ مظهر کے فضائل و مناقب کے لئے کسی صفحہ حلیہ
درکار نہیں۔ قارئین اس کتاب میں صحت ان چند باتوں کی طرف اشارات یا تنبیہ جو
درازر وستی ایسا استین کو دہیں

کی نظر ہو کر دے گئے۔

صدیقہ کائنات پران چودہ صدیوں میں ہزاروں صفحات لکھے گئے۔ ان
لکھنے والوں میں بڑے بڑے جلیل القدر علمائے کرام کے نام بھی ملتے ہیں اور
عالمِ اہم کے مورخین کے بھی۔۔۔ ان میں مسند شریفین بھی ہیں اور عربِ مالک کے
اصحاب بھی۔ آج تک جس نے بھی کچھ لکھا خواہ وہ کسی مذہب و ملت سے تعلق رکھنے
والا کھادہ صدیقہ کائنات کی وہی عظمتوں کے سامنے سب محکم کرنا ہو اسی نظر آیا۔
مگر۔۔۔ اس دنیا میں ایک ایسا اعلیٰ ترین کون بھی موجود ہے۔ جسے
آج تک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس محبوب ترین بیوی میں "برائیاں ہی برائیاں"
نظر آتی رہیں۔ اگر ان لوگوں کے دلوں میں ایک خشخاش بھیر بھی ایمان کی رتی ہو تی یا

انسانیت نام کی کوئی ادنیٰ ترین خصلت بھی ہوتی تو وہ ابلیس کے بہکائے میں آ کر یوں نرا زخانی نہ کرتے۔ اگر انہیں حضرت صدیقہؓ سے کسی قسم کی کوئی پر خاش تھی تو کم از کم دنیا بھر میں پھیلے ہوئے کروڑوں مسلمانوں کے جذبات کا خیال رکھتے ہوئے خاموش رہتے۔

اور اس سے زیادہ قابلِ رحم ہیں وہ لوگ جو صلح و آشتی اور اتحاد و اتفاق کے فرسودہ ترین الفاظ کی آڑ میں ان عقرب صفت ذلیل ترین لوگوں کی مقتضائے طبیعت کی مہنوائی میں ٹھک ٹھک دیدم دم نکشیدم کی تصویریں مومیں ہیں۔ میں ایسے عقل سے پیدل علم سے کورے، بصیرت سے محروم خود ساختہ دانشوروں اور مولاناؤں سے جو شیعہ سنی اتحاد کی مرضی میں صاحبِ فراش ہیں۔ کہ حضور جان کی اماں پاؤں تو عرض کروں اگر کوئی منہ بھٹ آپ کی اماں جان کو فاحشہ کہنے کا ارتکاب کرے تو آپ اس سے بھی اتحاد کریں گے یا اس کا علیہ بگاڑنے پرتل جائیں گے۔ مگر وہ صدیقہؓ جس کی عفت و طہارت پر قرآن گواہ ہے۔ جس کا لعاب دہن آخری وقت حضرت صادق و مصدقؑ کے لعاب دہن سے ملا۔ جس کی خاک پا کے ایک ایک ذرہ پر ہماری لاکھوں مائیں قربان اس کی شانِ اقدس میں گستاخی کرنے والوں سے اتحاد یا للعجب! مجھے تو ان لوگوں کے مسلمان ہونے میں شک ہی نہیں بلکہ یقین ہے کہ صدیقہؓ کائنات کو فاحشہ کہنے والوں سے اتحاد کی بانگی ہانکنے والے خود نور ایمان سے محروم ہیں۔

قرآن پڑھو تاکہ تمہیں ہوش آئے۔ قرآن کہتا ہے اَھانتِ الْمُؤْمِنِیْنَ کُفْرًا مَلْعُونِیْنَ۔ ملعون ہیں ایسے منافقو! جہاں بھی پائے جائیں اُخِذُوا بِکُرْیِ جَائِیْنَ

اے مشہور منہ بھٹ برافضی مقبول احمد جسے اپنی دریدہ دہنی کی وجہ سے حکومت ہند نے جیل یا ترا پوترا کا شرف بخشا تھا اپنے ترجمہ قرآن کے حاشیہ پر زیرِ آیت من یات منکم بقا حشۃ بینہ تعابج جنگ جہل میں افواجِ بعدہ کی کما ہر ٹھک حضرت عائشہؓ اس آیت کی رو سے فاحشہ بینی نہ رہیں جو جناب امیر المؤمنین وصی رسول رب العالمین کے خلافت فوج کشی کرنے کے سبل اپنے پیرت بیٹوں کی زبانِ وقار سے نہایت عالمیہ و فوریہ بہت قسم کے خطابات کی مستحق ہو گئی ہیں۔

وَقِيلُوا تَقِيَّالًا - گردن مارِیے جائیں۔

حضرت صادق و مصدوق نے متعدد دیاریہ کلمات فرمائے مجھے عائشہؓ کے معاملے میں ایذا نہ دو۔

قرآن کہتا ہے - و ما کان حکیمان توخذوا رسول اللہ - تمہارے لئے
یہ لائق نہیں کہ تم نبیؐ کو اپنا دو۔

دوسرے مقام پر ارشاد ہے ان الذین یؤذون اللہ ورسولہ لعنہم اللہ
فی الدنیا والآخرۃ جو لوگ اللہ اور اللہ کے رسول کو ایذا دیتے ہیں ان پر دنیا میں بھی اور
آخرت میں بھی لعنت۔ نبی علیہ السلام کی ذات اقدس کی ایذا دہی تو ہوئی آپ کی ازواج
مطہراتؓ کے حضور میں گستاخی، مگر اللہ تعالیٰ کی ایذا دہی کا کیا مفہوم؟ ذرا گہرائی میں
اتر کر دیکھئے۔۔۔۔۔ جس طرح نبی علیہ السلام کی ازواج مطہراتؓ کے حضور میں
گستاخی نبی علیہ السلام کو ایذا پہنچاتا ہے اسی طرح نبی علیہ السلام کی ازواج مطہراتؓ
کے حضور میں گستاخی اللہ تعالیٰ کو ایذا پہنچاتا ہے۔

اسی لئے فرمایا گیا وازواجہ امہتم۔ نبیؐ کی ازواج ان کی مائیں ہیں پھر اسے
موکہ کرنے کے لئے فرمایا
ولا ان تنکحوا ازواجہ من بعدہ
ابداً۔ نبی علیہ السلام کی شرف زوجیت میں آنے کے بعد تم کبھی بھی ان سے نکاح
نہیں کر سکتے۔

سیدہ صدیقہ کائنات کی ذات اقدس پر یوں تو بے شمار رسائل لکھے گئے ہیں۔
تیار فتحپوری کی تالیف صحابیات بھی علمی انداز پر لکھی گئی ہے مگر سب کے سب مختصر ہونے
کے ساتھ ساتھ حقیقی انداز پر نہیں لکھے گئے۔ رہ رہ کر سید سلیمان ندوی کی میرت عائشہؓ
ایک علمی کتاب کہی جاسکتی ہے۔ مگر گھسی پٹی راہ پر چل کر اسے حاطب اہل کا پلندہ
بنادیا گیا ہے جس سے کوئی مثبت نتیجہ اخذ کرنا کارے وارد ہے اس کے بعض مقامات
جب نظر سے گزرے تو بے اختیار یہ شعر زبان پر آ گیا ہے

دیکھا جو تیرکھا کے کینگاہ کی طرف اپنے ہی دوستوں سے ملاقات ہو گئی
جو کچھ دوسکا آپ کے سامنے ہے میں افتد ضرور کنو لگا کہ یہ نہ دیکھئے کہ یہ ہمارے مروجہ ذخیرہ کی روشنی میں
نہیں لکھا گیا بلکہ یہ دیکھئے کہ مروجہ ذخیرہ کی نسبت جس علمی ذخیرہ سے یہ جگر نخت نخت آپ کے سامنے پیش
کیا گیا ہے کیا آپ کے علمی ذخیرہ سے یہ کمال لفظ یہ نہ لکھا گیا ہے بلکہ یہ لکھا گیا ہے کہ یہ

تاریخ و سیرت نویسی کے مآخذ و ادب

مولانا عبید احمد اکبر آبادی فاضل دیوبند ایم۔ اے سابق صدر شعبہ اسلامیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، مدیر ماہنامہ برہان ندوۃ المصنفین دہلی لکھتے ہیں کہ عہد نیرت یا عہد صدیقی کے لئے مآخذ اصولاً دو ہیں۔ ایک کتب احادیث اور دوسرے تاریخ و سیر کی کتابیں۔ ان میں سے ظاہر ہے اول نمبر کتب احادیث کا ہے۔

چنانچہ ہم نے بھی اسی کو مقدم رکھا ہے اور جہاں تک ہم احادیث صحیحہ سے مدد حاصل کر سکتے تھے اس میں کوتاہی نہیں کی ہے لیکن اس موقع پر واضح کر دینا ضروری ہے کہ جن احادیث میں کوئی تاریخی واقعہ بیان کیا گیا ہے ان کی نوعیت اور حیثیت ان احادیث سے کسی قدر مختلف ہے جن میں کوئی شرعی حکم یا اس سلسلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی فعل یا عمل بیان کیا گیا ہے۔ آگے چل کر لکھتے ہیں اس بنا پر اس نوع کی احادیث سے اسند لال کرتے وقت ایک صاحب تحقیق کا فرض ہے کہ اصول روایت کے علاوہ درایت کے ان اصولوں کو بھی پیش نظر رکھے۔

- ۱۔ واقعہ کا جو اصل راوی ہے اس کے تعلقات صاحب واقعہ یعنی جس کے متعلق وہ واقعہ بیان کیا گیا ہے کس قسم کے تھے۔
- ۲۔ جو واقعہ اس کی نسبت بیان کیا گیا ہے کیا اس کے مسئلہ اوصاف و کمالات کے پیش نظر اس واقعہ کا صدور اس سے ہو سکتا تھا۔
- ۳۔ نفس واقعہ کی نوعیت کیا ہے۔ صاحب واقعہ کی شخصیت سے قطع نظر کیا وہ واقعہ اس ماحول میں پیش بھی آ سکتا تھا۔

۴۔ اگر واقعہ کو صحیح مان لیا جائے تو طبعاً جو نتائج اس پر مترتب ہونے چاہئیں وہ ہوئے ہیں یا نہیں۔ بہر حال ایک تاریخی واقعہ کے نقد و جرح کے جو اصول ہیں ان کا اطلاق اس واقعہ پر بھی ہونا چاہیے۔ جو کسی صحیح حدیث میں مذکور ہو۔ اگرچہ وہ روایت صحیحین میں ہی ہو۔ کیونکہ راوی یا رواۃ

کے ہمہ وجہ ثقہ اور معتبر ہونے کے باوجود یہ ممکن ہے کہ راوی کو اس کے متعلق اشتباہ پیش آگیا ہو۔ اس لئے اس واقعہ کو اپنی دانست میں سمجھا سمجھ کر ہی نقل کر دیا ہو۔ مؤرخ کا فرض یہ ہے کہ وہ کسی واقعہ کو محض اس بنا پر قبول نہ کرے کہ وہ حدیث کی کتاب میں مندرج ہے بلکہ اسے اصول نقد و جرح کی کسوٹی پر پرکھے۔ اس سلسلہ کی جملہ روایات کو پیش نظر رکھے اور پھر اس باب میں کسی قطعی فیصلہ تک پہنچنے کی کوشش کرے۔

اس میں شبہ نہیں کہ صحیحین کا مرتبہ کتب حدیث میں سب سے اونچا ہے لیکن یاد رکھنا چاہیے کہ یہ حکم بحیثیت مجموعی اور التشریت کے اعتبار سے ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ صحیحین کی ہر روایت دوسری کتب حدیث کی ہر روایت سے زیادہ صحیح ہے وجہ قبول اگر غیر صحیحین کی روایت کے ساتھ زیادہ ہوں تو بے شک اس کو ترجیح ہونی چاہیے۔

چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی صحیحین کی ان چند احادیث کا جن پر بعض ائمہ حدیث نے کلام کیا ہے۔ تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

فان هذا الموضع متنازع في صحتها فلم يحصل لها من التلقي ما حصل لمعظم الكتاب وقد تعرض كذلك ابن الصلاح في قوله الامواضع ليسيرة انتقد عليها الدارقطني وغيره وقال في مقدمة شرح مسلم له ما اخذ عليهما يعني علي البخاري ومسلم وقدح فيه معتمد من الحفاظ فهو مستثنى مما نهىناه لعدم الاجماع على تلقيه بالقبول (مقدمہ فتح الباری مطبوعہ مصر ۱۳۲۲ء ص ۳۲۲)

یہ یہ مقامات ایسے ہیں کہ ان کی صحت میں اختلاف ہے کیونکہ کتاب (صحیح بخاری) کے ایک بڑے حصہ کو امت نے جس طرح قبول کیا ہے ان کی صحت پر اتفاق کیا ان مقامات کو قبول نہیں کیا اور ابن الصلاح نے بھی یہ کلمہ "بخاری" کے ان چند مقامات کو چھوڑ کر جن پر دارقطنی وغیرہ نے تنقید کی ہے اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے اور انہوں نے اپنی شرح مسلم کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ ہم نے جو یہ دعویٰ کیا ہے کہ صحیحین کو تلقی بالقبول حاصل ہے تو اس سے بخاری اور مسلم کی وہ روایات مستثنیٰ ہیں جن پر گرفت کی گئی ہے اور جن میں کسی لائق اعتماد حافظ حدیث نے قدرے کی ہے کیونکہ ان روایات کو تلقی بالقبول پر اجماع نہیں

اگر ہمارے مورخین روایات کا ان اصولوں کے ماتحت جائزہ لیں تو غالب یہ ہے کہ بعض کبار صحابہ سے تاریخ میں جو چند ایسی باتیں منسوب ہو گئی ہیں جو ان کی شایان شان نہیں ہیں۔ ان سب کی اصدرج ہو سکتی ہے۔ حضرت علیؓ کی بیعت کی بحث میں قارئین دیکھیں گے کہ صحیح بخاری کی روایت کو ہم نے ساقط الاغبار یا موضوع نہیں کہا ہے بلکہ حافظ عیالین ابن کثیر نے اس کی جو تاویل کی ہے اور اس طرح انہوں نے اس روایت میں اور اس کی مخالفت دوسری روایات میں جو تطبیق دی ہے ہم نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ اور ہمارے نزدیک اس قسم کے مواقع پر محتاط طریقہ ہی ہے۔ البتہ جہاں تاویل کی گنجائش ہی نہ ہو وہاں نقد و جرح کے سوا کوئی سچا رہ نہیں۔

(دیباچہ صدیق اکبرؓ)

حدیث بعد و سرور جہ تاریخ کا ہے

ہمارے تاریخی سرمایہ کی بنیادی اور ابتدائی کتب صرف طب یا بس سے پر نہیں بلکہ ان میں مندرج اکثر واقعات صرف رفض کی ترجمانی ہو کر رہ گئے ہیں۔ ایک مورخ پر یہ فرض عاید ہوتا ہے کہ وہ کسی واقعہ کو قلمبند کرتے وقت خوب چھان بین کرے جن لوگوں نے بزم غولیش مورخ یا محقق بننے کے شوق میں یا اپنی تالیفات کی تعداد بڑھانے کے خیال میں یا نادانستہ طور پر یہی ایسے واقعات لکھ دیئے ہیں جن کی زد میں عظیم شخصیتیں ہی نہیں آئیں بلکہ بالواسطہ دینی اقدار بھی لپیٹ میں آ گئے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ان کی وضاحت کی جائے۔

دورِ اول کے مسلمان جب قرآن و حدیث کو سمجھنے اور سمجھانے میں مشغول تھے تو نو مسلم مجوسیوں کا پڑھا لکھا طبقہ تاریخ جھاڑنے میں منہمک تھا۔ اور ان کا یہ جھاڑ "بعض مقامات پر بگڑتا بگڑتا ذخیرہ حدیث میں بھی گھس گیا۔" میں یہاں تفصیل نہیں جانا چاہتا۔ اور نہ ہی اس تالیف میں اس کی گنجائش ہے۔ ایک سرسہ سا خاکہ پیش کرتا ہوں۔

میر ق کے موضوع پر سب سے اولین کتب چار ہیں :

۱۔ کتاب المغازی: ابو عبد اللہ محمد بن اسحق المتوفی ۱۵۱ھ کی تالیف ہے۔ ابن اسحق کو امام مالک ثقہ اور معتبر نہیں سمجھتے امام بخاری نے ان سے کوئی روایت نہیں لی۔ شبلی کے نزدیک ضعیف الروایتہ اور غیر مستند ہے۔ یہ کتاب نابید ہے۔ اس کا خلاصہ ابی محمد عبد الملک ابن ہشام المتوفی ۲۱۸ھ نے لکھا ہے۔ ابن ہشام نے عبد اللہ بن الطفیل البکالی المتوفی ۱۸۳ھ کے واسطے سے روایت کی ہے۔ امام بخاری کے استاد علی بن محمد المدائنی اسے ضعیف الروایتہ کہتے ہیں۔ ابو حاتم غیر مستند کہتے ہیں۔ نسائی اسے ضعیف کہتے ہیں۔

۲۔ المغازی: ابو عبد اللہ محمد بن عمرو الواقدی المتوفی ۲۰۷۔ علامہ ابن حجر المتوفی ۸۵۲ھ تہذیب التہذیب میں اسے تمام محدثین کے حوالوں سے غیر معتبر اور متروک الحدیث کہتے ہیں۔ شبلی کہتے ہیں وہ بالکل نظر انداز کرنے کے قابل ہے۔ محدثین کا اتفاق ہے کہ وہ اپنے دل سے روایتیں گھڑتا تھا۔ امام احمد بن حنبل، ابن عدی، ابو حاتم، ابن المدائنی، دارقطنی، امام شافعی، ابن ابی یوسف، امام بخاری، یحییٰ بن معین، ابو داؤد، نسائی، محمد بن بشار نووی ابن خلکان، زرکانی سب اسے دروغ گو کہتے ہیں۔

۳۔ طبقات ابن سعد: محمد بن سعد کاتب الواقدی المتوفی ۲۳۰ھ طبقات میں آدھی سے زیادہ روایتیں واقدی کی ہیں اور باقی میں سے بھی آدھی سے زیادہ غیر معتبر راویوں کی ہیں۔

۴۔ تاریخ الامم والملوک: ابی جعفر محمد بن جریر طبری المتوفی ۳۲۰ھ۔ مختلف و متضاد روایات کا مجموعہ ہے۔ طبری کے شیوخ سلم البریشی، ابن سیف ترمی اور ابن نجیم بقول محدث سلمانی شیعوں کے لئے حدیث وضع کرنے والے تھے۔ علامہ ذہبی کہتے ہیں طبری میں فی الجہات شیعہ تھے۔ مرنے کے بعد طبری کو مسلمانوں نے اپنے قبرستان میں دفن نہیں ہونے دیا تھا۔

ابن خلدون کہتا ہے۔

لیکن افسوس بن بلائے ہوئے نالائق مہمانوں نے تاریخ میں جھوٹے اور خود ساختہ افسانے ملا دیئے۔ اوہام و خیالات بھر دیئے اور کمزور منقولہ اور خود تراشیدہ روایات کے خوب صورت حاشیے۔ پھر بعد والے انہی کے بتائے ہوئے راستہ پر چل پڑے۔ کبیر کے فقیر بن گئے اور جو کچھ واقعات انہوں نے سنے تھے بلا کم و کاست ہم تک پہنچا دیئے۔ انہوں نے واقعات کے اسباب پر غور و فکر نہیں کیا۔ اور نہ ان کی رعایت مد نظر رکھی۔

(ترجمہ مقدمہ حصہ اول صفحہ ۱۶۵)

تاریخی فن کے معیار صحت پر ابن خلدون کی یہ رائے ایک مورخ کے لئے حرف آخر کا مقام رکھتی ہے۔ مگر خود ابن خلدون کی یہ حالت ہے کہ اس کے تمام مآخذ سہائی دنیا کے مشہور افسر اپر وار اور کذاب داستان گو ہیں۔ وہ اپنے بیان کردہ قاعدہ کلیہ پر خود عمل نہ کر سکا۔

اس کی توجہ یہ ہی ہو سکتی ہے کہ وہ غیر شعوری طور پر ذہنا خود فرض کا ہمنوا ہو چکا تھا۔ گورہ مسلک مالکی تھا مگر دنیا کے سبائیت کے مسلسل پروپیگنڈے نے اس کے ذہن کو اسی فرض کی خرافاتی دنیا کا باسی بنا دیا تھا۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ ”جو مستند شہرت و امانت کی فضیلت میں گئے سبقت لے گئے اور

جنہوں نے قدامت کی کتابوں کا قطرہ قطرہ اپنی کتابوں میں پھیر لیا۔ وہ تھوڑے سے ہیں اور انگلیوں پر گنے جاسکتے ہیں جیسے ابن اسحق۔ ابن جریر طبری، ابن کلبی، محمد بن عیسیٰ واقدی اور سیف بن عمر اسدی وغیرہ یہ مورخین مشہور ہیں۔ اور جمہور سے ممتاز ہیں۔“

(ترجمہ مقدمہ ابن خلدون حصہ اول ص ۱۳۱)

ابن خلدون جن مورخین کو ثقہ اور قابل حجت قرار دیتا ہے ان کی حالت یہ ہے کہ: ابن اسحق کو امام مالک ثقہ اور معتبر نہیں سمجھتے۔ امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں ان سے کوئی روایت نہیں لی۔ شبلی کے نزدیک اس کے بہت سے رواۃ ضعیف الروایہ اور غیر مستند ہیں۔

واقعی نہایت جھوٹا اور کذاب تھا۔ علامہ ابن حجر کہتے ہیں واقعی

اگر سچا تھا تب بھی اپنی نظیر نہیں رکھتا تھا اور جھوٹا تھا تب بھی اپنی نظیر نہیں رکھتا تھا۔
 (تہذیب التہذیب) غرضیکہ وہ اپنے دل سے روایتیں گھڑنے والا تھا۔ احمد بن حنبل
 ابن عدی البجلی، ابن المدینی، دارقطنی، شافعی، ابن راہویہ، امام بخاری، یحییٰ بن معین
 ابو داؤد سجستانی، امام نسائی، محمد بن بشر، امام نووی، علامہ ذہبی، قاضی ابن خلدون
 اور ابن حجر تمام کے تمام اسے دروغ کو قرار دیتے ہیں۔

طبری کے رفض پر میں اپنی تمام تالیفات میں بالتفصیل بحث کر چکا ہوں میری رائے
 میں ذہبی لکھتے ہیں کہ طبری میں فی الجملہ تشیع تھا۔ کلبی غالی رافضی اور
 پر لے درجے کا دروغ گو تھا۔

یہ ہیں گویا ابن خلدون کے نزدیک ثقہ مورخین ————— ان حالات میں
 تاریخ ابن خلدون کا کیا مقام رہ جاتا ہے۔

الغرض یہ سب کتب جھوٹی، سچی، صحیح اور غلط روایتوں کا مجموعہ ہیں ان
 کے بعد سیرت کے موضوع پر یا تاریخی انداز میں جو کچھ لکھا گیا انہیں کے حوالے
 سے لکھا گیا۔ غرضیکہ متاخرین نے جو کچھ لکھا بغیر تحقیق کے لکھا اور کبھی پرکھتی باتیں
 چلے گئے۔ حتیٰ کہ فلسفہ تاریخ کا بانی تو بالکل طبری ہو کر رہ گیا۔

ابن خلدون نے گواہ اپنے مشہور آفاق مقدمہ میں تاریخی روایات کو اصول
 و راہیت پر پرکھنے اور قرآن سے ان کو جانچنے پر زور دیا ہے مگر عملاً وہ خود ایسا نہ
 کر سکا۔ چونکہ تاریخی روایات کو اس طرح جانچنا بہت مشکل اور کسی ایک فرد کا
 نہیں بلکہ اداروں کے کرنے کا کام ہے۔ اس لئے اپنی تاریخ میں وہ اپنے ان
 بیان کردہ اصولوں پر عمل نہیں کر سکا۔ اور اسے مجبوراً اعتراف کرنا پڑا کہ
 ”میں نے جو کچھ اور جزوی حالات لکھے ہیں وہ اکثر تاریخ کبیر محمد جریر طبری کا خلاصہ ہیں“

ترجمہ تاریخ ابن خلدون حصہ اول رسول اللہ و خلفائے رسول صفحہ ۵۵۸ سطر ۱۵،
 ان حقائق و شواہد کی روشنی میں چند واقعات کا سرسری سا جائزہ لیجئے:

ابن جریر کا رفض مسلمات کا درجہ رکھتا ہے اور ابن خلدون اس کے خوشہ چینی ہی
 نہیں بلکہ اس سے کسی قدم آگے بڑھ کر رفض و سبائیت کے مسلمہ و کبیل بننے پر غور

کر رہے ہیں۔ اگر آپ کے پاس مقدمہ ابن خلدون جلد اول نفیس اکیس طبعی کا
شائع کردہ ترجمہ موجود ہو تو اس کا صفحہ ۲۰۱ نکالئے اور سطر ۱۱۱ ملاحظہ کیجئے لکھا ہے

”لیکن میں نے دنیا میں اس امید پر اہل بیت کی عزت و ترویج کی اور جھگڑا
کیا کہ وہ میری طرف سے قیامت کے دن جھگڑیں۔“

ابن خلدون کے اس فقرہ کا صاف مطلب یہ ہے کہ وہ صحیح واقعات کو جو
نام نہاد اہل بیت کی طرف منسوب تھے اور ان میں تنقیصی پہلو تھے ابن خلدون انکی ترویج کے
غلط واقعات لکھے۔ یعنی ایسے صحیح واقعات چھوڑ دیئے جن سے نام نہاد اہل بیت کی
تنقیص کا اظہار ہوتا تھا اور ان کی بجائے اس قسم کے من گھڑت واقعات کی
بھرتی ضروری سمجھی جن سے ان کی توصیف کا پسلا جا کر ہو سکتا تھا۔

”رہا قیامت کے دن ابن خلدون کے لئے ان نام نہاد اہل بیت
کا جھگڑنا“ تو یہ صریحاً اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ابن خلدون اور سب سمجھتے تو
ہو سکتا ہے مگر قرآن نہیں سے نابلد تھا۔ ورنہ اس قسم کے تصور تک کو قریب نہ
پھٹکنے دیتا۔

سرانجام میں
مدینہ سے دس سال
دور نکلیں ہمارے
ابو بکرؓ نے
دس دس سال
نکالے

قرآن و حدیث تاریخ کا تقابل

اور تاریخ کے داخلی تناقضات

۱۔ سیدنا امیر معاویہؓ بزبان رسالت مآب
ہادی و ہدی ہیں۔ باطل غلط

۲۔ امیر مروانؓ سے ائمہ حدیث نے فتاوے
اور احادیث لیں۔ نامکون

تاریخ نے انہیں بڑے دھڑلے سے عادی
مجرم گردانے میں فرد بھر چکا ہے محسوس
نہ کی۔ ~~بطل حجت~~
تاریخ نے انہیں فاسق و فاجر بنا کر
دم لیا۔ ~~بطل حجت~~

۱۔ امیر المومنین امیر مروانؓ بن الحکم کے نام سے باقی الحروف کی تالیف طبع ہو چکی ہے جس میں سیدنا
امیر مروانؓ کے حالات شرع و بسط سے بیان کیے گئے ہیں۔ نیز دیکھیے حجاج بن یوسفؓ پر میر مقدمہ

۳۔ جواب کے مقام پر مشہور یا غیبی ام زمل
قتل ہوئی۔

۴۔ امیر مزید، بنی علیہ السلام کی زبان
مبارک سے مغفور کہلائے۔
۵۔ ملعونین علی لسان محمد وہ لوگ تھے
جنہوں نے ذوالنورینؑ کو شہید کیا۔
۶۔ سیدنا معاویہؓ اور ان کے لشکر کی
سیدنا علیؓ کی زبان سے اپنے جیسے
مسلمان تھے۔

۷۔ سیدنا حسینؓ کو جب اپنی غلطی
کا احساس ہوا تو وہ امیر مزیدؑ کی
بیعت کے لئے کوفہ پہنچے۔
پہلے ہی عازم دمشق ہو گئے۔

۸۔ احادیث کی روشنی میں بنی علیہ السلام
کے کفیل آپؑ کے نابا زبر تھے۔

۹۔ شعب بنو ہاشم میں بنی علیہ السلام کو
ضروریات زندگی کا سامان پہنچا ہوا ہے۔
آنحضرتؐ کے داماد سیدنا ابوالعاص
بن ربیع تھے۔

مگر تاریخ نے مکہ سے بصورت میں جواب کا مقام
پیدا کر کے صدیقہ کائنات پر کتے بھونکنے
والی روایت چسپاں کر کے دم لیا۔
تاریخ نے انہیں زانی، شرابی، فاسق اور
فاجر کے رُوب میں پیش کیا۔
مگر تاریخ نے مجاہدین حرہ پر یہ روایت
چسپاں کر دی۔ حقائق سے سنی
لیکن تاریخ نے انہیں خالی بلکہ باغی
قرار دیا۔

مگر تاریخ آج تک امیر مزیدؑ کو
قتل حسینؓ کا مجرم کہہ رہی ہے۔
تاریخ حقیقت سے۔

لیکن داستانیں آج تک بنی علیہ السلام
کی کفالت کی سعادت کا سرا بوطالبؑ
جیسے تلاش مفصل اور پہلچ کے سر
باندھ رہی ہیں۔

مگر شعب بنو ہاشم شعب ابوطالبؑ
بنا دیا گیا۔
بنا دیا گیا۔

۱۰۔ تفصیلی حالات کے لئے راقم کی تالیف "شہادت ذوالنورین" ملاحظہ
کیجئے۔

فتح مکہ کے روز نبی علیہ السلام کے رفیق
انہی ~~بنی النضر~~ کے بیٹے سیدنا علی
یعنی نواسہ رسول تھے۔؟

سیدہ رقیۃ الزہراء بنت رسول اللہ
کی اولاد آج بھی دنیا میں زندہ موجود
ہے اور ان کے پوتے کا نام زین العابدین
تھا۔ ~~زین العابدین کے بیٹے سیدنا علی~~
~~کی اولاد آج بھی دنیا میں زندہ موجود~~
~~ہے اور ان کے پوتے کا نام زین العابدین~~

۱۲۔ عمار بن یاسر کو مصری باغیوں نے
مصر سے لوٹتے ہوئے راستہ میں ہی
قتل کر دیا تھا حضرت عمارؓ کے مصر میں
منقول ہونے کی تفصیل ابن خلدون جلد
نمبر ۲ صفحہ ۲۱۸-۲۱۹ طبری جلد ۵
صفحہ ۱۰۴-۲ اور فوار الوفا لسمووی
میں بھی موجود ہے لاقتل عمار بن
کے کلمات بھی احادیث میں موجود ہیں
سیدنا خالدؓ سبب اللہ غزوہ
موتہ سے فتناب ہو کر لوٹے۔
(صحیح بخاری کتاب المغازی)

مگر تاریخ نے نہایت چابکدستی سے وہاں
سیدنا علیؓ بن ابی طالب کو آگے بڑھایا

مگر یارین سر بل نے تاریخوں میں سیدہ رقیۃ
(رقیۃ الزہراء کے بیٹے کی آنکھ میں مرغ
کی ٹھونگ مروا کر وادی موت میں دھکیل
دیا اور سیدنا حسینؓ کے بیٹے سیدنا علیؓ
کو امام زین العابدین بنا کر سیدہ رقیۃ الزہراء
کی اولاد ہی صفحہ ہستی سے نابود کر دی ہے



مگر ان لوگوں نے سیدنا امیر معاویہؓ کو
باغی ثابت کرنے کے لئے عمار بن یاسرؓ
کو جنگ صفین میں پہنچا دیا۔

تاریخ کہہ رہی ہے کہ خالدؓ باقی ماندہ لشکر کو
بچالائے اور جب یہ لشکر مدینہ پہنچا۔ تو
بعض لوگوں نے ان کے سروں پر خاک
ڈالنی شروع کی۔ بعض مورخین نے اسے

سیدہ رقیۃ الزہراء کی اولاد کے حالات کے لئے میری تالیف عزت رسولؐ نیز
سید عبدالغادر ملتانی کی تالیف الرقیۃ الزہراء دیکھیے۔

تباہی بخش بہریت کہا

(ابن خلدون ابن مشام، تاریخ ہیر علی)
تاریخ کہتی ہے کہ سعد بن عبادہ نے بیعت
کی نہ وہ حضرت ابوبکرؓ کے پیچھے نماز
پڑھتے تھے۔ (طبری)

حضرت ابوبکرؓ کی بیعت پر سعدؓ بہت
ناراض تھے ر ابن خلدون

۱۲۔ حدیث میں ہے کہ تمام لوگوں نے حضرت
ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔
بخاری مناقب ابوبکر

۱۵۔ جنگ احد میں مسلمانوں کو فتح ہوئی
اور دوسرے دن انہوں نے کفار کا
تغائب کیا۔ (آل عمران)

۱۶۔ حدیث میں ہے کہ فاروق اعظمؓ
نبی علیہ السلام کی دعا کی برکت سے
سورہ الحاقہ کی آیات اِنَّہ لَقَوْل
رَسُولِ کَرِیْمٍ مِّنْ کَرِیْمِیْنَ لَآئِے۔

الغرض اس قسم کی سینکڑوں مثالیں پیش کی جاتی ہیں جو احادیث میں موجود
ہیں مگر تاریخ ان کے خلاف بیان کر رہی ہے۔ اور بعض باتیں جو تاریخ کے بعض مقامات
میں صحیح ہیں مگر بابت کی دسیسہ کاریوں سے متاثر ہو کر اسی مورخ نے دوسرے
مقام پر اس کی صورت مسخ کر کے پیش کی ہے۔ جواب کا واقعہ اور سیدنا عمار
کا قتل اس کی زبرد مثالیں ہیں۔ تفصیل اپنے مقام پر آئے گی۔

انشاء اللہ ؟





اُمُّ الْمُؤْمِنِيْنَ

صلوة اللہ علیہا

صَدِيقَةُ كَائِنَاتٍ سَيِّدَةُ عَالَمِيْنَ

اللہم صل علی محمد بن النبی الامی وازواجه امہات المؤمنین ذرائعہ ریحۃ الہیۃ

کما صلیت علی الابرار وعلیٰ ائمتہ کرامہ

(ابوداؤد، نسائی)

نام : عائشہؓ

لقب : صدیقہ

خطاب : ام المؤمنینؓ

کنیت : ام عبد اللہؓ

سیدنا عبد اللہؐ آپ کی بہن سیدہ اسماءؓ کے بیٹے تھے۔ تواریخ و سیر کی کتب میں عبد اللہ بن زبیرؓ کے نام سے مشہور ہیں۔ امیر المؤمنین زیدؓ کے دور خلافت میں سیدنا حسینؓ کی شہادت کے بعد مدعی خلافت ہوئے مگر استقلال حاصل نہ ہو سکا۔ اور مکہ میں شہید ہو گئے۔

جب دیگر امہات المؤمنینؓ نے اپنی سابقہ اولادوں کے نام پر اپنی کنیتیں رکھ لیں تو ام المؤمنین صدیقہ کائناتؓ نے دربار رسالت میں عرض کی۔ میں کس کے نام پر اپنی کنیت رکھوں۔ تو حضرت صادق و صدوق خاتم النبیین و المعصومینؑ نے فرمایا

تم اپنے بھانجے عبداللہ کے نام پر اپنی کنیت رکھ لو۔

(ابو داؤد کتاب الادب ابن حنبل مسند عامہ)

بعض جملہ نے آپ کا لقب جمبر بھی لکھا ہے۔ مگر محققین نے اسے موضوعات میں سے قرار دیتے ہوئے منسوب الی الروافض قرار دیا ہے تفصیل اپنے مقام پر کیگی۔
باب کا نام : ابو بکر صدیقؓ لے

لے نہ معلوم سب سے پہلے کس خبیث الطبع، شریر النفس اور بدیاطن شخص نے یہ ہانک لگائی کہ نبی علیہ السلام کی ازواج مطہرات میں سے صرف حضرت عائشہؓ ہی کنواری تھیں اس لئے ان کے باب کو ابو بکرؓ کہتے ہیں۔ میرے پاس اس کا نہایت مختصر سا جواب موجود ہے جو اگرچہ لطیف الطبع اصحاب کے نزدیک سوتیانہ ہی سہی مگر جن اثرات کی عفت سے صدیق اکبرؓ جیسی عظیم شخصیت جو سب سے پہلے ایمان لایا، پورے تیس سال تک نبی علیہ السلام کا ہمدرد و مسازرہ اور جسے نبی علیہ السلام نے اپنی زندگی میں ہی اپنا جانشین مقرر فرمایا۔ جو مرنے کے بعد بھی نبیؐ کے پیلوں میں آسودہ خواب ہے جو قیامت کے دن تمام امت سے پہلے نبیؐ کے ساتھ اٹھے گا، جو حجت میں بھی نبیؐ کا رفیق ہو گا اس کی ذات قدسی صفات کے لئے ایسی سوتیانہ قسم کی تشبیہ و ترسہ کرنے والے خود تو ایمان سے کوسے ہیں۔ کیا ایسا کہتے والوں کی بیٹیاں پیدا ہوتے ہی شیب ہوتی ہیں۔ کیا وہ نکاح سے پہلے ہی اپنا کنوارا پتہ والدین کے منہ پر پھینک کر اپنے خاوند کے گھر جاتی ہیں۔ مجھے اس مقام پر نہ تو مستشرقین کی جہالت کا ماتم کرنا ہے اور نہ ہی ابن سبا کی امت پر افسوس ہے۔ افسوس ہے ان جاہل قسم کے سنیوں کی عقل پر جو بدیاطن اثرات کی اس سازش کی یلغار میں ان کی سر سے سرطائع پلے جا رہے ہیں۔

لفظ بکر عربی زبان میں تین طریقوں سے آیا ہے :

(۱) بکسرہ ب، البکر اس کے معنی کنواری کے ہیں یا وہ مرد جو عورت کے پاس نہ

گیا ہو، قرآن مجید میں لاخارض ولا بکر نہ بڑھی نہ جوان ان ہی معنوں میں آیا ہے۔

(۲) بضم ب، البکر اس کے معنی صبح یا دن کے پہلے حصے کے ہیں (رتاج) طلوع فجر

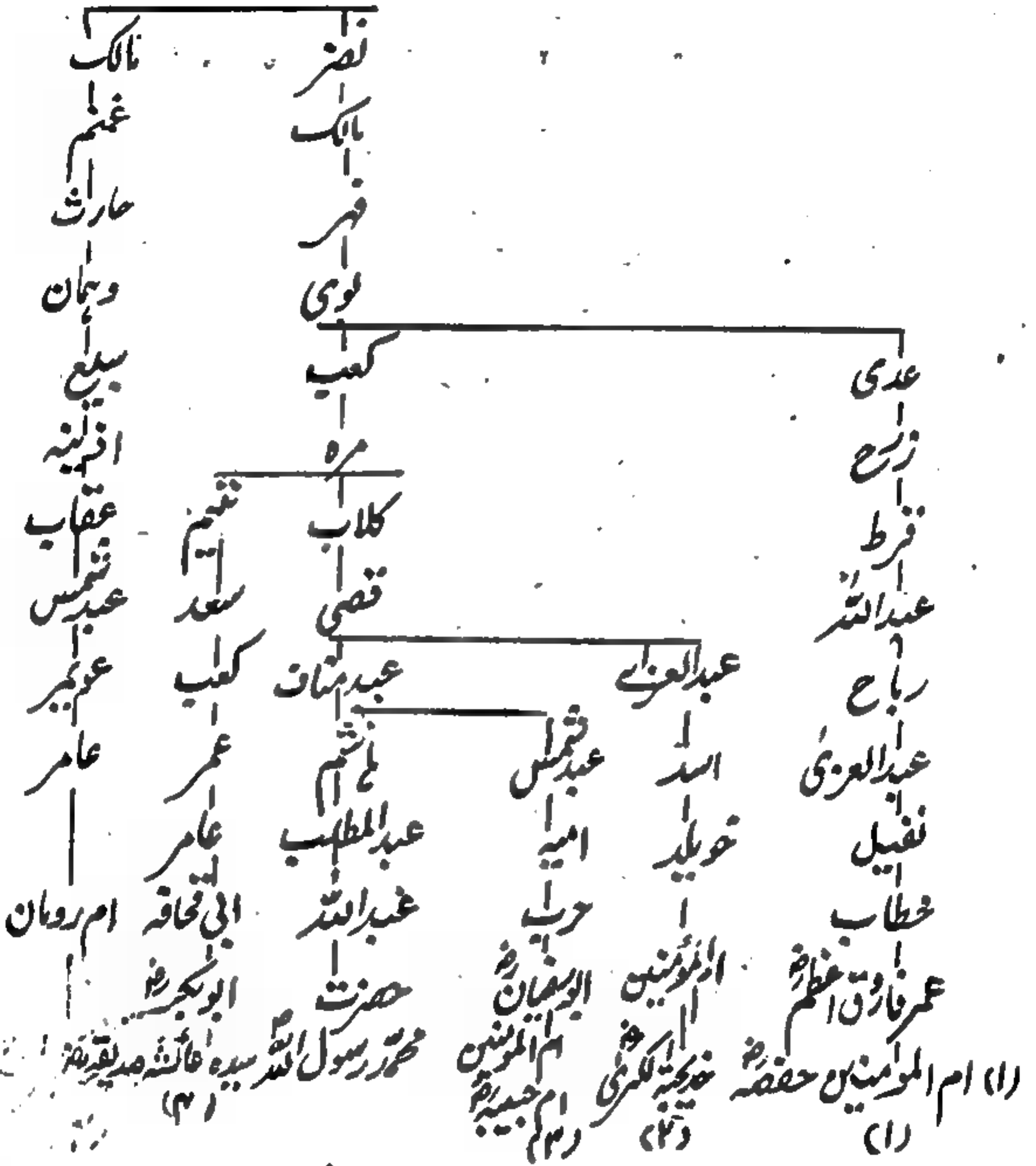
سے چاشت تک کی مدت (محیط) صدیق اکبرؓ کا لقب نہ ہی ابو بکرؓ ہے اور نہ ہی ابو بکرؓ لفظ

(باقی صفحہ ۲۱ پر)

ب ابو بکرؓ ہے۔

شجرہ نسب

کناتہ



نبی علیہ السلام کے خاندان سے چار بیٹیوں کو امہات المومنین ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ ان میں ہاشمیہ کوئی نہ تھیں ایک عدویہ تھیں دوسری اسدیہ تیسری امویہ اور چوتھی تیمیہ اور یہ ہوتے پختن پاک۔ باقی امہات المومنین دوسرے خاندانوں سے تھیں۔

(لفظی حاجت) بکریہ فتح ب کے معنی ہیں جسکی پہلے کوئی نظیر نہ ہوا (فاموس) یعنی صحیح تعلیم تربیت اعمال صالحہ کی وجہ سے شخص الہی صفات کا حامل ہو جسکی پہلے کوئی نظیر نہ ہو ہر ایک کام میں پہل کر نوا لا کسی شجر کا ابتدائی پھل عورتوں سے بچا ہوا دوسرے نمک کام میں پیش پیش رہنے والا صدیق اکبر کو ابو بکر اس لئے کہا گیا کہ آپ سب پہلے ایمان لائے اور اسلام سے اولین نفر کہلائے قبل اسلام بھی دوسری عورتوں سے محبت نہ تھی تمام نمک کاموں میں سب صحابہ کرام سے پیش پیش تھے کہ کیا ابتدائی نام عبد اللہ تھا اسلام لانے کے بعد نبی علیہ السلام نے عبد اللہ تجویز فرمایا حلیق اور صدیق آپ کے لقب تھے (۱۱) شعیب (۱۲)

حضرت ام رومانؓ کے بطن سے سیدنا صدیق اکبرؓ کی دو اولادیں ہوئیں۔
ولادت { سیدنا عبدالرحمنؓ اور سیدہ صدیقہؓ کائنات۔

سیدہ صدیقہؓ کائنات کی تاریخ ولادت کے متعلق تاریخ و سیر کی کتابیں خاموش ہیں۔ بخاری کی ایک روایت جو صدیقہؓ کائنات کے نکاح کے متعلق ہے اس کی روشنی میں صدیقہؓ کائنات کا سال ولادت نبوت کا چوتھا سال قرار دیا جاتا ہے۔ گمبہ یہ سن ولادت بوجہ محل نظر ہی نہیں بلکہ ان قرآن و شواہد کی روشنی میں جو آگے چل کر ایک الگ باب میں بیان کیے جائیں گے۔ بالکل غلط ہے۔ آپ کی ولادت نبوت سے تقریباً پانچ چھ سال پہلے ہوئی تھی۔

بچپن { کائنات صدیق ہی وہ مقام ہے جو سب سے پہلے انوار نبوت سے مستنیر ہوا۔ اس لحاظ سے صدیقہؓ کائنات کو یہ ثروت و فضل حاصل ہے کہ آپ نے اسلامی صوفشانیوں میں شعور کی آنکھیں کھولیں اور توحید و رسالت کی آوازوں میں پروان چڑھیں اور آپ کی آنکھیں طوائفیت پرستی کے مناظر کی دید سے ملوث نہ ہوئیں آپ کا قلب صافی کفر و شرک کی تلخیوں سے مومن رہا۔ چنانچہ آپ خود فرماتی ہیں کہ میں نے جب شعور کی آنکھیں کھولیں۔ اپنے والدین کو اللہ کے دین میں سرشار پایا۔

بچپن میں قرابت { سورۃ القمہ تقریباً ۵ نبوت میں نازل ہوئی۔ صدیقہؓ کائنات فرماتی ہیں کہ جب بل الساعۃ موعدهما دھی و امر (القہر) نازل ہوئی تو میں اس وقت کھیلتی تھی (بخاری جلد ۲ صفحہ ۲۰۴) اس روایت سے دو باتیں معلوم ہوئیں کہ ۵ نبوت میں اگر آپ کی ولادت تسلیم کی جائے تو اس وقت کیا پیدا ہوتے ہی آپ نے کھیلنا بھی شروع کر دیا تھا اور انسا شعور بھی پیدا ہو گیا تھا کہ یہ کلام الہی ہے۔ لہذا بخاری کی چھ سال کی عمر میں نکاح والی روایت اور اس روایت میں رفع تضاد کے لئے ماننا پڑے گا۔ کہ آپ کی پیدائش نبوت سے پہلے ہوئی تھی اور دوسری بات یہ کہ آپ بچپن میں ہی عام بچوں سے ذہانت اور جودت طبع میں ممتاز مقام رکھتی تھیں۔ اور صغریٰ میں ہی قرآن فہمی کا جوہر آپ کی ذات اقدس میں موجود تھا۔

ایک بار آپ گڑلوں سے کھیل رہی تھیں ان میں ایک دوپٹوں والا گھوڑا بھی تھا۔ نبی علیہ السلام تشریف لائے اور پوچھا عائشہ کیا ہے۔ جواب دیا گھوڑا ہے۔ حضرت نبی اکرمؐ نے فرمایا۔ گھوڑے کے تو پر نہیں ہوتے حضرت صدیقؓ نے برہنہ جواب دیا کہ حضرت سلیمانؑ کے گھوڑوں کے تو پر تھے۔ نبی اکرمؐ اس بے ساختہ پن پر مسکرا دیئے۔ (مشکوٰۃ باب عشرة النساء)

محمدؐ نے اس واقعہ کو غزوہ خیبر کے زمانہ کا قرار دیا ہے۔ مگر غزوہ خیبر کے زمانہ میں حضرت صدیقؓ کی عمر بیس سال سے بھی زیادہ تھی۔ اس لئے یہ بات ذرا محل نظر ہے۔

تسادی

ام المؤمنین سیدہ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پچیس برس تک شرفِ زوجیت سے ممتاز رہ کر ہجرت سے تین برس پیشتر رمضان ۱۰ نبوت میں فردوسِ بریں کو سدھار گئیں۔ اس وقت حضرت خاتم النبیین و المعصومین صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر تشریف ۵۰ برس تھی۔

سیدہ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ کی زوجہ نہ تھیں بلکہ مہدم و مساز، تنہائی کے مضطرب لمحات میں مونس، ہجومِ مصائب میں غمگسار، تنگدلیوں کے تلاطم میں پشتیبان، بدزبانیوں کے طوفانوں میں تسکین و اطمینان کی طوبیٰ فردوس تھیں۔ ایسی رفیق، غمگسار، مہمدر، بیوی کا عین ایسے وقت ساتھ چھٹ جانا جب گھر میں چار بیٹیاں بھی ہوں۔ اور طواغیت و ابالسد کے افواج در افواج گرد چاروں طرف سے امنڈھ امنڈھ کرا رہے ہوں۔ گھر کی تیارزہ بندی کے لئے کسی ایسی ہستی کا ہونا اشد ضروری تھا جو اس خلا کو پورا کر سکے۔

اس سال کو تاریخ و سیرت کی کتب میں عام الحزن کہا گیا ہے حضور خاتم المعصومینؐ کی یہ عائلی کیفیات جان نثاروں کے لئے سولہاں روح تھیں۔ مگر اس موضوع پر گفتگو کرنے کی شاید جرأت اپنے اندر نہ پا کر سب نے خاموشی اختیار کر رکھی تھی۔ مگر ایک بزرگ صحابہ خولہ بنت حکیم زوجہ عثمان بن مظعون المتوفی ۲ ہجری نے ایک دن جرأت

کر کے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ آپ دوسرا نکاح فرما لیں تاکہ گھر کے حالات کی طرف سے آپ کو سکون مل سکے۔ آپ نے فرمایا کس سے؟ سیدہ خولہؓ نے عرض کی بیوہ اور کنواری دونوں طرح کی لڑکیاں موجود ہیں۔ جس کو آپ پسند فرمائیں۔ فرمایا وہ کون ہیں؟ سیدہ خولہؓ نے عرض کیا۔ بیوہ سودہ بنت زمعہ ہیں اور کنواری عائشہ بنت ابوبکرؓ ہیں۔

اب یہاں ایک بات قابل غور ہے۔ ام المومنین سیدہ سودہؓ کی عمر ثلثت اس وقت پچاس سال تھی اور سیدہ صدیقہؓ کی عمر اگر اس وقت چھ سال تھی تو سیدہ خولہؓ نے کیا سمجھ کر جو دو عورتیں آپ کے لئے تجویز کی تھیں ان میں سے ایک پچاس سال کی بڑھیا ہیں اور دوسری چھ سالہ بچی۔ کیا نبی علیہ السلام کی تنہائی اور امورات خانہ داری کی اصلاح کے لئے سوچا جا رہا ہے یا ایک اور ذمہ داری کا بوجھ اٹھانے کا مشورہ دیا جا رہا ہے۔ حقیقت یہی ہے جو متعدد دیگر مقامات پر بیان کی گئی ہے۔ کہ سیدہ صدیقہؓ اس وقت جوان تھیں اور سیدہ خولہؓ نے یہ سوچ کر ایسا مشورہ دیا تھا کہ سیدہ سودہؓ ضعیف العمر ہیں وہ نبی علیہ السلام کی بیٹیوں کی سرپرستی کے لئے موزون ہیں۔ اور سیدہ عائشہؓ جوان ہیں۔ وہ بچہ ہیں۔ یہ صحیح معنوں میں سیدہ خدیجہؓ البکریؓ کا خلا پورا کر سکیں گی۔ اور آگے چل کر یہ زمانہ نے دیکھ لیا۔ کہ صدیقہؓ کا ثبات نے یہ خلا کس طرح پورا کیا۔ اور اگر صدیقہؓ کا ثبات کی عمر ثلثت چھ سال تھی تو کیا اس وقت مکہ میں دوسری کوئی نوجوان لڑکی موجود تھی۔ کہ سیدہ خولہؓ نبی علیہ السلام کی خدمت میں چھ سالہ بچی کے رشتہ کی تحریک کر رہی ہیں۔ اور نبی علیہ السلام بھی یہ دریافت نہیں فرماتے کہ ایک چھ سالہ بچی کس طرح میرے گھر کا انتظام سنبھالے گی۔ یا للعجب

نبی علیہ السلام کا منشا مبارک پاکر سیدہ خولہؓ سیدنا ابوبکرؓ کے ہاں پہنچیں۔ سیدنا صدیق اکبرؓ رضی اللہ عنہ نبی علیہ السلام کو اپنا دینی بھائی سمجھتے تھے۔ عرب میں دستور تھا کہ جسے منہ بولا بھائی کہا جاتا تھا اس کی اولاد کو سکے بھتیجیوں کی طرح سمجھا جاتا تھا۔ آپ نے حیران ہو کر بوجھا۔ خولہؓ عائشہؓ تو نبی علیہ السلام کی بھتیجی ہیں۔ یہاں پھر ایک بار اس بات پر غور کیجئے کہ ایک عورت ایک آدمی سے لڑکی کا رشتہ ایک پچاس سالہ بزرگ

کے لئے طلب کرتی ہیں۔ لڑکی کا باپ یہ نہیں کہتا کہ لڑکی کم عمر یا نابالغ ہے۔ آخر لڑکی کے باپ کے منہ سے نابالغی کے الفاظ کیوں نہیں نکلتے جو ایسے مواقع پر ضرور کہنے پڑتے ہیں اس کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ حضرت صدیقہؓ اس وقت پوری طرح جوان تھیں۔ صدیقہ کائناتؓ کی ذات اقدس اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضور خاتم النبیینؐ و المعصومین کے لئے روز الست سے ہی بلکہ آنحضرتؐ کے نور کی تخلیق کے ساتھ ہی تخلیق فرمادی گئی تھی۔ گویا صدیقہ کائناتؓ کی ذات آنحضرتؐ کے لئے خصوصی تخلیق تھی۔ چنانچہ آنحضرتؐ فرماتے ہیں کہ میں نے عالم خواب میں دیکھا کہ ایک فرشتہ رستم کے کپڑے میں لپیٹ کر کوئی چیز پیش کر رہا ہے۔ پوچھا کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ آپ کی بیوی ہیں۔ کھول کر دیکھا تو حضرت صدیقہؓ تھیں۔
(بخاری مناقب عائشہؓ)

نکاح نہایت سادگی سے ہوا۔ صدیقہ کائناتؓ فرماتی ہیں کہ نکاح کے بعد ماں نے مجھے باہر نکلنے سے روک دیا۔ اس روایت سے کبھی معلوم ہوتا ہے کہ اگر آپ چھ سالہ بچی تھیں تو باہر نکلنے سے روکنے کا کیا سبب؟

صدیقہ کائناتؓ فرماتی ہیں کہ ان کا ہر بارہ اوقیہ ادیا یک نش مقرر ہوا۔ یعنی تقریباً پانصد درہم۔ آج کے حساب سے ایک سو روپیہ سے کچھ ہی زیادہ۔ صحیح مسلم میں حضرت صدیقہؓ سے مروی ہے کہ ازواج مطہرات کے ہر کی رستم عموماً پانصد درہم ہوتی تھی۔ مسند احمد بن حنبلؒ کی ایک روایت بھی اس کی تائید کرتی ہے۔ آج جہلاء میں جو سارے بتیس روپے کی ہر کی ایک زبان زد ہے معلوم نہیں اس کا ماخذ کیا ہے؟ اور جو لوگ کم ہر کو اپنے خاندان کی ذلت سمجھتے ہیں۔ انہیں بھی اس بات پر غور کرنا چاہیے کہ ازواج مطہرات کی ذوات قدسیہ کے مقابلہ میں ان کی ہستیاں ہر گاہ جتنی بھی وقعت نہیں رکھتیں۔ پھر ان کے اس ادعا کو سوائے طاغوتی تلبیس کے کیا کہا جاسکتا ہے؟

نکاح کی تاریخ علامہ بدرالدین عینیؒ شارح بخاری ہجرت سے دو برس پہلے بیان کرتے ہیں۔ اس بارہ میں مختلف اقوال ہیں مگر اقرب ترین قول یہ ہے کہ ام المومنین خدیجہ الکبریٰؓ کی وفات کے جلد بعد آپ کا نکاح ہو گیا

کھا۔ اکثر محققین اس بات پر متفق ہیں کہ رمضان میں سیدۃ خدیجہ الکبریٰ کا انتقال ہوا اور شوال میں صدیقہ کائنات کا نکاح ہوا۔

صدقہ کائنات کو بحین کے تمام واقعات یاد تھے اور ضرورت کے وقت انہیں بیان فرماتی رہتی تھیں۔ ہجرت کے وقت آپ کی عمر چودہ پندرہ سال تھی مگر ان سے بڑھ کر کسی صحابی نے ہجرت کے واقعہ کی تمام تفصیل بیان نہیں کی اسی طرح معراج کے واقعات جس تسلسل سے آپ نے بیان فرمائے ہیں کسی اور نے بیان نہیں کئے۔ معراج کا واقعہ ہجرت سے تقریباً سال بھر پہلے کا ہے۔

غرضیکہ فطری ذہانت حاضر جوابی ذکاوت ذہن سرعت فہم میں آپ اپنی مثال آپ تھیں۔ **ہجرت** فرزند ان توحید کو قریش مکہ کے مظالم سے پریشان ہو کر دو ہجرتیں کرتا پڑا۔ پہلی ہجرت حبشہ تھی اور دوسری ہجرت مدینہ مہدیہ صدیق اکبرؓ نے بھی ہجرت حبشہ کا ارادہ کر کے گھر کو الوداع کہا۔ مکہ سے پانچ روز کی مسافت پر پرکاشا پہنچے تو رؤسائے مکہ میں سے ابن الدغنه نامی ایک آدمی سے ملاقات ہو گئی۔ اس نے پوچھا کہ گھر کا ارادہ ہے یا فرمایا حبشہ کی طرف ہجرت کا۔ اس نے قریش کی قسمی پر افسوس کرتے ہوئے کہا۔ میں آپ کو اپنی پیادہ میں لیتا ہوں میرے ساتھ واپس چلے۔ سوہ آپ کو مجبور کر کے اپنے ہمراہ واپس مکہ لایا۔ (بخاری) قریش مکہ کو جمع کر کے ابن الدغنه نے کہا۔ تم لوگ ایک ایسے آدمی کو اپنے گھر سے نکال رہے ہو جو غنیموں کا ہمدرد، بیواؤں کا آسرا، غریبوں کا سہارا اور امانت و دیانت میں اپنی مثال آپ ہے۔ تمہیں شرم نہیں آتی۔ سن لو! میں ابونکر کو اپنی پیادہ میں لیتا ہوں۔

ذرا غور کیجئے کہ ابن الدغنه صدیق اکبرؓ کے جو فضائل بیان کر رہا ہے وہ بعینہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا عکس ہیں۔ اور ان کے قناتی الرسولؐ ہونے کا ثبوت۔ ہو سکتا ہے کہ صدیقہ کائناتؓ نے بھی اس ہجرت میں اپنے باپ کے ہمراہ ہوں۔ حبشہ کی طرف صدیق اکبرؓ کا ہجرت کے ارادہ سے نکلنا اور راستہ سے واپس لوٹ نہ پڑنے میں یہ راز تھا کہ بعض صحابہؓ نے دو ہجرتیں فرمائی تھیں اور چونکہ صدیقؓ کا مقام تمام صحابہ کرامؓ میں ارفع و اعلیٰ تھا اس لئے اللہ تعالیٰ صدیق اکبرؓ اور ان

کے کنبہ کو دو ہجرتیں کرنے والے صحابہ کرامؓ کے ثواب سے محروم نہیں رکھنا چاہتا تھا۔
 صدیقہ کائناتؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہؐ نے جب مدینہ کی ہجرت کا
 راہ فرمایا تو صبح و شام بلاناغہ ہمارے گھر تشریف لایا کرتے تھے۔ ایک دن
 خلاف معمول روئے اقدسؐ راتے مبارک میں پیٹے دوپہر کو تشریف لائے۔
 میں اور اسماؓ باپ کے پاس بیٹھی تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو بکرؓ کو
 مخاطب کر کے کہا۔ میں تم سے تخلیہ میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ ذرا ان کو ٹہا دو۔
 صدیق اکبرؓ نے عرض کی یا رسول اللہؐ یہاں صرف آپ کے اہل بیت ہیں۔ کوئی
 غیر موجود نہیں۔ چنانچہ بنی علیہ السلام نے ہجرت کا خیال ظاہر فرمایا۔ حضرت صدیقؓ
 اور حضرت اسماءؓ نے زاہد راہ درست کیا۔ اور دونوں صاحبوں نے مدینے کی راہ لی۔
 اور تمام اہل و عیال کو دشمنوں کے ترغے میں تنہا چھوڑ کر رخصت ہو گئے۔ صبح بخاری
 باب الحجرت) حضور صادق و صدوقؐ نبوت کے چودھویں سال ربیع الاول کی بارہویں
 تاریخ کو مدینہ پہنچے۔

صدیقہ کائناتؓ مدینہ پہنچتی ہیں { مدینہ میں جب اہلبیت کی کیفیت پیدا ہوئی تو
 اہل بیتؓ کو لانے کے لئے زید بن حارثہؓ اور
 ابو رافعؓ کو بھیجا۔ صدیق اکبرؓ نے بھی اپنا آدمی ساتھ بھیج دیا۔ جب یہ قافلہ مدینہ پہنچا تو
 بنی علیہ السلام اس وقت مسجد نبویؐ کے آس پاس کے مکانات تعمیر کردار میں تھے
 بنی علیہ السلام کی دونوں عمارتوں میں حضرت فاطمہؓ، حضرت ام کلثومؓ اور المومنہ
 حضرت سوڈہ بنت زمعہؓ اسی نئے مکان میں قیام فرما ہوئیں۔
 (طبقات ابن سعد)

۱۔ صدیقہ کائناتؓ کی اس روایت اور ان بعض روایات میں تضاد ہے کہ بنی علیہ السلام نے اپنے بستر پر سیدنا
 علیؓ کو لٹایا اور خود رات کے وقت عازم سفر ہوئے۔ بخاری کی مذکور روایتؓ رایت اور درایت دونوں طرح
 صحیح ہے معلوم ہوتا ہے امت سبائیہ نے سیدنا علیؓ کا مقام سیدنا صدیق اکبرؓ سے بلند کر کے کھانے
 کے لئے سیدنا علیؓ کو بستر پر لٹانے کی روایت بعد میں گھڑی ہے۔ اور سب کی سب ضعیف ہیں صحیح
 یہی ہے کہ بنی علیہ السلام دن کے وقت عازم سفر ہوئے تھے۔

نبی علیہ السلام کی بڑی صاحبزادی اپنے سسرال میں تھیں۔ اور دوسری صاحبزادی سیدہ
 رقیۃ الزہراء اپنے شوہر حضرت ذوالنورینؑ کے ساتھ جلیشہ میں تھیں۔ صدیق اکبرؑ بہت حالت
 بن خزیج کے محلہ میں مقیم تھے۔ صدیقہ کائناتؑ اپنے گھر والوں کے ساتھ اسی محلہ میں فرود
 ہوئیں۔ مدینہ کی آب و ہوائ نے ہمارے پر اچھا اثر نہ ڈالا۔ اور اکثر بیمار ہو گئے صدیق اکبرؑ
 بھی بیمار ہو گئے۔ صدیقہ کائناتؑ فرماتی ہیں کہ میں اپنے باپ کی بیمار داری کرتی
 تھی وہ اکثر یہ شعر پڑھتے تھے۔

کل امرء مصباح فی اہلہ

والموت ادق من شراک نعلہ

اہرادی پر اپنے اہل و عیال ہی میں ڈاکہ پڑ رہا ہے اور اسکی موت اس کے جوتے کے تسمے سے بھی
 قریب ہے۔

حضرت صدیقہؑ نے ہی اپنے باپ کی صحت کے لئے نبی علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی
 ایک لمحہ کے لئے اس بات پر غور کیجئے کہ صدیق اکبرؑ کی بیوی موجود ہیں سیدہ اسماءؑ
 جو حضرت صدیقہؑ سے دس سال بڑی ہیں موجود ہیں مگر بیمار داری کے نزالض، ۸ سالہ
 بچی پر چھوڑ دی ہیں اور وہی بچی باپ کے اشتهار بھی یاد رکھتی ہیں اور نبی اکرمؐ کی خدمت
 میں باپ کی صحت کے لئے دعا کی عرض بھی کرتی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت صدیقہؑ
 اس وقت نوجوان تھیں اور تمام گھر والوں میں زیادہ شجدار اور عاقلہ تھیں۔ اس لئے
 تمام کام آپ نے اپنے ذمہ لے رکھے تھے۔

سیدہ زینبؑ علیہا السلام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

سیدہ زینبؑ اور ان کے شوہر جرد البطحاء سیدنا ابوالعاص بن ربیع کے تفصیلی حالات میں نے اپنی
 تالیف عمرت رسولؐ کے صفحہ ۸۲ تا ۸۳ پر بیان کئے ہیں یہاں مختصر طور پر بیان کرتا ہوں۔
 سیدہ زینبؑ بعثت نبویؐ سے دس سال پہلے پیدا ہوئیں۔ سیدنا ابوالعاص ام المومنین خدیجہ الکبریٰؑ
 کی بہن ہالہ کے بیٹے تھے جن اثرار نے یہ مشہور کر رکھا ہے کہ نبی علیہ السلام کی صوف ایک بیٹی فاطمہؑ
 تھیں اور باقی تین ہالہ کی بیٹیاں تھیں ان شیاطین و ابالسمہ کو یہ بھی نظر نہ آ سکا کہ کیا نبی علیہ السلام

صدیقہ کائنات کی علالت { جب حضرت ابو بکرؓ صحت یاب ہو گئے تو سیدہ
صدیقہؓ کا سنانا بیمار پڑ گیا۔ اب بیمار کی باری
کی باری باپ کی تھی۔ صدیق اکبرؓ بڑی حسرت سے بیٹی کو دیکھتے اور ان کے منہ پر
منہ رکھ دیتے۔ حضرت صدیقہؓ کی بیماری نے طول پکڑا۔ یہاں تک کہ آپ
کے سر کے تمام بال جھڑ گئے۔

رہنمائی (حاشیہ) نے زینبؓ کا نکاح ان کے سگے بھائی سے کر دیا تھا نعوذ باللہ من الخرافات۔
سیدنا ابوالعاصؓ بدر کے موقع پر کفار کے لشکر میں تھے اور دیگر قیدیوں کے ہمراہ انہیں بھی گرفتار
کر لیا گیا تھا جب ان سے فدیہ طلب کیا گیا تو سیدہ زینبؓ صلوٰۃ اللہ علیہا نے اپنے خاوند سیدنا
ابوالعاصؓ کی رہائی کے لئے اپنا وہ ہار بھیج دیا جو انہیں اپنی ماں ام المؤمنین خدیجہؓ البکریؓ نے حمیر
میں دیا تھا۔ اپنی محبوب بیوی اور بیماری بیٹی کا ہار دیکھ کر آنحضرتؐ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔
صحابہ کرامؓ نے آنحضرتؐ کی مرضی مبارک پا کر سیدنا ابوالعاصؓ کی رہائی کی سفارش کی اور ہار
انہیں واپس کر دیا۔ ان سے وعدہ لیا گیا کہ مکہ پہنچتے ہی سیدہ زینبؓ صلوٰۃ اللہ علیہا کو
مدینہ بھیج دیں گے۔ سیدنا ابوالعاصؓ نے حسب وعدہ سیدہ زینبؓ کو مدینہ روانہ کر دیا۔ اور
ان کے ہمراہ اپنے بھائی کو بھیجا۔ مگر مکہ سے کچھ فاصلہ طے کرنے پر پیار بن الہوؓ نے ان پر حملہ
کر دیا۔ حضرت سیدہؓ کو چوٹ آئی اور ان کا حمل ساقط ہو گیا۔ چند اور اشخاص بھی پہنچ گئے انہوں
نے سیدنا ابوالعاصؓ کو کہا چند دن رک جاؤ۔ ابھی قریش بدلی شکست کی وجہ سے غصہ میں
ہے۔ چند دن کے بعد سیدہ زینبؓ مکہ پہنچیں۔ وہاں مدینہ پہنچ گئیں (زرقانی جلد ۳ ص ۱۹۲) طحاوی و حاکم،
بنی عابدہ السلام کو اپنی اس بیٹی کے مصائب کا سخت صدمہ تھا۔ اسی وجہ سے حضرت سیدہ
کو جب آپؐ دیکھتے تو فرماتے ہی افضل بناتی۔ سیدنا ابوالعاصؓ ہجری کو تجارت کے لئے
شام کی طرف گئے۔ واپسی پر سیدنا ابولعبیدؓ اور ابو جندلؓ کے ہاتھوں ان کا قافلہ کٹ گیا۔ سیدنا
ابوالعاصؓ چپکے سے مدینہ پہنچے اور سیدہ زینبؓ کے ہاں پہنچ گئے۔ بنی عابدہ السلام صبح کی نماز
سے فارغ ہوئے تو جمع مبارک میں یہ آواز پہنچی۔ میں نے ابوالعاصؓ کو پناہ دی ہے۔ آنحضرتؐ
نے فرمایا مجھے اس سے پہلے اس واقعہ کا علم نہ تھا۔ سیدہ زینبؓ سے فرمایا بیٹی! اس سے الگ رہنا۔
مسلمانوں نے آنحضرتؐ کی مرضی پا کر تمام مال سیدنا ابوالعاصؓ کو واپس کر دیا۔ کسی صحابی نے کہا ابوالعاصؓ!

رخصتی { صحت ہوئی تو رخصتی کا انتظام ہونے لگا۔ بنی علیہ السلام نے بارہ اوقیہ اور ایک نش یعنی تقریباً سو روپیہ ہر کے بھجوائے۔ انصار کی عورتیں آپ کو لینے کے لئے حضرت ابوبکرؓ کے گھر پہنچیں۔ ماں نے نہلا دھلا کر کپڑے پہنائے اور انصاری عورتوں کے کمرہ میں لے گئیں۔ وہاں عورتوں نے علی الخیر والبرکۃ وعلی خیر طایر کہہ کر استقبال کیا۔ تھوڑی دیر کے بعد نبی اکرمؐ بھی تشریف لے آئے۔ بقول علامہ عینی رخصتی ۲ ہجری شوال میں جنگ بدر کے بعد ہوئی۔ اس لحاظ سے بھی نو سال والی رخصتی کی روایت غلط ثابت ہوتی ہے۔ ۲ ہجری شوال میں آپ کی عمر دس سال بنتی ہے۔

(بقتہ حاشیہ) بنی علیہ السلام نے تم پر کس قدر شفقت فرمائی ہے۔ تم مسلمان ہو جاؤ۔ مگر آپ خاموش رہے۔ مکہ پہنچ کر تمام امانتیں ادا کر کے فرمایا۔ لوگو! سن لو۔ میں مسلمان ہوتا ہوں۔ یہ کہہ کر مدینہ پہنچ گئے۔ بنی علیہ السلام نے پہلے نکاح پر ہی حضرت سیدہ کو ان کے ہمراہ رخصت فرما دیا۔ حضرت سیدہ ۸ ہجری جنت الفردوس کو سدھار گئیں۔ سیدنا ابوالعاصؓ کو اپنی محبوب بیوی سے بڑی محبت تھی۔ ان کی وفات کے بعد کوئی نکاح نہ کیا۔ ۱۲ ہجری کو خود بھی جنت الفردوس کو سدھار گئے۔ سیدہ زینبؓ کے بطن سے دو اولادیں تھیں۔ سیدنا علیؓ جو فتح مکہ کے روز آنحضرتؐ کے روایت تھے اور سیدہ امائمہؓ جن سے سیدہ فاطمہؓ کے انتقال کے بعد سیدنا علیؓ نے نکاح کیا۔ سیدنا علیؓ بن سیدنا ابوالعاصؓ جنگ یرموک میں شہید ہوئے۔ حضرت سیدہ کی مدح میں حضرت ابوالعاصؓ کے دو شعر ہیں۔

ذکرت زینب لہار کبت اسما فقلت سقی شخص لیکن الحما

مجھے زینب یاد آئی تو میں نے کہا حرم کا ہر باشندہ سرسبز و شاداب ہے

بنت الامین جزاها اللہ کما وکل یعل سیشی بالذی علما

زینبؓ تو امین کی بیٹی صالحہ ہے اور ایک شوہر اپنی بیوی کی تعریف کرے گا جیسے وہاں اس کے مجھے معلوم ہیں

یہی سیدنا ابوالعاصؓ اونٹ پر خرا اور گھوڑوں پر کر کے شہر بنو ہاشم میں تک دیا کرتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ابوالعاصؓ نے حق دامادی ادا کر دیا۔

باقی اگلے صفحہ پر

(ناسخ التواریخ)

تعلیم و تربیت کا نشانہ صدیق، مضبوط انوارِ نبوت کا عکس جمیل تھا۔ اس گھر کے بچے
از شک شرفِ انسابیت تھے۔ پھر حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کا کیا کہنا۔
حجرۂ نبوی میں تشریف لائے سے پہلے بنی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا ایک
ایک لمحہ ان کی نظروں کے سامنے تھا۔ واقعہ معراج، واقعہ ہجرت کی جزئیات تک
ان کے ذہن میں موجود تھیں۔ سورہ القمر کی آیات کے نزول کا کہیں دوسرے مقام
پر ذکر ہو چکا ہے۔

عرب میں لکھنے پڑھنے کا رواج مردوں میں بھی کم تھا چہ جائیکہ عورتیں پڑھنا
لکھنا سیکھتیں۔ بخاری و مسلم کی روایت کے مطابق عورتوں میں صرف ثناء بنت
عبداللہ عدویہ لکھنا پڑھنا جانتیں تھیں۔ بنی علیہ السلام کو صحابہ کرام کی تعلیم کا بڑا
خیال تھا۔ چنانچہ بدر کے قیدیوں میں سے نادر قیدیوں کو کہا کہ تم میں جو قیدی
دس مسلمانوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دے گا۔ اُسے آزادی ہے۔ اصحابِ صفہ کا کام
ہی لکھنا پڑھنا تھا۔

ازواجِ مطہرات میں سے ام المومنین سیدہ حفصہ اور حضرت ام سلمہؓ لکھنا پڑھنا
جانتیں تھیں۔ ام المومنین حضرت حفصہؓ نے بنی علیہ السلام کے حکم سے ثناء بنت
عبداللہ سے یہ فن سیکھا تھا۔

بنی علیہ السلام کے فیضانِ صحبت نے ذہنوں کے اندر انقلاب پیدا کر دیا تھا۔
اور ازواجِ مطہرات کو جو قرب حاصل تھا۔ اس سے انہوں نے بھرپور فیض اٹھایا مگر

رفیقہ حاشیہ) غزوہ مسجد نبوی میں ہی افضل بناتی کے کلمات کے متعلق درس فرمایا کرتے تھے۔
علی بن حسین کو معلوم ہوا تو تلوار لے کر ان پر حملہ آور ہوئے کہ میری جدہ یعنی فاطمہؓ کی بجائے سیدہ
کی تعریف کیوں کی جا رہی ہے (مشکل آٹھ جلد ۲ صفحہ ۴۷) اب خود اندازہ کیجئے کہ صداقل میں ہی کس طرح
ایک حدیث کے گم کرنے کا سامان کیا جا رہا تھا۔ بعد کے زمانہ کے متعلق خود غور کریجئے۔

سیدنا علی بن ابی العاصؓ جنگ یرموک میں شہید ہوئے علامہ اقبالؒ نے اپنی ایک نظم میں ان کی طرف اشارہ کیا
ہے جس کا ایک شعر ہے

اے بوعبیدہ رخصت پیکار دے مجھے لبریز ہو چکا میرے صبر و سکون کا جام

ان سب کی نسبت صدیقہ کائنات جس مقام قرب کی حامل تھیں اور جس زکارت و ذہانت اور
 فطانت کی سرایہ دار تھیں اس سے آگے کسی مقام کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ آپ
 تنہا جس خالص فیضان نبوت سے مستفیض ہوئیں آگے چل کر زمانہ نے دیکھ لیا کہ وہ عالم
 اسلام کے لئے عموماً اور صنف لطیف کے لئے خصوصاً قیامت تک شمع ہدایت بن
 گئیں۔ انساب کی واقفیت اور شاعری کا ذوق انہیں وراثت میں ملا تھا (مسند ک حاکم)
 صدیق اکبرؓ خود اپنی اولاد کی تعلیم و تربیت کے معاملہ میں سخت تھے اپنے بیٹے عبدالرحمن
 کو اس سستی پر کہ انہوں نے مہمان کو جلد کھانا پیش نہیں کیا۔ مارنے پر تیار ہو گئے (صحیح بخاری)
 صدیقہ کائنات کی طرف جبکہ حضرت صادق و مصدوقؓ کی زوجیت کا مقام حاصل ہو چکا تھا۔
 صدیق اکبرؓ کی توجہ خصوصی تھی۔

میرے خیال میں نکاح کے بعد رخصتی میں تاخیر کی وجہ یہی تھی کہ صدیقہ کائناتؓ
 اپنے باپ سے جس قدر زیادہ فیضان حاصل کر سکتی بہتر تھا۔ اور رخصتی کے بعد بھی صدیق اکبرؓ
 نے ان کی تربیت کی طرف پورا دھیان دیا۔ چنانچہ ایک بار بیٹے پر تل گئے (صحیح مسلم، صحیح بخاری)
 حضرت صدیقہؓ کے لئے ان کا غلام زکوان قرآن لکھاتا تھا۔ آپ دیکھ کر پڑھتی تھیں۔
 مسند اور ترمذی کی روایت کے مطابق آپ لکھنا بھی جانتی تھیں۔ بعض روایتوں میں
 یہ فقرات ہیں کہ فلاں خط کے جواب میں آپ نے یہ لکھا۔

باطنی تعلیم { ظاہری نوشت و خواند کے مقابلہ میں باطنی تعلیم کا درجہ بہت بلند
 ہے۔ چنانچہ صدیقہ کائناتؓ تکمیل انسانیّت، تزکیہ اخلاق
 ضروریات دین سے واقفیت، کلام اللہ کا عرفان، اسرار الہی شریعت کی آگاہی
 میں تمام صحابہ کرامؓ میں ممتاز مقام رکھتی تھیں۔

احکام نبویؐ کے اسرار و رموز پر کامل دسترس تھی۔ چنانچہ آگے چل کر آپ
 دیکھیں گے کہ اس علم میں آپ کا مقام کس قدر بلند تھا۔ تاریخ و ادب میں بھی یدِ طولیٰ
 حاصل تھا۔ طب کا تشریف فن ان وفود عرب سے حاصل کیا تھا جو گاہ بگاہ دربار
 نبویؐ میں حاضر ہوتے تھے و اس طرح کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اکثر بیمار رہ کر رہتے
 تھے۔ اطباء عرب جو روایتیں تجویز کرتے تھے آپ انہیں یاد کر لیتی تھیں۔

(مسند عائشہ ابن حنبل)

علوم دینیہ { اس وقت آجکل کی طرح مدارس اور مدرسین کا سلسلہ نہ تھا حضرت
صادق و مصدوق کی ذات مقدس ہی منبع علوم و فنون تھی۔ آپ
کی صحبتیں ہی تعلیم و ارشاد کی مجلسیں تھیں۔ مسجد نبوی میں ہر وقت تعلیم و ارشاد
کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ حجرات اہل بیت بالکل مسجد سے ملحق تھے۔
حضور صادق و مصدوق مسجد میں جوارشاد فرماتے ازواج مطہرات ہمہ تن گوش رہتیں۔
اور مستفیض ہوتیں۔ اور اپنی استعداد کے مطابق فیضیاب ہوتیں مگر صدیقہ کائنات
کا مقام منفرد تھا۔ آپ نے ہوش سمجھاتے ہی اپنا گھر علوم دینیہ سے سیراب
دیکھا اور بنی علیہ السلام کی معیت کے زمانہ کا ایک لمحہ بھی ضائع نہ جانے دیا۔
یہی وجہ ہے کہ آگے چل کر یہ مقام پر آپ کی رائے کو فوقیت حاصل رہی۔
بار بار ایسا ہوا کہ آپ کسی مسئلہ کی حقیقت سے واقف نہ ہو سکیں تو
بلاتال آنحضرت کی خدمت میں پیش کر دیا اور جب تک اطمینان حاصل نہ ہوا صبر
نہ کیا۔ (صحیح بخاری کتاب العلم)

اتنا بے وعظ میں ایک دفعہ حضرت صادق و مصدوق نے فرمایا کہ قیامت کے
دن لوگ برہنہ اٹھیں گے۔ صدیقہ کائنات نے عرض کی یا رسول اللہ! تو کیا
ایک دوسرے کی طرف نظریں نہ اٹھیں گی۔ ارشاد ہوا عائشہ! وہ وقت نہایت
نازک ہو گا اور کسی کو کسی کی خبر نہ ہو گی (بخاری)
ایک دفعہ عرض کی یا رسول اللہ! قیامت میں کوئی ایک دوسرے کو یاد بھی
کرے گا۔ آپ نے فرمایا نہیں موقعہ پر کوئی کسی کو یاد نہیں کرے گا۔ اعمال تو لے جانے
کے وقت۔ اعمال نامے بانٹے جانے کے وقت اور جہنم کی گرج کے موقع چوب
وہ کہے گی میں تین آدمیوں کے لئے مقرر ہوئی ہوں۔ (مسند عائشہ)

نکاح میں رضامندی { ایک بار عرض کی یا رسول اللہ! نکاح میں عورت کی
اجازت ضروری ہے؟ فرمایا ہاں۔ عرض کی وہ تو
شرم کی وجہ سے خاموش رہتی ہیں فرمایا اس کی خاموشی ہی اس کی طرف سے رضامندی
ہے۔ (صحیح مسلم کتاب النکاح)

یہاں چند لمحات کے لئے اس بات پر غور کیجئے جو کسی دوسرے مقام پر حضرت

صدیقہ کائنات کی زبان سے منقول ہے کہ مجھے اپنے نکاح کا اس وقت علم ہوا جب میری ماں نے مجھے باہر جانے سے روک دیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے حضرت صدیق سے نکاح کے وقت دریافت نہیں کیا گیا تھا۔ دونوں میں سے کون سی روایت صحیح ہے پڑوسیوں کے حقوق ایک بار خدمت اقدس میں عرض کی کیس پڑوسی کا حق زیادہ ہے؟ فرمایا جس کا دروازہ نہما کے گھر سے قریب

ہو (مسند احمد) اس قسم کے بیسیوں سوالات اور مباحث کتب احادیث میں موجود ہیں حقیقت میں ایسے سوالات گویا روزانہ تعلیم کے اسباق تھے۔

صدیقہ کائنات کے بعض سوالات سے بظاہر حضور صادق مصدق کی آزردگی اور برہمی کا اندیشہ ہو سکتا ہے۔ مگر آپ اپنی علمی تشنگی بھالنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے پڑتی تھیں۔ واقعہ ایلا کس قدر المیہ کا حامل تھا۔ مگر آپ نے فوراً عرض کی۔ یا رسول اللہ! آپ نے حبیبہ کے لئے خلوت نشینی کا اظہار فرمایا تھا مگر انتیس دن ہی گزرے ہیں۔

ایک دفعہ ایک بد مزاج قسم کا آدمی حضور صادق و مصدق کی خدمت میں یاریا ہوا۔ جب وہ واپس چلا گیا تو صدیقہ کائنات نے عرض کی یا رسول اللہ! آپ تو اسے اچھا نہیں جانتے تھے پھر یہ لطف و کرم کیسا حضور نے فرمایا۔ عائشہ! بدترین آدمی وہ ہے جس کی بد اخلاقی سے لوگ اس سے ملنا چھوڑ دیں (بخاری باب الغیبتہ حضور صادق و مصدق نے ایک دفعہ تہجد کے بعد وتر پڑھے بغیر سونے کا ارادہ کیا۔ صدیقہ کائنات نے عرض کی یا رسول اللہ! آپ وتر پڑھے بغیر سوتے ہیں؟ فرمایا۔ عائشہ! میری آنکھیں سوتی ہیں لیکن دل نہیں سوتا بخاری فضل من قام رمضان غور فرمائیے! صدیقہ کائنات کی بابرکات ذات کے طفیل ہمیں کن کن حقائق کا علم ہو سکتا ہے! تب تھا صدیقہ کائنات کو فخر و عالم حضرت صادق و مصدق کے حضور میں کہ کس بے تکلفانہ انداز میں بہر بات پوچھ رہی ہیں اور حضور جواب فرما رہے ہیں بلکہ ان سوالات و مباحث کے علاوہ حضور خود بھی آپ کی ہر حرکت کی نگرانی فرماتے اور ہدایت و تعلیم سے سرفراز فرماتے رہے۔

ایک بار حسین دیودی حاضر خدمت ہوئے اور السلام علیک کی بجا

السام علیک کہا۔ سام معنی موت۔ بنی علیہ السلام نے صرف وعلیکم فرمایا۔ صدیقہ کائناتؑ سے صبر نہ ہو سکا۔ فرمایا وعلیکم السام واللعنة۔ حضورؐ نے نرمی سے ارشاد فرمایا۔ عائشہؓ! اللہ تعالیٰ نرمی کو پسند کرتا ہے۔ تمہیں بھی نرمی سے کام لینا چاہیے میں نے ان کے کلمات کا علیکم کہہ کر جواب دیدیا تھا۔ صبح بخاری، ایک دفعہ کسی عورت نے صدیقہ کائناتؑ کی کوئی چیز چرائی۔ آپؐ نے بددعا دی۔ حضرت صادق و مصدوقؑ نے سن کر فرمایا۔ اپنا ثواب اور اس کا گناہ کم نہ کرو ایک بار صدیقہ کائناتؑ اونٹ پر سوار تھیں اونٹ تیز ہوا تو آپؑ کی زبان سے لعنت کا لفظ نکل گیا۔ حضورؐ نے فرمایا ملعون چیز ہمارے ساتھ نہیں رہ سکتی۔ اسے واپس کر دو۔

ازدواجی زندگی { حضور صادق و مصدوقؑ کو سیدہ کائناتؑ سے نہایت محبت تھی۔ اس حقیقت سے تمام جاں نثار واقف تھے۔ اس لئے سیدہ صدیقہؑ کی باری کے دن ہی حضورؑ کی خدمت میں تحائف و ہدایا پیش کرتے۔ ایک دفعہ امہات المؤمنینؑ نے سیدہ فاطمہؑ کو آبادہ کیا کہ وہ ہماری طرف سے بنی علیہ السلام کی خدمت میں عرض کریں کہ لوگوں کے تحفے جہاں آپؑ ہوں وہیں بھیجے جائیں۔ سیدہ فاطمہؑ پہنچیں اور پیغام عرض کیا۔ آنحضورؐ نے فرمایا الخنت جگر! لیا جس کو میں چاہوں اس کو تم نہیں چاہو گی یہ سیدہ فاطمہؑ کے لئے اتنی ہی بات کافی تھی۔

دوبارہ ام المؤمنینؑ سیدہ ام سلمہؑ جو تنجیدگی اور متانت میں نہایت بلند مقام رکھتی تھیں کو بھیجا گیا۔ انہوں نے کمال متانت اور حوصلہ سے دوسری امہات المؤمنینؑ کی ترجمانی کی تو آپؑ نے فرمایا۔ ام سلمہؑ! مجھ کو عائشہؑ کے معاملہ میں حق نہ کرو۔ کیونکہ عائشہؑ کے علاوہ کسی اور بیوی کے لحاف میں مجھ پر وحی نازل نہیں ہوئی۔ ایک بار حضرت عمرو بن العاصؓ نے عرض کی یا رسول اللہ! آپؐ دنیا میں سب سے زیادہ کس کو محبوب رکھتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا عائشہؑ کو دوبارہ عرض کی اور مردوں میں یا رسول اللہؐ فرمایا۔ عائشہؑ کے باپ کو۔

حضور صادق و مصدوقؑ اکثر فرمایا کرتے تھے! الہی جو چیز میرے امکان میں ہے

(یعنی ازواج میں معاشرت اور لین دین کی برابری) میں اس عدل سے باز نہیں آتا لیکن جو میرے امکان سے باہر ہے (یعنی عالیشانہ کی قدر و محبت) اس کو معاف کرنا۔

(ابوداؤد وغیرہ باب القسم بن الزوجات)

سیدہ صدیقہؓ سے محبت کی وجہ { سیدہ صدیقہ کائنات سے نبی علیہ السلام کی محبت کی وجہ آپ کا حسن و جمال نہ تھا بلکہ

آپ کا تفقہ فی الدین تھا۔ ورنہ حسن و جمال میں ام المؤمنین سیدہ زینبؓ، ام المؤمنین سیدہ جویریہؓ اور ام المؤمنین سیدہ صفیہؓ بھی مثال تھیں۔ چنانچہ نبی علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ شادی کے لئے عورت کا انتخاب چار اوصاف کی بنا پر ہو سکتا ہے۔ دولت حسن و جمال حسب و نسب اور دینداری۔ تم دیندار کی تلاش کرو (صحیح مسلم ابوداؤد و بیہق حضرت ابوہریرہؓ) سیدہ صدیقہ کائناتؓ فہم مسائل، اجتہاد و کبر اور حفظ احکام میں تمام اہل ایمان المؤمنینؓ سے ممتاز درجہ پر فائز تھیں۔

صحاح میں مروی ہے کہ مردوں میں بہت کامل گزے ہیں لیکن عورتوں میں مریم بنت عمران، آسیہ زوجہ فرعون کے سوا کوئی کامل نہیں ہوئی اور عالیشانہ کو عورتوں پر ایسی طرح فضیلت ہے جس طرح شریک کو تمام کھانوں پر۔ اس ارشاد نبویؐ سے معلوم ہوا کہ دنیا بھر کی تمام عورتوں پر سیدہ صدیقہ کائناتؓ کو فضیلت حاصل تھی۔

غرضیکہ اس قسم کی سینکڑوں روایات کا ذخیرہ ہم نے سامنے موجود ہے۔ کہ نبی علیہ السلام کس شفقت سے وقتاً فوقتاً سیدہ صدیقہ کائناتؓ کو سکھایا کرتے تھے اور آپ کس شوق و ذوق اور سعی و کوشش سے انہیں سیکھتی اور یاد رکھتی تھیں۔

کائناتہ تہبط الی الارضی { حجر بنوی جوڑھتی کے بعد سیدہ صدیقہ کائناتؓ کے حصہ میں آیا۔ اس کی دیواریں مٹی کی تھیں۔ طول و عرض میں چھ سات

لا تھ سے زیادہ نہ تھا۔ کھجور کی پتیاں اور ٹہنیوں کا چھت تھا جس پر بارش سے بچاؤ کے لئے مکمل پڑا رہتا تھا چھت کی بلندی تک کھڑے آدمی کا ہاتھ پہنچ جاتا تھا۔ دروازہ میں ایک پٹ تھا جو ہمیشہ کھلا رہتا تھا۔ البتہ پردہ کے طور پر ایک کپڑا لٹکادیا گیا تھا۔ مسجد کے صحن کی طرف ایک دریچہ تھا اور حجرہ سے متصل ایک بالا خانہ تھا جس میں آپ نے ایلاؤ کے دن گزارے تھے۔

اثاث البیت { ایک چارپائی، ایک چٹائی، ایک بستر، ایک تکیہ جس میں بھال بھری ہوئی تھی۔ دو منٹے جو آٹا یا کھجوروں کے لئے تھے۔

پانی کا ایک برتن ایک پیالہ، گھر میں اکثر چراغ تک نہ جلتا تھا۔
السر دخانہ { گھر میں صرف نو آدمی تھے، حضور صادق و مصدق اور صدیقہ کاٹا کچھ دنوں کے بعد سیدہ بریرہ کا بطور خادمہ اضافہ ہوا ابتدائی

ایام میں صرف دو خواتین کو امہات المؤمنین کا شرف حاصل ہوا تھا۔ سیدہ سودہ اور سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بعد میں جب امہات المؤمنین میں اضافہ ہونا شروع ہوا تو سیدہ سودہ سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حق میں اپنے تمام حقوق سے دستبردار ہو گئیں حضور ہر بیوی کے ہاں ایک دن قیام فرماتے مگر حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ہاں دو دن تشریف فرما ہوتے۔

کھانا پکانے کا اہتمام { سیدہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ کبھی تین دن مسلسل ایسے نہیں گزرے کہ خاندان نبوت نے سیر ہو کر کھانا پکا کر کھایا ہو۔ مہینہ مہینہ پھر چولہے میں آگ نہیں جلتی تھی۔ چھوڑا سہ اور پانی پر اکثر گزرتھا اور بعض اوقات ان سے بھی ناغہ ہو جاتا تھا۔

نبی اکرم کی ذاتِ اقدس کیسا تھوڑا صدیقہ کائنات کی محبت کے دلربا یا نہ مظاہرے

صدیقہ کائنات کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے انتہائی محبت تھی سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے جس

حد تک اپنے آپ کو نبی علیہ السلام سے وابستہ کر لیا تھا اس کی نظیر دوسری ازواج النبی میں نہیں پائی جاتی تھی۔ آپ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حرکات و سکنات کا بغور جائزہ لیتی رہتی تھیں اور انحضرت کے ارشادات کو بغور سننی اور ان کے جزئیات تک پہنچنے کی کوشش فرماتیں۔

ایک مرتبہ کسی شخص نے عرض کی کہ نبی علیہ السلام گفتگو کس طرح فرماتے تھے حضرت سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ حضور تم لوگوں کی طرح باتیں نہ کیا کرتے تھے۔ بلکہ اس طرح کلام کرتے تھے کہ اگر کوئی شخص جاہل یا بے آسانی آنحضرت کے ارشاد کے

الفاظ گن سکتا تھا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت صدیقہؓ آنحضرتؐ کی بہر حرکت کا بغور مطالعہ فرماتی رہتی تھیں۔

(ایک موقع پر جبکہ شدید گرمی کا موسم تھا اور آنحضرتؐ اپنی تعلین کی مہنت فرما رہے تھے۔ گرمی کی شدت سے جنین مقدس سے پیسے کے قطرے ٹپک رہے تھے۔ یہ منظر دیکھ کر حضرت سیدہؓ نے کہا کاشش عروہ (ایک شاعر کا نام ہے) اس حالت میں آپ کو دیکھتے آپ ہو ہوان اشعار کے مصداق ہیں۔)

فلو سمعانی مصر اوصاف خدّٰہ لما بد نوافی سورم یوسف من نقد
اگر اہل مصر آپ کے حسن کا شہرہ سن لیتے تو یوسفؑ کی خریداری کیلئے کبھی اپنی پونجی خرچ نہ کرتے
لوا می زلیخا نور این جبینہ لاشرن بالقطع القلوب علی الایدی
اگر زلیخا کی سہیلیاں آپ کی منور پیشانی کا جلوہ دیکھ لیتیں تو ہاتھ کاٹنے کے بجائے دل
کے ٹکڑے ٹکڑے کرنے کو ترجیح دیتیں۔

(ایک اور موقع پر حضرت صدیقہؓ کائنات نے ابو کبیر کے یہ اشعار خدمت میں پیش کیے جو شاعر نے اپنے محبوب بیٹے کی تعریف میں کہے تھے۔)

ومبارئ من کل غیر حیفۃ وفساد مرصعۃ و داء مخیل
وہ اپنی ماں کے تمام عوارض حکم سے اور دودھ پلانے والی دایہ کی تمام بیماریوں پاک
واذا نظرت الی اسرۃ وجہہ برقت کبر العارض المتہال
اور جب اس کے چہروں کی لکیروں کو دیکھو تو وہ برستے بادل کی ٹپکی کی جیسوں کی طرح
چمکتی ہوئی نظر آئیں۔

(یہ شعر طرہ کر عرض کی یا رسول اللہ! ان اشعار کے حقیقی مستحق تو آپؐ ہیں۔ حضورؐ
یہ سن کر بہت مسرور ہوئے اور حضرت سیدہؓ کی پیشانی چوم لی۔ سُبْحَانَ اللَّهِ
سبحان اللہ! کتنے دل ربایانہ، محبوبانہ اور عاشقانہ مظاہرے ہیں اور یہی تھیں
سیدہ صدیقہؓ کی وہ ادائیں جن کی وجہ سے حضورؐ نے فرمایا کہ مجھے عائشہؓ کے معاملے
میں ایذا نہ پہنچاؤ۔)

دوسرا باب

سیدہ کائناتؓ کی عمر و وقت نکاح

کوئی بات جو قرآن کے خلاف ہو یا جس سے حضور خاتم المعصومینؑ کے خلاف کسی قسم کا طعن پایا جاتا ہو وہ کسی صورت میں صحیح نہیں ہو سکتی۔ خواہ وہ بخاری و موطا کا تسلسلۃ الذہب ہی کیوں نہ ہو۔ اور جس صورت میں دوسری روایات قرآن و تشوہاد و واقعاتی نظائر اس کے خلاف موجود ہوں تب تو کسی قسم کی جھجک کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہاں یہ اعتراض وارد ہو سکتا ہے کہ اصح کے مقابلہ میں کم درجہ روایات کو کیوں ترجیح دی جائے تو اس کا جواب بالکل واضح ہے کہ یہاں سوال اصح یا کم درجہ روایت کے تقابل کا نہیں بلکہ دیکھنا یہ ہے کہ اقرب الی القرون اور الی الحق کونسی روایت ہے۔ روایت کے لحاظ سے کون سی روایت قرین صواب ہے۔

مولانا سعید احمد اکبر آبادی نے اپنی تالیف صدیق اکبرؓ کے دیباچہ میں بڑی سیر حاصل بحث کی ہے۔ مثلاً لائیدنا علیؑ کی بیعت بروایت بخاری کہ آپؐ نے چھ ماہ تک صدیق اکبرؓ کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی تھی کے مقابلہ میں کم درجہ کی روایت جس سے فوری بیعت ثابت ہوتی ہے قبول کی ہے۔ چونکہ اول الذکر روایت کی صورت میں لائیدنا علیؑ پر حرج آتا تھا۔ علیؑ کی عزت بچانے کے لئے ہم نے کم تر درجہ کی روایت پر اعتماد کر لیا۔ مگر حضور خاتم المعصومینؑ کا شرف مجرد صرف ایک روایت پر دافدار ہوتا ہے تو کوئی پرواہ نہیں جس کے مقابلہ میں بیسیوں روایات موجود ہیں۔

ہاں اگر کسی واقعہ کے متعلق ایسی روایت کا دوسرا پہلو کمین بھی نظر نہ آئے اس صورت میں تاویل کی جائے گی۔ جبکہ اس روایت کی رد میں کوئی عظیم مستی آتی ہو چہ جائیکہ حضور صادق و صدوق کی ذات صداقت مآب۔

سیدہ صدیقہ کائناتؓ کے نکاح کے متعلق جبکہ قرآنی کلیات بھی واضح ہوں اور نو رسالہ روایت کے مقابلہ میں بیسیوں روایات بھی موجود ہوں پھر نو سال والی روایت کی تکرار ذہنی پراگندگی کے سوا کچھ نہیں۔

بخاری کی روایت ہے محمد بن یوسف بنیان ہشام، عروہ حضرت عائشہ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے جب مجھ سے نکاح کیا تو اس وقت میں چھ برس کی تھی۔ اور نو سال کی عمر میں مجھ سے خلوت کی گئی اور نو برس تک میں آنحضرتؐ کے نکاح میں رہی۔ (کتاب النکاح)

مولف وفات عائشہ کو یہاں جی بھر کر شیعیت کا مروڑ اٹھا۔ در نہایت تمسخرانہ انداز میں لکھتا ہے کہ نہ معلوم کتنے وجود کی بنا پر حضرت عائشہؓ عادت کے خلاف بہت جلد ۹ یا ۱۰ برس کے سن میں بالکل جوان ہو گئیں۔

بخاری شاد۔ وفات عائشہؓ کے مولف کو دوسرے کی آنکھوں کے تنکے تلاش کرنے میں بڑا لطف آتا ہے اور اپنی آنکھ کا شہنیر بھی نظر نہیں آتا۔ ام المومنینؓ کی ذات اقدس کے متعلق اس قسم کے موقیانہ الفاظ وہی استعمال کر سکتا ہے جس کے دل میں ایمان، حیا، انسانیت کی قسم کی چیز کا ایک شمع بھی نہ ہو۔ ایسے بر باطن افراد کو سمجھانے کے لئے میرے جیسے معمولی طالب علموں کو جو راستہ سمجھانی دیتا ہے وہ اگرچہ ایک مسلمان کی غیرت، محبت اور انسانی کردار سے بعید ہے۔ مگر اس فرض کی ادائیگی سے عہدہ برائی کے بغیر بھی چارہ نہیں۔ کیا میں ایسے خبیث الطبع لوگوں سے دریافت کر سکتا ہوں کہ سیدہ فاطمہؓ کی عمر نکاح کے وقت کتنی تھی؟

۱۔ کلینی نے بسند صحیح حضرت امام محمد باقرؑ سے روایت کی ہے کہ ولادت جناب سیدہ بعد پانچ سال بعثت جناب رسول خدا کے واقع ہوئی اور سن شریف وفات اٹھارہ سال اور پچہتر روز تھا۔

(جلاء العیون اردو جلد ۱ صفحہ ۱۳۷)

۲۔ جناب صادق سے روایت ہے کہ ولادت جناب سیدہ بنتا لیس سال ولادت حضرت رسول خدا سے بیسیویں جمادی الآخر کو واقع ہوئی۔ (ایضاً صفحہ ۱۳۸)

۳۔ ولدت فاطمة بعد مبعث رسول الله بخمس ستین و ثلثین ولها ثمانی عشر سنة وخمسة وسبعین يوماً۔

(کافی کتاب الحجۃ مولد فاطمہ)

کشف الغمہ اور دلائل الامتہ میں بھی یہی لکھا ہے کہ سیدہ فاطمہؓ کی پیدائش پانچ بعثت نبویؐ کو ہوئی۔

۴۔ جب جناب سیدہ فاطمہؓ بلوغ کو پہنچیں اکابر و اثبات قریش نے خواستگاری کی۔
(جلاء العیون جلد ۱ صفحہ ۱۶۸ سطر ۷)

۵۔ کشف الغمہ میں ہے کہ جناب صادقؑ نے فرمایا تزویج جناب امیرہ رضی اللہ عنہا میں اور زفات ماہ ذوالحجہ سال دوم ہجرت میں ہوا۔

(جلاء العیون جلد ۱ صفحہ ۱۶۶ سطر ۱۱)

۶۔ یہ مزاجیت باسعادت پختہ کنیسویں ماہ محرم سال سوم ہجرت کو واقع ہوئی۔
(جلاء العیون جلد ۱ صفحہ ۱۶۶)

اس لحاظ سے سیدہ فاطمہؓ کی عمر بوقت نکاح ۹۔۱۰ بنتی ہے جلاء العیون کے صفحہ ۱۶۸ کے حوالہ کے مطابق کہ جب جناب سیدہ فاطمہؓ کو پچیس سال بات پر ولادت کرتا ہے کہ ۹۔۱۰ سال کی عمر میں بعض لڑکیاں جوان ہو جاتی ہیں بعض لوگوں کو شاید ایسی ہی وہی روایات سے متاثر ہو کر یہ عمل تاویل گھڑتی پڑی کہ گرم ملک کی لڑکیاں جلدی جوان ہو جاتی ہیں۔

میں وفات عائشہؓ کے مولف کی طرح جانے آپؐ میں ایسے الفاظ و دھڑکے کی سکت نہیں پاتا ورنہ میں بھی پوچھ سکتا تھا کہ ”حضرت سیدہ فاطمہؓ عادت کے خلاف بہت جلد ۹۔۱۰ سال کی عمر میں کیسے بالکل جوان ہو گئیں؟“

یہاں مجبوراً چند ایک الزامی قسم کے جوابات زیر قلم آ گئے۔ ورنہ سنیوں کے ہاں جو حضرت عائشہؓ کی عمر بوقت نکاح ۹ سال مشہور ہے وہ بھی غلط ہے اور شیعوں کے ہاں جو حضرت فاطمہؓ کی عمر بوقت نکاح ۹ سال مشہور ہے وہ بھی غلط ہے۔ حضرت عائشہؓ کی عمر کے متعلق محققانہ تفصیلات آگے آتی ہیں۔

اب تصویر کا دور رخ دیکھئے اور اس بات کو بھی ذہن نشین رکھئے کہ اہل سنت کا ایسے مزخرفات سے کوئی تعلق نہیں۔ نہ وہ سیدہ فاطمہؓ کی شان

افس میں اس قسم کی گستاخی کے ترکیب ہو سکتے ہیں اور نہ ہی سیدنا علیؑ کا وہ اس سو قیامہ انداز میں ذکر کر سکتے ہیں۔

اسے یاد صبا میں تمہ آدرودہ غفلت

○ حضرت سیدہ فاطمہؑ نے بنی علیہ السلام کے ارشاد پر کہ تمہارا نکاح علیؑ سے کرنا چاہتا ہوں جواب دیا کہ میرا اختیار آپ کو ہے لیکن زنان قریش کہتی ہیں کہ علیؑ بزرگ شکم اور بلند دست ہیں اور بلند ہائے استخوان گندہ ہیں آگے سر کے بال نہیں آگھیں بڑی اور ہمیشہ خندہ دہان اور مفلس ہیں۔

(جلد العیون جلد اول صفحہ ۱۸۰-۱۸۱)

○ جب حضرت رسولؐ نے جناب فاطمہؑ کو علیؑ بن ابی طالب سے تزویج کیا اور فاطمہؑ کے پاس تشریف لائے دیکھا روہی ہیں۔

(جلد العیون جلد اول صفحہ ۱۷۳)

○ قریب الاسناد میں بستہ معتبر حضرت امام محمد باقرؑ سے روایت ہے کہ رسول خداؐ نے یہ انتظام فرمایا تھا کہ خدمت یاہر کی مثل لکڑی اور پانی لانے کے جناب امیر کریں۔ اور خدمت گھر کے اندر کی مثل چکی پیسنے کھانا پکانے جھاڑو دینے کی جناب فاطمہؑ کریں۔

○ بستہ معتبر جناب امیرؑ سے روایت ہے کہ جناب فاطمہؑ حضرت رسول خداؐ کی محبوب ترین مردم تھیں اور اس قدر مشکیزے پانی کے اٹھائے کہ سینہ مبارک سے انرا نڈا کا ظاہر ہوا۔

○ علیؑ نے وعدہ خلافت کی کیوں کی مولف (اس قدر چکی پیسی کہ ہاتھ مچروح ہو گئے) شاید محلہ بھر کا غلہ اٹھا کر کے علیؑ گھر میں لپیٹوانے کے لئے حضرت رسولؐ کی محبوب ترین مردم کو دیتے رہے مولف (اس قدر جھاڑو دی کہ کپڑے گرد آلود ہو گئے۔ اس قدر آگ جلائی کہ کپڑے سیاہ ہو گئے۔) ہم تو یہ سنتے ہیں کہ وہاں ہفتوں فاقے ہوتے تھے اور حیرتیل اگر کھانا پکانے کے لئے مولف

(جلد العیون جلد اول صفحہ ۱۶۳)

وفات عائشہؓ کے مولف کو صدیقہ کائنات کی نشان میں توصیفی روایات میں بھی

صدر ریفی کا طہ استیضایہ

چٹھارے نظر آتے ہیں۔ اور مجھے جواب آں غزل کے طور پر اس ناگوار دادی سے گزرنا پڑا۔ اگر آپ صرف ایک ہی کتاب سے زفات سیدہ فاطمہؓ کی بوستان خیالی پڑھیں تو ان نام نہاد محبان اہل بیت کا نام لینا بھی گوارا نہ کریں۔

حضرت سیدہ فاطمہؓ اور سیدنا علیؓ ایک کپڑے میں سوئے ہوئے ہیں اور نبی علیہ السلام ان کے سر ہانے بیٹھ کر اپنے دونوں پاؤں ان کے درمیان دراز کر دیتے ہیں۔

سیدنا علیؓ ابو جہل کی لڑکی سے نکاح کا ارادہ کرتے ہیں۔ اور نبی علیہ السلام منبر پر کھڑے ہو کر فرماتے ہیں کہ ایک شخص کے نکاح میں نبی کی بیٹی اور کافر کی بیٹی اکٹھی نہیں رہ سکتیں۔

جستہ سے سیدنا جعفرؓ ایک حبش لونڈی لاتے ہیں اور سیدنا علیؓ اس کے زانوؤں پر سر رکھ کر آرام فرماتے ہیں اور سیدہ فاطمہؓ یہ دیکھ کر اپنے والد کے ہاں تشریف لے جاتی ہیں۔

اگر شیعہ مذہب کی کتب سے اس قسم کے واقعات اکٹھے کرے جائیں تو معلوم ہوتا ہے کہ سیدہ فاطمہؓ کا سیدنا علیؓ کے ہاں ایک دن بھی آرام سے نہیں گزرا۔

ان حالات میں روایتیں کو یہی سوجھ سکتا تھا کہ نبی علیہ السلام کی زندگی بھی تلخ رنگ میں پیش کی جائے۔

اصل بات جو زیر بحث تھی وہ مولف زفات عائشہؓ کے یہ تمسخرانہ کلمات تھے کہ خلافت مہمل حضرت عائشہؓ ۹۔ ۱۰ سال کی عمر میں کیوں کروان ہو گئیں۔

میں بتانا چاہتا ہوں کہ حضرت صدیقہؓ کی عمر بوقت نکاح ۹۔ ۱۰ سال نہیں بلکہ ۱۲۔ ۱۳ سال کے درمیان تھی۔

تفصیلات ملاحظہ ہوں

○ علامہ ابن کثیر صدیقہؓ کا تئیس سال کی عمر بوقت نکاح کے متعلق وہی گھسیٹی بات لکھتے ہیں کہ بعد جب سیدہ اسماءؓ بیت ابو بکرؓ کے حالات لکھتے ہیں تو سچی بات غیر اختیاری طور پر زبان سے نکل جاتی ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں

کہ سیدہ اسماءؓ عمر سو سال ۳۷ھ میں فوت ہوئیں وہ اپنی چھوٹی بہن عائشہؓ سے دس سال بڑی تھیں۔ وہی اکبر من اختہا عائشہ بعثی
مستبین ر البدایہ جلد ۸ صفحہ ۴۲۶ اس حساب سے ہجرت کے وقت حضرت
اسماءؓ کی عمر ۲۷ سال تھی اور لا محالہ ہیں تسلیم کرنا پڑے گا کہ صدیقہ کائناتؓ
کی عمر ۱۷ سال تھی۔

اس حساب سے نکاح کے وقت صدیقہ کی عمر ۹ سال بنتی ہے۔
اب طبری کی طرف توجہ کیجئے اور اس بات کو بھی ذہن میں رکھئے کہ تحقیقات
کی روشنی میں طبری کا تشیع واضح ہے۔ طبری لکھتا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں
ابوبکرؓ کے نکاح میں دو عورتیں تھیں قتیلہ جس کے بطن سے عبداللہؓ اور
اسماءؓ پیدا ہوئے اور دوسری ام رومان جس کے بطن سے عبدالرحمنؓ اور عائشہؓ
پیدا ہوئے اور یہ چاروں بہن بھائی بعثت نبویؐ سے پہلے پیدا ہوئے تھے
اس لحاظ سے اگر سیدہ عائشہ صدیقہؓ کی پیدائش کو بعثت سے ایک سال
پہلے تسلیم کیا جائے تو نکاح کے وقت ان کی عمر سولہ سترہ سال بنتی ہے
فکل هؤلاء اربعة من اولادہ ولدوا من زوجہ المسیت
سمیتہا فی الجاہلیۃ رطری جلد ۸ ص ۵۸

③ شیخ ولی الدین کی تالیف اکمال فی اسماء الرجال اور تجرید بخاری وغیرہ
کی تشریحات میں سیدہ عائشہؓ کی عمر بعثت نکاح ۱۶ سے ۱۷ سال
ہی بیان کی گئی ہے۔

اب خدا و امت کے نقطہ نگاہ سے صدیقہ کائناتؓ کی عمر چھ سال کا بتو
لیجئے اور پھر آپؐ کی علمی فضیلتوں کی طرف توجہ کیجئے تو یہ بات قطعاً ممکن
میں ہے کہ ۹ سال کی لڑکی نے نبی علیہ السلام سے اس قدر علمی استفادہ
کیا ہو۔ مرویات میں آپؐ کا نمبر ساتواں ہے۔ آپؐ کی مرویات کی تعداد
۲۲۶۰ کے قریب ہے اس کے علاوہ فقہی مسائل کے استنباط میں آپؐ کو
جو بلند مقام حاصل تھا وہ اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ یہ سب کچھ کم عمری
میں حاصل نہیں ہو سکتا واقعہ معراج ہجرت سے سال بھر پہلے وقوع میں

آیا۔ اس کی روایت میں حضرت صدیقہؓ کو منفرد مقام حاصل ہے۔ کیا
معارض کے تفصیلی حالات کا اس طرح ذہن میں رکھنا ایک پانچ چھ
سالہ بچی کا کام ہے؟

⑤ پھر واقعہ حیرت کے متعلق بھی حسین قدر جزیات آپ نے میان مائی
میں کیا یہ بھی ایک چھ سالہ بچی کے بس کی بات تھی۔

میں نے ہفت روزہ الاسلام کو براؤنوالہ یکم جولائی ۱۹۷۷ء کے
شمارہ میں ”صدیقہ کائنات“ کی عمر بوقت نکاح کے عنوان سے چند سطور لکھیں
اور آخر میں یہ بھی لکھا کہ اسے صرف آخر نہ سمجھا جائے بلکہ
ع۔ صلائے عام ہے یا ان نکتہ دال کے لئے

مگر تا ابد ہم صرف ایک بزرگ کی طرف سے اس قسم کا جواب ملا کہ تم اس معاملہ
میں ”احساس مرغوبیت“ کا شکار ہو۔

اندھا دھند ۶ اور ۹ سال کی عمر کی رٹ لگانے والے اگر سید سلیمان ندوی
اور نیاز فتحپوری کے ان الفاظ سے ہی اتفاق کرتے کہ آپ کی صحیح تاریخ پیدائش
معلوم نہیں۔ تب بھی کسی حد تک گوارا تھا مگر ”میں نہ مائوں قسم کے اصحاب کا علاج ہے
سید صاحب لکھتے ہیں ام المؤمنین سیدہ عائشہؓ کی ولادت کی تاریخ سے

تاریخ و سیر کی عام کتابیں خاموش ہیں۔ (سیرت عائشہ صفحہ ۷، سطر ۵)
نیاز فتحپوری لکھتے ہیں تاریخ کی کتابوں میں حضرت عائشہؓ کا سال ولادت نظر انداز
کر دیا گیا ہے۔ (صحابیات صفحہ ۲۸، سطر ۱۱)

ہو سکتا ہے سیدہ صدیقہؓ کی تاریخ ولادت کے متعلق ان اصحاب کی نظروں
سے البتہ یا اکمال فی اسماء الرجال اور تجرید البحاری کی شروعات نہ گزری ہوں۔
ورنہ وہ ضرور سیدہ عائشہؓ کی عمر شریف کے متعلق صاف لکھ دیتے کہ ۱۶-۱۷ سال
تھی۔ یا ہو سکتا ہے کہ سیدہ صدیقہؓ کی عمر کے متعلق دیگر تصدیقات بھی ان کی نظروں
سے نہ گزری ہوں۔

۵۔ اسد الغابہ میں ہے کہ سیدہ فاطمہؓ سیدہ عائشہؓ سے تقریباً پانچ سال
بڑی تھیں۔ (جلد ۱ صفحہ ۳۷۷)

اب میں سیدہ فاطمہؓ کا سن پیدائش دیکھتا ہے۔

اسد الغابہ کا بیان ہے کہ حضرت فاطمہؓ کی پیدائش اس سال ہوئی جس میں کعبہ کی تعمیر ہو رہی تھی۔ اس وقت نبی اکرمؐ کی عمر تشریف ۳۵ سال تھی (جلد چہارم صفحہ ۲۷۷)۔

اسد الغابہ کی دوسری روایت سنئے۔ حضرت عباسؓ حضرت علیؓ کے ہاں گئے تو سیدہ فاطمہؓ حضرت علیؓ سے کہہ رہی تھیں کہ میری عمر تم سے زیادہ ہے۔ حضرت عباسؓ نے کہا کہ فاطمہؓ اس زمانہ میں پیدا ہوئیں۔ جب قریش خانہ کعبہ کی تعمیر کر رہے تھے اور علیؓ اس سے چند سال پہلے پیدا ہو چکے تھے (جلد ۴ صفحہ ۲۸۰)۔

اس لحاظ سے صدیقہ کائناتؐ کا سال ولادت نبوتؐ کا پہلا سال قرار دیا جاسکتا ہے اور ہجرت نبویؐ کے وقت حضرت صدیقہؐ کی عمر تیرہ سال ہوئی۔ رخصتی کے وقت پندرہ سال۔

یہاں اس بات کو بھی ذہن میں رکھئے کہ ایک بچہ مثلاً ۸۳۹ کے دلچ کی ۳۰ تاریخ کو پیدا ہوتا ہے۔ اور دوسرا یکم محرم الحرام ۱۳۹۹ھ کو۔ ظاہر نشین کے لحاظ سے تو فرق محسوس ہوتا ہے مگر حقیقت میں دونوں کی عمروں میں صرف ایک دن کا فرق ہے۔ اسی طرح ایک بچہ یکم محرم ۱۳۹۸ھ کو پیدا ہوتا ہے۔ اور دوسرا ۳۰ ذوالحجہ ۱۳۹۹ھ کو۔ نشین کے لحاظ سے ظاہر وہی فرق معلوم ہوتا ہے جو پہلے دو بچوں کی عمروں میں نظر آتا تھا۔ مگر حقیقت میں یہاں دو سال کا فرق ہے۔

ایسی کیفیات کو مد نظر رکھتے ہوئے غور کیا جائے تو حضرت صدیقہؓ کی عمر پندرہ سال سے زیادہ یعنی ۱۶-۱۷ سال تھی۔

۶۔ طبقات ابن سعد جلد ۸ صفحہ ۱۱ اور جلد ۸ صفحہ ۷۷ اسد الغابہ کی ہر دو روایات کی تائید موجود ہے۔

۷۔ حضرت فاطمہؓ کی وفات ۱۱ھ میں ہوئی اس وقت آپ کی عمر تیس سال تھی۔ استیعاب میں ہے کہ عبداللہ بن الحسن (امیر المومنین) ہشام بن

عبدالملک کے دربار میں تھے۔ وہاں کلبی بھی موجود تھا۔

۷۔ - شام نے عبداللہ بن الحسن سے پوچھا فاطمہ بنت رسول اللہ کی کل عمر کتنی تھی۔ تو عبداللہ نے کہا تیس سال۔ پھر کلبی سے پوچھا تو اس نے عرض کیا بیستیس سال۔ اس پر شام نے عبداللہ سے کہا سنیے کلبی کہا کہہ رہا ہے۔ تو عبداللہ نے جواب دیا اے امیر المومنین مجھ سے میری ماں کے متعلق پوچھئے اور کلبی سے اس کی ماں کے متعلق۔ (استیعاب جلد ۲ ص ۵۲)

۸۔ - سورۃ الفم زریا ۹ نبوی میں نازل ہوئی۔ آگے اسی بخاری میں جس میں نکاح کے وقت سیدہ صدیقہؓ کی عمر کا چھ سال کا تذکرہ بھی ہے یہ روایت بڑھ ہے۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ جب مکہ میں نبی علیہ السلام پر قبل الساعۃ موعید ہوتا تھا ادھی رات سورۃ الفم کی آیات نازل ہوئیں تو میں اس وقت کچی تھی اور کھلتی پھرتی تھی۔ (بخاری جلد ۲ ص ۲۴)

لیجئے ایک طرف امام بخاری سیدہ صدیقہ کا چھ سال کی عمر میں نکاح کر رہے ہیں اور دوسری طرف ان کا سن پرانیش نبوت کا تقریباً پہلا سال قرار دے رہے ہیں۔ وہ یوں کہ سیدہ صدیقہ کو اگر سورۃ الفم کی یہ آیات یاد رہیں اور وہ اپنا کھیلنا پھرنا بیان فرما رہی ہیں۔ تو یقیناً یقیناً آپ اس وقت کم از کم پانچ چھ سال کی تھیں ورنہ اس پر یقین کر لینا ناممکن ہے کہ ایک سال یا چھ ماہ کی بچی نے ان آیات کو یاد رکھا ہو۔

۹۔ - حضرت صدیقہؓ کی رخصتی شوال ۲ ہجری میں ہوئی۔ ہجرت نبوی ۱۰ سال بعد مہینے اور ۲۰ سال بعد کے دس مہینے یعنی ہجرت سے تقریباً دس ماہ بعد۔ شوال ۲ھ کی رخصتی کے لئے یعنی جلد ۸ صفحہ ۹۷ دیکھئے۔ اور استیعاب جلد ۲ صفحہ ۴۴ دیکھئے۔

۱۰۔ - سیدہ فاطمہؓ کی شادی محرم میں ہوئی تھی۔ بخاری کی اس روایت کے

لے استیعاب کی اس روایت میں عبداللہ بن حسن فاطمی کا ہشام بن عبدالملک اموی کو امیر المومنین کہہ کر پکانا سبائیت کے منہ پر ایک اور زناٹے اور تھپڑ ہے۔

مطابق جس میں سیدنا علیؑ فرماتے ہیں کہ مجھے یوم بدر میں ایک اونٹنی ملی تھی۔ میں نے چاہا کہ فاطمہؑ کو رخصت کر کے لاول (بخاری جلد سوم صفحہ ۸) اس کا مطلب یہ ہے کہ جنگ بدر تک حضرت علیؑ کی شادی نہیں ہوئی تھی۔ اس لحاظ سے آپؐ کی شادی جس محرم میں ہوئی وہ ۳ ہجری کا محرم تھا۔ چونکہ حضرت صدیقہؑ کی شادی اس سے چار ماہ پہلے ہوئی تھی۔ اس لئے اس شادی کا سال ۲ ہجری ہے۔ اور ہجرت کے بعد مدت وہی ۱۸-۲۰ ماہ بنتی ہے۔ تصریحات بالا کی روشنی میں یہ حقیقت مسلمات کا درجہ رکھتی ہے کہ نکاح یعنی رخصتی کے وقت حضرت صدیقہؑ کی عمر کسی صورت میں ۱۶-۱۷ سال سے کم نہ تھی۔

اب ایک طرف بخاری کی ۹ سال والی روایت ہے اور دوسری طرف اتنے قوی ثبوت و حقائق ہیں۔ اس سے صاف نظر آتا ہے کہ ۹ سال والی روایت ایک موضوع قول ہے جسے ہم منسوب الی الصحابہؓ کے سوا کچھ نہیں کہہ سکتے اور اس منسوب الی الصحابہؓ قول نے وہ شہرت پکڑی کہ آج اچھے بھلے مدعیان علم و فضل کے سامنے جب صحیح تصریحات پیش کی جائیں تو وہ ان کا جواب ہوتا ہے کہ تم احساس کمتری کا شکار ہو۔

۱۱۔ ان تصریحات سے بڑھ کر قرآن کا فیصلہ ہے کہ نکاح بالغ مرد اور بالغ عورت ہی میں ہو سکتا ہے۔ اس لئے قرآن مجید نے بلوغت کو ہی نکاح کی عمر سے تعبیر کیا ہے۔ یتیموں کے متعلق سورہ نساء میں ہے :

ا : وَاِذَا بَلَغُوا الْبُلُوغَ حَتَّىٰ اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ فَاِنْ اِلَيْكُمْ مِنْهُمْ فَادْفَعُوْا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ (یتیموں کی سرپرستی کی صورت میں) تم ان کی جانچ کرتے رہو یہاں تک کہ وہ نکاح کی عمر کو پہنچ جائیں پھر تم اگر ان کی عقل میں نچستگی پاؤ تو ان کا مال ان کے حوالے کر دو۔

ب : لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرْثُوْا النِّسَاءَ كَمَا هُنَّ يَرِثُنَّكُمْ لَكُمْ مِنْ اَمْوَالِكُمْ الَّتِي رَسَلْتُمْ بِهَا اَمْوَالَكُمْ لَئِنْ كُنْتُمْ عَاذِلِيْنَ (یہ تمہارے لئے قطعاً جائز نہیں کہ تم عورتوں کے زیر دستی مالک بن جاؤ۔)

ج : فَاِنْ كُنْتُمْ عَاذِلِيْنَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ : ثُمَّ اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ فَاِنْ اِلَيْكُمْ مِنْهُمْ فَادْفَعُوْا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ (پھر ایسی عورتوں سے شادی کرو جو

جو تمہیں پسند ہوں۔

یَلْعَوُ النِّكَاحُ : تَوَثُّوا النِّسَاءَ كَمَا هَا ، مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ كَمَا
اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ باوخت سے پہلے سترائی زبان میں
نکاح محل نظر ہے۔

د : ذَیْنٌ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ مَوَدَّةُ بَنَاتٍ
کی محبت لوگوں کے لئے مرغوب بنا دی گئی ہے۔

س : وَ آخِذْنَ مِنْكُمْ مِّثَاقًا غَلِيظًا ۔ وہ تم سے پختہ وعدہ لے چکی ہیں۔
س : وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ حَتَّىٰ يَبْلُغَ أَشُدَّهُ
تم یتیموں کے مال کے قریب تک نہ جاؤ۔ بجز احسن طریقہ کے یہاں
تک کہ وہ جوانی کی عمر کو پہنچ جائیں۔

ط : هُنَّ لِبَاسٌ لَكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ۔ عورتیں تمہارا لباس
ہیں اور تم ان کا لباس ہو۔

ذَیْنٌ لِلنَّاسِ ، مِثَاقًا غَلِيظًا ، حَتَّىٰ يَبْلُغَ أَشُدَّهُ كَلِمَاتُ
پر غور کیجئے۔ کیا نابالغ بچیوں کے لئے ذَیْنٌ لِلنَّاسِ کے کلمات ہیں۔
کیا مِثَاقًا غَلِيظًا نابالغ بچیوں سے ہوگا۔

حَتَّىٰ يَبْلُغَ أَشُدَّهُ کیا نابالغ لڑکیوں کی تعریف میں ہے۔
کیا جس عظیم ہستی پر قرآن نازل ہوا۔ اس کی ذاتِ اقدس
پر یہ بہتان نہیں کہ اس نے چھ سالہ بچی سے نکاح کیا۔ اور جب وہ نو
سال کی ہوئی اور اس کی حالت یہ تھی کہ شدتِ مرض سے سر کے بال تک
جھڑ چکے تھے اسے لاکر گھر میں ڈال لیا۔

نہی کے لئے یہ سب کچھ روا۔ اور محض اس لئے کہ بخاری راوی کا کہنا ہے
اور نسائی کی اس روایت سے غرضِ بصر کیوں کہ۔۔۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور
فاروق اعظم رضی اللہ عنہما کا رشتہ طلب کرنے میں مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
یہ کہہ کر انکار فرمادیتے ہیں کہ وہ ابھی کم عمر ہے
یا للعجب !! جو نبیؐ اپنی کم عمر بیٹی کا رشتہ اس کی کم عمری کی وجہ سے

کسی کو نہیں دیتا۔ وہ اپنے لئے چوں سال کی عمر میں نو سال کی کم عمر لڑکی سے کیسے نکاح کر سکتا ہے۔

یہ مت بھولئے کہ بموجب روایت بخاری و بموجب روایت مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۴۲ نبی علیہ السلام کی عمر اس وقت ۵۴ سال تھی اور مسلم کی دوسری حدیث جلد ۳ صفحہ ۲۴۲ نبی علیہ السلام کے ہاں اس سے پہلے سیدہ صدیقہ حبیبہ بھرتیب محرقہ میں مبتلا رہ چکی تھیں اور آپ کے سر کے تمام بال جھڑ چکے تھے۔ نو سال کی نابالغ بچی، حبیبہ بھرتیب محرقہ میں مبتلا نہ کر کاٹنا بن چکی ہو کیا اس حالت میں نبی علیہ السلام اسے گھرا لے سکتے تھے۔

کسی دوسرے مقام پر سید سلیمان ندوی کا یہ قول نقل کیا گیا ہے۔ کہ ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی ولادت کی تاریخ سے تاریخ و سیر کی تمام کتابیں خاموش ہیں۔ مگر اپنی اسی بابہ نانہ تالیف کے صفحہ ۱۲ کے حاشیہ میں لکھتے ہیں۔ بعض بے احتیاط لوگوں نے اس خیال سے کہ کم سنی کی یہ شادی آنحضرت کے لئے موزون نہیں پس بات کی کوشش کی ہے کہ وہ یہ ثابت کریں کہ اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر چھ برس کی بجائے ۱۶ برس کی تھی لیکن ان کی یہ کوشش تمام تر بے سود اور ان کا یہ دعویٰ بالکل بے دلیل ہے۔ حدیث و تاریخ کے پورے دفتر میں ایک حرف بھی انکی تائید میں موجود نہیں۔ سید صاحب ثواب اپنے اصلی ٹھکانے پر پہنچ چکے ہیں۔ ورنہ انہیں ایک حرف کی بجائے اس موضوع پر ایک دفتر دکھایا جاتا۔ البتہ ان کے ۱۶ سال والے کلمات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت بھی اس قسم کے محقق موجود تھے جو چھ سال والی روایت کو موضوع سمجھتے تھے۔ لطف تو اتنا تھا کہ ان محققین کے اقوال نقل کر کے ان پر جرح کرتے۔ صرف اس قدر لکھ دینا کہ ان کی تائید میں ایک لفظ بھی موجود نہیں سید صاحب کا دلربا بیانہ قسم کا قرار ہے بات طویل ہوتی جا رہی ہے مگر اس کی طوالت سے گھر کر ان حقائق کی وضاحت سے انحراف ایک بہت بڑی دینی حیانت ہے۔ سطحی نظر سے دیکھنے والے ذرا اس بات پر غور کریں کہ جب کوئی انہیں کہے کہ تمہاری

ماں کا نکاح چھ سال کی عمر میں ہوا تھا اور خصلتی ۹ سال کی عمر میں ایسی حالت میں ہوئی تھی جب وہ طویل بیماری سے چند دن ہوئے کہ صحت یاب ہوئی تھی اور ابھی پورے طور پر اس کے سر پر بال بھی نہیں آگے تھے تو اس وقت ان ذات شریف کا کیا حال ہوگا۔ اور جب اسی واقعہ کی تشبیہ شروع کر دی جائے تو فرمائیے پھر وہ صاحب کیا کسی کے سامنے منہ دکھانے کے لائق رہ سکیں گے۔ گم یہ سب کچھ خاتم المعصومین کی ذات اقدس کے لئے روا۔ آپ کی توجہ مطہرہ کیلئے باعث فخر یا تعجب! آگے چلئے ع۔

۱۲۔ قاضی ابن شہر آشوب جو امام ابو حنیفہؒ کے ہم عصر اور ایک عظیم شخصیت تھے انہوں نے لڑکوں اور لڑکیوں کی شادی کی عمر ۱۸ اور ۱۶ سال مقرر کی تھی آج سے چند سال پہلے علمائے مصر نے ان کے اسی فتوے کو جدید شرعی قوانین میں مدون کر لیا تھا تفصیل کے لئے دیکھئے انقضا فی الاسلام ص ۱۸ بحوالہ امام ابو حنیفہؒ کی سیاسی زندگی موافقہ مناظر حسن گیلانی ص ۱۸ قاضی ابن شہر آشوب نے وابتلا لیتھی حتی اذا بلغوا النکاح سے ہی استدلال کیا تھا۔

۱۳۔ شمس الائمہ مرخسی لکھتے ہیں۔ یقول ابن شہر آشوب والی بکرا الاصح انه لا یتزوج الصغیر والصغیرۃ حتی یبلغا لقلوبہ تعالیٰ حتی اذا بلغوا النکاح فلو جازا التزوج قبل البلوغ لم یکن لہذا فائدہ۔ کتاب المبسوط ج ۱ صفحہ ۱۹۳ مطبوعہ مصر یعنی اگر بلوغت سے پہلے

نکاح جائز ہوتا تو آیت کے یہ الفاظ بے فائدہ ہوتے۔ معلوم ہوتا ہے کہ قاضی ابن شہر آشوب اور ابوبکر امام ہما سے نام نہاد محققین کی طرح صدیقہ کائناتؑ کی عمر بلوغت نکاح اگر ۹ سال سمجھتے تو کبھی ایسا کہنے کی جرأت نہ کرتے۔

۱۴۔ صدیقہ کائناتؑ سے مروی ہے: عشر اسامة بعثتہ البابا فشیخ فی وجہہم فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امیطی

عنه الاذى فتقد سائده (میں نے گھن کی وجہ سے صاف نہیں کہا)
فجعل يمس الدم ويحبه عن وجهه الخ

(کنز العمال ج ۷ صفحہ ۵ بحوالہ جامع عبد الرزاق و ابن عساکر)

(نیز صفحہ ۴ پر بحوالہ ابن ابی شیبہ و ابن سعد)

۱۵۔ اسی سے ملتی جلتی روایت ابن ماجہ میں بھی ہے۔

۱۶۔ اور اسامہؓ کی ناک صاف کرنے کے متعلق اسی سے ملتی جلتی حدیث ترمذی میں بھی ہے۔

نبی علیہ السلام کی وفات کے بعد حضرت اسامہؓ کی عمر حسب بیان اکمال (صاحب مشکوٰۃ) اور دیگر تمام کتب بیرت ۲۰ سال تھی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت اسامہؓ کی پیدائش ۳۰ یا ۳۱ سال پہلے ہوئی کی ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر صدیقہ کائناتؓ کا سال پیدائش بھی ۳۰ یا ۳۱ ہوئی تسلیم کیا جائے تو یہ کیسے تسلیم کیا جاسکتا ہے کہ نبی علیہ السلام نے ایک لوط کے کی عمر لوط کی کو اس کی ناک صاف کرنے کا حکم دیا۔ لا محالہ ماننا پڑے گا کہ صدیقہ کائناتؓ کی عمر حسب روایت طبری و اکمال اور ابتدائیں سیرۃ اسماءؓ اور صدیقہ کائناتؓ کی پیدائش کے متعلق جو گذشتہ صفحات میں بیان کی جا چکی ہے دس گیارہ سال تھی۔ اب ایک بار پھر تصریحات ۳۰-۱۲-۱۵ کو سامنے لائے تو حقیقت واضح ہو جائے گی۔

۱۷۔ خود بخاری کی روایت جو داخلی تضاد ہے وہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ع کچھ تو ہے جس کی پیدہ داری ہے

تذو جنی رسول اللہؐ انا بنت است فی روایۃ تسبیح و انا بنت تسبیح
اگر صدیقہ کائناتؓ کا نکاح یا منگنی سوال ۱۰ نبوت میں ہوا اور خستی سوال میں ہوئی تو ان کے درمیان پانچ سال کا وقفہ ہے۔ چنانچہ اگر نکاح کے وقت عمر چھ سال تھی تو خستی کے وقت ۱۱ سال ہوئی۔ اگر نکاح کے وقت عمر سات سال تھی تو خستی کے وقت ۱۲ سال ہوئی اور اگر نکاح کے وقت عمر آٹھ سال تھی تو خستی کے وقت ۱۳ سال ہوئی تو خستی

کے وقت بخاری کا نو سال بیان کرنا کہاں سے آگیا۔

ایک روایت کے مطابق آپ کا غزوہ بدر میں موجود ہونا غزوہ احد میں پانچے چڑھائے ہوئے ترجمیوں کو پانی پلانا بھی اس بات پر دلالت کرتا ہے آپ اس وقت نو سال کی کم عمر لڑکی نہیں بلکہ جوان خانوں تھیں۔
(اصحیح بخاری غزوہ احد)

پھر اس پر بھی غور کیجئے جو روایات صدیقہ کائنات کی طرف منسوب کی جا رہی ہیں ان میں بھی راوی کبھی چھ سال کتنا ہے کبھی سات سال کتنا ہے اور کبھی آٹھ سال کتنا ہے۔

کچھ معمر ہے سمجھنے کا نہ سمجھانے کا

لیجئے۔ ہم اصح الکتاب بعد کتاب اللہ کے احترام میں مان لیتے ہیں کہ یہ روایت فضلی نہیں۔ تو ہمیں یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ حدیث کا مفہوم سمجھنے میں ہم سے کوتاہی ہوتی ہے۔

عرب میں کوئی کیلنڈر نہ تھا اور واقعات کے تعین کے لئے عربیوں کہا جاتا تھا کہ واقعہ قبل سے اتنے سال پہلے یا بعد وغیرہ۔ ہمارے ہاں بھی اکثر ۱۸۵ء کی جنگ آزادی کے لئے کہا جاتا ہے سن ننانو کی جنگ آزادی، ۱۹۱۴ء کی پہلی جنگ عالمگیر، سن ۱۴ء کی جنگ عالمگیر اور ۱۹۳۹ء کی دوسری جنگ عالمگیر سن اتالیس کے جنگ عالمگیر کے ناموں سے پکاری جاتی ہیں۔ مگر ہمارے ہاں کے ایسے شواہد کی نسبت عرب میں اس کا زیادہ سجاج تھا۔ اور احادیث میں ایسے کئی مواقع پر تشریح حدیث نے یہی تاویل کی ہے۔ مثلاً

۱۔ نبی علیہ السلام کی وفات کے سلسلہ میں بخاری کی روایت صدیقہ کائنات رض اور سیدنا عبداللہ بن عباس رض کے اختلاف پر ابن حجر نے یہی تاویل کی ہے۔ (فتح الباری مطبوعہ مصر ج ۹ ص ۱۶۷)

ب : حضرت ابن عباس کی عمر خود ان کی اپنی زبان سے یہ ہے توفی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولانا ابن عشر سنین (کتاب المغازی بخاری بارہ)

مگر مستدرک حاکم میں بشرط بخاری و مسلم انہیں سے روایت ہے : توفی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وانا ابن خمس عشرة و قد حقنت۔
(حاکم جلد ۳ ص ۵)

اس روایت کی علامہ فرہی نے بھی تصدیق کی ہے۔ ان دونوں متضاد روایات میں ابن حجر نے فتح الباری میں یوں تطبیق دی ہے۔ وھذا محمول علی الغاء الکسر یعنی اُسے ایک عدد اکائی کے عدد کے محذوف ہونے پر محمول کیا جائے (اصابہ ذکر ابن عباس ج ۲ صفحہ ۳۲۲ مطبوعہ مصر میں بھی یہی تحویل ہے)

معلوم ہوتا ہے کہ صدیقہ کائنات نے اپنے نکاح کے متعلق جوست منع یا تسع کے الفاظ ارشاد فرمائے ہیں۔ ان میں بھی عشر کا لفظ محذوف ہے اور شواہد و نظائر کی موجودگی میں اس سے انکار کی وجہ بھی کوئی نہیں۔ بلا استثناء مقلد و غیر مقلد ہمارے ہاں اندھا دھند جو تقلید کا رواج ہے اس سے سینکڑوں غلط اور وضعی باتیں پیر تسمہ یا بن کر ہماری گردنوں پر اور ام المومنین حضرت سودہ کی تاریخ وفات بقول بخاری (فی التاريخ) ۲۳ ہجری ہے۔ لیکن واقعہ ۲۲ ہجری لکھا ہے مگر اس قسم کے تاریخی تضاد جن کا کسی دینی معاملے سے تعلق نہیں جہاں قابل اعتنا نہیں۔ البتہ جن واقعات کا اثر نبی اکرم کی ذات پر پڑتا ہو وہاں بھونک بھونک کر قدم رکھنے کی ضرورت ہے۔

ام المومنین حضرت سودہ کی تاریخ وفات کا اثر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر۔ مگر صدیقہ کائنات نے اپنے نکاح کی وضعی روایت خاتم المعصومین کی ذات اقدس کے لئے بوجہ ایک طعن ہے تو ایسی روایات جن سے الوہیت مجروح اور خاتم المعصومین کی رسالت انکار ہو اور پھر ان کے مقابلہ میں دوسری روایات بھی موجود ہوں تو ان کا ترک کافی نہیں بلکہ ایک محقق کے لئے ان کی تحقیق اور تعاقب ضروری ہو جاتا ہے۔ ابن سعد کی ایک روایت ہے۔ ہجرت کے بعد مدینہ کی آب و ہوا اس کی

ناموافقت کی وجہ سے اکثر ہاجر صحابہ بیمار ہو گئے۔ حضرت صدیق اکبرؓ بھی اس بلا سے نہ بچ سکے۔ بڑی شدت سے بخار کا حملہ ہوا۔ حضرت عائشہؓ بیمار وار تھیں۔

طبقات جلد ۲ صفحہ ۴۴۲

اس روایت پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر صدیقہ کائناتؓ کی عمر اس وقت چھادو نو سال کے درمیان تھی تو گھر کی بڑی خوانین کی موجودگی میں تیمارداری کا بوجھ ایک بچی کے ذمے کیوں۔ لا محالہ ہمیں تسلیم کرنا پڑے گا کہ حضرت صدیقہؓ کی عمر اس وقت کسی صورت میں بھی پندرہ سولہ سال سے کم نہ تھی۔

۱۹۔ صدیقہ کائناتؓ فرماتی ہیں کہ جب سے میں نے اپنے والدین کو پہچانا ان کو مسلمان پایا۔

(بخاری ج ۱ صفحہ ۵۵۲)

سیدنا صدیق اکبرؓ کو رب سے پہلے اسلام لانے کا شرف حاصل ہے۔ ان کے ساتھ ہی ان کا تمام کنبہ یعنی گھر کے لوگ اسلام لائے۔ صدیقہ کائناتؓ نبوت کے پہلے سال اپنے والدین کو بحیثیت مسلمان پہچانتی ہیں تو کیا پیدا ہونے سے پہلے ہی انہوں نے اپنے والدین کو ایک مسلمان کی صورت میں پہچانا۔ یعنی دیکھا یا جانا نہیں پہچانا۔ دیکھنے یا جاننے اور پہچاننے کے فرق پر غور کرنے سے یہی حقیقت آشکارا ہوتی ہے کہ آپؐ کی پیدائش نبوت سے پہلے ہو چکی تھی۔

۲۰۔ سید سلیمان ندوی اپنی تالیف سیرت عائشہؓ کے صفحہ ۱۰۰ پر لکھتے ہیں کہ کہ بیوگی کی حالت میں آپؐ نے عمر کے چالیس مرحلے طے کئے جب تک زندہ رہیں اسی مزار اقدس کی محاور رہیں۔ پھر صفحہ ۱۴۴ پر لکھتے ہیں کہ آپؐ ۶۷ سال کی عمر میں ۵۸ھ میں فوت ہوئیں۔

اگر چاہیں سال بیوہ رہیں۔ تو نبی علیہ السلام کی وفات کے وقت حضرت صدیقہؓ کی عمر ۲۷ سال تھی اور رخصتی کے وقت ۱۸ سال تھی۔ حقیقت وہی ہے جو تبصریحات بالا میں بیان کی جا چکی ہے کہ رخصتی کے وقت آپؐ کی عمر کسی صورت میں بھی سترہ اٹھارہ سال سے کم نہ تھی۔

مگر جب بھی کسی نے اپنی تحقیق سے کام لے کر آپ کی عمر شریف بوقتِ خصی
سترواٹھارہ سال لکھی تو اس کے سامنے فوراً بخاری کی روایت آگئی۔ تو وہ
بخاری شریف کے احترام میں اندھا دھند ٹانک ٹوٹے مارتا ہوا آگے بڑھ گیا
اس کی بلا سے نبی پیر بیان طعن دراز ہوتی رہے۔ پرواہ نہیں مگر بخاری شریف
کے احترام میں فرق نہ آئے۔

۲۱۔ شاہ معین الدین احمد ندوی تاریخ اسلام حصہ اول طبع نجف معارف
پس اعظم گڑھ میں لکھتے ہیں :

انہوں نے نو سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت میں گزرا ہے۔
آپ کی وفات کے بعد ۴۵ سال زندہ رہیں اور ۵۷ھ میں ۶۶ سال کی عمر
میں وفات پائی۔ (صفحہ ۱۲۲ سطر ۷ تا ۹)

اس لحاظ سے نبی علیہ السلام کی وفات کے وقت آپ کی عمر ۶۲ سال ہوئی
نو سال کا نشانہ نبوی میں رہیں تو ثابت ہوا کہ رخصتی کے وقت عمر شریف ۱۳ سال تھی۔
گو یہ بات بھی ہمارے موقف کے مطابق نہیں مگر نو سال کی تاکید میں بھی
نہیں بہر حال نو سال والی روایت کو کسی صورت میں تسلیم نہیں کیا جاسکتا۔
۲۲۔ مشہور مصری مؤرخ عباس محمود العقاد نے اپنی تالیف سیرت عائشہؓ
میں ان کی عمر کم از کم چودہ پندرہ سال لکھی ہے۔ اس کتاب کا اردو
میں ترجمہ ہو چکا ہے۔

۲۳۔ علامہ راشد الخیری دہلوی کے صاحبزادے مولانا رزق الخیری نے
ازواجِ مطہراتؓ کے اذکارِ جلیلہ پر ”مسکمانوں کی مائیں“ شائع کردہ
عصمت بکڈپو کراچی میں سیدہ صدیقہؓ کی عمر پندرہ سولہ سال بیان کی ہے۔
۲۴۔ مولانا ظہار الحق نے اپنی تالیف ”معانی قرآن و تاریخ اسلام میں
تحریفات“ کے صفحہ ۱۱۰ پر لکھا ہے کہ میری تحقیق میں حضرت عائشہؓ
کی عمر چھ سال نہیں بلکہ کم و بیش سولہ سال ہے۔

۲۵۔ ملک شیعین صابرا بیتی تالیف ”آخری خطبہ“ کے صفحہ ۵ پر لکھتے ہیں کہ
کہ ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کی عمر بوقت نکاح سولہ سال تھی۔

۲۶۔ حکیم محمد یعقوب اجملی نے اپنی تالیف ”قدم قدم روشنی“ کے صفحہ ۱۵۸ پر احداث المومنین صلوات اللہ علیہم کے متعلق ایک نقشہ دیا ہے اس میں صدیقہ کائنات کی عمر بوقت نکاح چودہ سال تین ماہ اور بوقت رخصتی ۱۸ سال لکھی ہے۔

تسببِ آخر آمد و افسانہ از افسانہ می خیزد

نوسال والی روایت کی صحت پر بخاری کے احترام میں ہم ایمان لے آئے۔ مگر حضرت امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق اس روایت کے ضمن میں کیا اثر ہے جو سیدنا صدیق اکبرؓ اور فاطمہؓ کے سیدہ فاطمہؓ کے نکاح کے پیغام کے متعلق موجود ہے اور جس کے جواب میں نبی علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ تمہاری اور فاطمہؓ کی عمروں میں بڑا تفاوت ہے۔ حالانکہ سیدہ فاطمہؓ کی عمر ۲۵ سال کے لگ بھگ تھی۔ گویا نبی علیہ السلام نے ۲۵ سال کی عمر کی بیٹی بادن یا چالیس سال کی عمر کے اصحاب کے نکاح میں نہ دی اور فرمایا یہ کہ تمہاری اور اس کی عمروں میں بڑا فرق ہے۔ مگر خود چون سال کی عمر میں نوسال کی مرخصی لڑکی کو گھر لے آئے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال میں بیان کئے جاؤ آپ کے اقوال ایک دوسرے کے نقیض کہتے جاؤ یہ یاد نہیں البتہ بخاری یا نسائی نے جو سمجھ و رج فرادیا ہے۔ وہ لاریب ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جس طرح نکاح کے وقت صدیقہ کائناتؓ کی عمر شریف کا نوسال ہونا غلط ہے۔ اسی طرح حضرات شیخین کا سیدہ فاطمہؓ کے لئے خواستگاری کرنا بھی صریحاً غلط ہے۔ بلکہ دوسری بات کے متعلق صحیح تر یہ ہے کہ ان ہر دو بزرگواروں نے سیدنا علیؓ کو تحریک کر کے آمادہ کیا تھا۔ کہ نبیؐ سے فاطمہؓ کی خواستگاری کیجئے حالانکہ حضرت علیؓ اپنی حالت سے بخوبی واقف تھے کہ میں نبی علیہ السلام سے سیدہ فاطمہؓ کی خواستگاری کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔

تیسرا باب

واقعہ انک

مقدمہ :-

ہمارے ہاں قرآنی آیات کے عمومی احکام سے صرف نظر کر کے بعض آیات کے متعلق یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ یہ آیت فلاں واقعہ کے موقع پر نازل ہوئی اور اس حدیث بدعت کو نشان نزول کا نام دیکر قرآنی احکام کی عمومیت کی روح کو فنا کر دیا اور قطعاً سوچنے کی زحمت گوارا نہ کی کہ صورت واقعہ یہی ہے تو لامحالہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ قرآن کا ایک کثیر حصہ صرف مخصوص واقعات کی وجہ سے نازل ہوا۔

امام فراہیؒ نے اس ضمن میں نہایت قیمتی خیالات کا اظہار کیا ہے :
 نشان نزول کا مطلب جیسا کہ بعض لوگوں نے غلطی سے سمجھا ہے یہ نہیں ہے کہ وہ کسی آیت یا سورہ کے نزول کا سبب ہوتا ہے بلکہ اس سے لوگوں کی وہ کیفیت و حالت ہوتی ہے جس پر وہ کلام پر موقوف حادی ہوتا ہے۔
 آگے چل کر علامہ سیوطیؒ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ کسی نے یہ بیان میں لکھا ہے کہ صحابہؓ و تابعینؓ کی یہ عام عادت ہے کہ جب وہ کہتے ہیں کہ فلاں آیت فلاں بارہ میں نازل ہوئی تو اس کا مطلب یہ ہوا کرتا ہے کہ وہ آیت اس حکم پر مشتمل ہے یہ مطلب نہیں ہوتا کہ بعینہ و دیات اس آیت کے نزول کا سبب ہے یہ گویا اس آیت سے ایک قسم کا استدلال ہوتا ہے اس سے مقصود نقل واقعہ نہیں ہوتا۔

آگے چل کر تفسیری ماخذ کے ذیل میں لکھتے ہیں :

اگر احادیث تاریخ اور قدیم صحیفوں میں ظن اور شبہ کو دخل نہ ہوتا تو ہم ان کو فرع کے درجہ میں رکھتے بلکہ سب کی حیثیت اصل کی قرار پاتی۔ اور سب بلا اختلاف ایک دوسرے کی تائید کرتے پس جو شخص قرآن مجید کو سمجھنا چاہتا ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ روایات کے ذخیرہ میں سے ان روایات کو نہ لے جو اصل کو ڈھانے والی ہوں بعض روایتیں

ایسی ہیں کہ اگر ان کی تاویل نہ کی جائے تو ان کی زبردہ راست اصل پر پڑتی ہے اور ان سے سلسلہ نظم و نظام ہم پر ہم ہو جاتا ہے لیکن تعجب کی بات ہے کہ بہت سے لوگ آیت کی تاویل تو کر ڈالتے ہیں لیکن روایت کی تاویل کی جرأت نہیں کرتے بلکہ لمبا اوقات تو صرف آیت کی تاویل پر ہی پس نہیں کرتے بلکہ اس کے نظام کی بھی قطع و برید کر ڈالتے ہیں حالانکہ جب اصل و فرع میں تعارض ہو تو کاٹنے کی چیز فرع ہے نہ کہ اصل گے چل کر لکھتے ہیں۔

ایک اور قابل لحاظ حقیقت یہ ہے کہ قرآن سے جو کچھ ثابت ہو اس میں اور فروع سے جو کچھ معلوم ہو اس میں فرق کرنا چاہیئے دونوں کو خلط ملط نہیں کرنا چاہیئے۔ کیونکہ قرآن میں جو کچھ ہے وہ قطعی ثابت ہے اور فروع میں وہم و گمان کی بہت گنجائش ہے پس اگر کوئی شخص فروع میں سے کسی بات کا منکر ہو تو وہ قرآن کے منکروں کی طرح کوئی نہیں ہو سکتا۔

(مجموعہ تفاسیر قرآنی مقدمہ نظام القرآن)

اب قابل توجہ امر یہ ہے کہ بعض وہ انوال جو قرآنی حقائق اور روح کے خدات ہیں اور روایات کے نام سے بدون ہیں انہیں ہم منسوب الی الرسول کے سوا کیا کہہ سکتے ہیں۔

واقعہ اقلیت بھی اس سلسلہ کی ایک کڑی ہے اگر آپ اپنے ذہن میں یہ سب بلکہ ٹھہرتے ہوئے نظریات سے چند لمحات کے لئے اپنے ذہن کو خالی کر کے ایک سے متعلق بحث کا مطالعہ کریں گے تو انشاء اللہ یقیناً ان شرع صدر سے محروم نہیں رہیں گے۔



سورہ نازعات ۴۰
نیز ارجاء ہے گزری مزارے نام علی
سچا واقعہ افک

”ما فظ ابن کثیر کہتے ہیں۔ اگر یہ روایت بخاری میں ہوتی تو قابل ذکر نہ تھی۔
سورہ نور کی آیات ۱۲ کی سیدھی سادی تفسیر کو چند وضعی احادیث کی روشنی
میں گھسیٹ کر ”صدیقہ کائنات“ کی پاکدامنی کی تائید میں پیش کرنے کی کوشش
کئی ہے۔ بات سمجھا اور تھپی اویںادی گئی کچھ اور۔ سورہ نور کی جن آیات کو کھینچ کر
صدیقہ کائنات کی ذات مطہرہ چسپاں کرتے ہوئے اس قسم کے نتائج اخذ
کرنے کی کوششیں کی گئی ہیں کہ ان آیات نے صدیقہ کائنات کی طہارت پاک
نقدیس اور تزکی کی شہادت دے کر آپ کا مقام بلند کر دیا ہے۔
عقل کے پیدل لوگوں کی ان تاویلات پر سر بیٹھنے کو جی چاہتا ہے۔
سب سے اہم ترین بات قرآن مجید کے لفظ افک میں مضمر ہے۔
افک کے معنی ہیں جھوٹ بولنا، جھوٹ بنانا (تاج) کسی چیز کو الٹ
دینا اور اس کی جہت سے پھردینا۔ مگر ہمارے محدثین اور مفسرین نے اس جھوٹ
پر جو عمارت تعمیر کی ہیں الامان و الحفیظ۔

دوسری بات: قرآن خاموش ہے کہ وہ کون شخصیت تھی جس کے متعلق ان
آیات میں ذکر ہے۔ پھر ان لوگوں کو یہ حق کس نے دیا کہ بلاشبہ
یہاں صریح صدیقہ کائنات کو درمیان میں لایا جائے۔

تیسری بات: بیان کیا جاتا ہے کہ یہ آیات صدیقہ کائنات کی پاک
کی تصدیق میں نازل ہوئی ہیں۔ یہاں کئی سوالات
ہو سکتے ہیں :-

- ا : اگر صدیقہ کائنات کا ہار گم نہ ہوتا تو ان آیات کا نزول نہ
 - ب : سورہ نور کی آیات اگر صدیقہ کائنات کی بریت کے لئے نہ
- ہوئی ہیں تو باقی آیات کا شان نزول کیا ہے ؟ وہ کس کے

میں نازل ہوئی ہیں ۹ اس انک کی زندگی میں صرف سیدہ صدیقہؓ کی ذات مطہرہ ہی نہیں آئی۔ بلکہ تمام صحابہؓ اور صحابہؓ سے بڑھ کر خود حضور خاتم المعصومینؐ کی ذات اقدس بھی آئی ہے۔ گویا اس کذاب داستان گو نے ایک پیر سے کئی شکار کئے ہیں۔ وہ کذاب داستان گو اس داستان سے بہ تاثیر بھی دینا چاہتا تھا کہ گویا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو معاشرہ تشکیل دیا تھا اس میں ہر فرد اس ذمہ دیت کا تھا کہ جہاں تنہائی میں کسی مرد کو کسی عورت سے ملنے کا موقع ملتا وہ گناہ سے باز نہ رہ سکتا۔ بلکہ وہ بات کو آگے بڑھا کر اس طرح حملہ آور ہوتا ہے کہ ماں اور بیٹا بھی ایسے مواقع پر آپس میں چوکنے والے نہیں تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کذاب کے خاندان میں ایسے واقعات رونما ہوتے رہے ہوں گے۔ جن کی وجہ سے وہ بری طرح متاثر تھا۔ اور اسی بناء پر اس کو یہ واقعہ تراشنے میں ذرا ہچکچاہٹ یا تنگی محسوس نہیں ہوتی۔ ایک طرف اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر صدیقؓ کی عزت پر حملہ کیا۔ دوسری طرف اس نے پورے مسلم معاشرہ کے بلند ترین اخلاقی کردار کو مجروح کرنے کی کوشش کی ہے۔ تیسری طرف اس نے نبی علیہ السلام کی ازواج مطہرات کی ذوات قدسیہ کے متعلق یہ تاثر دینے کی کوشش کی کہ وہ ہمیشہ آپس میں الجھتی رہتی تھیں۔

اس کذاب کے مصنف نے انراہیں پھیلانے والوں میں عبداللہ بن ابی رفاعہ بن زید یہودی منافق کے بیٹے زید، مسطح بن اثاثہ، حسان بن ثابت اور ثابت جحش کے نام لکھے ہیں۔ بلکہ بعض نے سیدنا علیؓ کو بھی شامل کیا ہے۔ مگر منراصف تلک کو نلتی ہے۔ باقی کیوں چھوڑ دیئے گئے۔

(الغرض موقع و محل، سیاق و سباق اور ترتیب کلام سے تو آیت کا براہ راست یہ مفہوم ہے کہ جو لوگ اس قسم کے الزامات گھڑ کر اور انہیں تک مریج لگا کر مسلم معاشرے میں بد اخلاقی پھیلانے اور امت مسلمہ کے اخلاق پر دھبہ لگانے کے مرتکب ہوتے ہیں وہ منرا کے مستحق ہیں۔)

ایک اعتراض اور اس کا جواب

ان آیات کا ترجمہ یوں کیا جاتا ہے :

تحقیق جو لوگ کہلائے ہیں طوفان جماعت تمہاری میں سے مت گمان کرو اس کو برا واسطے اپنے۔ بلکہ وہ بہتر سے واسطے تمہارے۔ واسطے ہر شخص کہے ہے ان میں سے جو کچھ کمایا گناہ میں سے اور جو شخص کہ متولی موابرہی بات کا ان میں سے واسطے اس کے عذاب ہے بڑا۔ ○

کیوں نہ جس وقت سنا تم نے اس کو گمان کیا مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں نے آپس میں اچھا۔ اور کیوں نہ کہا انہوں نے یہ طوفان ہے ظاہر کیوں نہیں لائے اور پر اس کے چار گواہ۔ پھر جب نہ لائے شاید تو وہ لوگ اللہ کے ہاں وہی ہیں جھوٹے ○

مفہوم کو سمجھنے کے لئے یہ ترجمہ بوجہ منشاء کلام کے خلاف ہے۔ اور سلسلہ کلام یا سیاق و سباق کے لحاظ سے بھی ان آیات کا مروجہ ترجمہ محل نظر ہے اس لئے کہ یہ آیات بطور ایک قانونی صورت کے نازل ہوئیں نہ کہ بطور ایک واقعہ کے۔ ۱۔ جاعلو۔ صیغہ جمع مذکر غائب ماضی معروف ہے بمعنی وہ آئے۔ ایک کے ساتھ بجا رہنے سے فعل لازم سے متعدی بنا دیا۔ اور ترجمہ یوں ہوا، بے شک جو لوگ بہتان لائے ہیں۔

۲۔ عربی گرامر کے لحاظ سے سیاق و سباق کو مد نظر رکھتے ہوئے آثار و قرائن اور سلسلہ بیان کی روشنی میں فعل ماضی گیارہ مقامات پر مصارع کے معنوں میں آتا ہے :

- ۱۔ عطفت ماضی بزمضارع (۲) مقام ابتداء میں (۳) بعد موصول (۴) بعد ندا
- ۵۔ حیث (۶) کلمات کے الفاظ کے ساتھ (۷) جزا (۸) شرط میں (۹۔۱۰) عطفت بہر دو (۱۱) دعا میں (فصول اکبری)

یہاں صرف اصول ۲ زیر بحث ہے۔ اگر فعل ماضی اسم موصول کے بعد واقع ہو تو آثار و قرائن کے مطابق مضارع بن جاتا ہے۔ ان الذین

جنہ زبلا فکے میں مذہب سمجھو وہ ہے اور اس کے بعد جاء و
فعل ماضی ہے جو قاعدہ کو دے مضارع کے معنی دے گا۔ اس صورت
میں ان الذین جاء و بلا فک کے معنی ہوں گے۔ تحقیق تم میں سے
جو کسی پر بد کاری کا بہتان لگائیں۔

۳۔ قرآن مجید پر گرامر حاکم نہیں۔ بلکہ اہل علم گرامر کے لئے قرآن مجید سے
تائیدی نظائر تلاش کرتے ہیں۔ پھر یہاں جاء و میں یہ تکلف کیسا ہے
۴۔ قرآن مجید میں جہاں بھی نبی علیہ السلام کی ازواج مطہرات کا ذکر آیا ہے
وہاں ینساء النبی، وازواجہ قسم کے کلمات آئے ہیں۔ مگر یہاں
اس قسم کا کوئی قرینہ بھی موجود نہیں۔ پھر سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ذکر بلا وجہ کیا ہے
سیاق و سباق اور قانونی صورت کو واضح کرنے کے لئے ان آیات
کا مفہوم یوں ہوگا۔

تحقیق تمہاری جماعت سے جو لوگ طوفان لائیں۔ اسے اپنے لئے بُرا
گمان نہ کرو بلکہ وہ تمہارے لئے بہتر ہے ہر آدمی کے لئے وہی کچھ ہے جو اس
نے کمایا۔ اور ان میں سے بُری بات کا لانے والا سخت عذاب کا مستحق ہے۔
جب تم ایسی بات سنو تو مومن مرد اور عورتیں کیوں اپنے دل میں نیک
گمان نہ کریں اور رکیوں نہ کہیں کہ یہ صریح طوفان ہے۔

یہ رافتر اہر داتہ اپنی بات (کی تصدیق) کے لئے چار گواہ کیوں نہ
لائیں تو جب یہ گواہ نہ لاسکیں تو خدا کے نزدیک یہی جھوٹے ہیں۔

آگے تثنیویں آیت ان الذین یرمون المحصنات الغفلت الخ
نے یہ معنی صاف کر دیا ہے۔ یعنی یہاں پھر مضارع کے صیغے استعمال ہوئے
ہیں۔ یعنی تحقیق جو لوگ پاک دامن عورتوں کو تہمت لگاتے ہیں۔

اب پھر ایک بار اس بات پر غور کیجئے۔ ابتداء میں بھی مضارع کے
صیغے ہیں اور بعد میں بھی مضارع کے۔ مگر درمیانی آیات کا ترجمہ ماضی کے
صیغوں میں کرنے کا مقصد قرآن مجید کے طرز بیان اور طرز استدلال کو نہ سمجھنے
کے نتیجہ کے ساتھ اس کا احاسک کرنا ہے۔

سُورہ نور میں جنسی بے راہ روی کے تمام گوشے بے نقاب کرتے ہوئے تکسین کے لئے تعزیرات کی وضاحت کی گئی ہے اس سے پہلے سورہ احزاب میں معاشرتی اصلاح کے متعلق چند ہدایات دی گئی تھیں۔ اب سورہ نور میں تفصیلی بحث ہے۔

۱۔ زنا اور اس کی سزا

۲۔ بدکار مردوں اور عورتوں سے معاشرتی مقاطع۔

۳۔ زنا کا الزام لگانے والا اگر ثبوت پیش نہ کرے تو اس کی سزا۔

۴۔ شوہر کا بیوی پر نعمت لگانا۔

۵۔ انک

۶۔ بے ہودہ خبروں سے معاشرے میں فواحش کو راج دینا۔

۷۔ مسلم معاشرے میں اجتماعی تعلقات میں حسن ظن

۸۔ کسی کے گھر میں بے تکلف داخل نہ ہونا۔

۹۔ عورتوں اور مردوں کے لئے غصق بصر

۱۰۔ عورتیں گھروں میں بھی سر اور سینہ ڈھانپ کر رکھیں۔

۱۱۔ عورتیں غیر مردوں کے سامنے بن سنور کرنے نکلیں۔

۱۲۔ باہر نکلیں تو اپنی زینت کو چھپا کر نکلیں۔

۱۳۔ عورتیں اور مرد بن بیاہے نہ رہیں۔

۱۴۔ غلاموں اور لونڈیوں کے لئے مکاتبت کی آسانی

۱۵۔ لونڈیوں سے کسب کرانے کی ممانعت۔

۱۶۔ گھر بے معاشرت کے آداب۔

۱۷۔ بوڑھی عورتوں کے لئے حکم

۱۸۔ اندھا، لولہ، لنگڑا ضرورت کے وقت کسی کے گھر سے بلا اجازت کھا لے

۱۹۔ قریبی عزیز اور بے تکلف دوست ایک دوسرے کے گھر سے بلا اجازت کھا سکتے ہیں۔

یہ کم و بیش انیس دفعات ہیں۔ پانچویں دفعہ کے متعلق تو محدثین اور مفسرین

کے مابین ایک واقعہ سرکاری ہے۔ یہاں سے غلط فہمی سے بچنا چاہیے۔ اگر حضرت صدیق

ہر گم نہ ہوتا تو اس آیت کا نزول نہ ہوتا۔ گم نہ ہو چکا گیا کہ باقی آیات
بلاوجہ نازل ہو گئیں۔ صرف انک کی آیت کے نزول کے لئے سیدہ صدیقہؓ
ضرورت کیوں محسوس ہوئی۔ اور اگر باقی آیات کا نشان نزول بھی کوئی
ہے تو بتلایا جائے کہ

- ۱۔ کس کے ارتکابِ زنا پر زنا کے متعلق حکم نازل ہوا۔
- ۲۔ کس بدکار مرد یا عورت نے بدکاری کا ارتکاب کیا۔ تو
یہ حکم نازل ہوا۔

۳۔ کس نے کس پر زنا کی نہمت لگائی تو اس کی سزا دہی
کے لئے یہ ارشاد نازل ہوا۔

۴۔ کس شوہر نے اپنی بیوی پر زنا کی نہمت لگائی تو قرآن کی یہ آیت
نازل ہوئی۔ وفس علی هذا

اس ضمن میں تمام ذخیرہ احادیث خاموش اور تمام تفاسیر ساکت صامت
ہیں۔ حقیقت صرف اس قدر ہے کہ اس تمام سورت میں اسلامی نظام معاشرت
کے متعلق ایسی تعلیمات وارد ہوئی ہیں جو مسلمانوں کی اخلاقی اور اجتماعی زندگی کے
لئے اساس و بنیاد کی حیثیت رکھتی ہیں۔

سورہ نور کے نزول کا زمانہ : سورہ احزاب کے ستمیہ جینے بعد نازل ہوئی۔
سورہ نور سورہ بقرہ کے نصف آخر میں

سراوۃ حدیث

حدثنا عبد العزيز بن عبد الله - حدثنا ابراهيم بن سعد
عن صالح عن شهاب قال حدثنا عروة بن الزبير وسعيد بن الحبيب
وعلقمة بن وقاص وعبيد الله بن عبد الله وكلهم حدثوا طائفة
من حديثها وبعضهم كان ادعى لحدیثها من بعض واثبت لداقصالها
وقد وعيت عن كل رجل منهم الحديث الذي عن عائشة وبعض
حدیثهم یصدق بعضاوان كان بعضهم ادعى لنا من بعض -

نفس حدیث:

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہؐ جب سفر کا ارادہ فرماتے تھے۔
 ۱۔ اپنی بیٹیوں میں قرعہ ڈالتے تھے جس کا نام قرعہ میں نکلتا تھا اُسے
 اپنے ساتھ لے جاتے تھے۔

۲۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں ایک لڑائی میں جو رسول اللہؐ نے قرعہ
 ڈالا اس میں میرا نام نکل آیا۔ میں آپؐ کے ساتھ نکلی۔ اور یہ موقع
 آیت پردہ کے اُترنے کے بعد کا ہے۔

۳۔ مجھے ہودج میں بٹھا کر اتارتے چڑھاتے۔ جب رسول اللہؐ لڑائی
 سے فارغ ہوئے اور واپس آئے

۴۔ اور ہم مدینہ کے قریب تھے رات کو رسول اللہؐ نے چلنے کا حکم دیا۔

۵۔ جب چلنے کی خبر ہوئی میں یاخانہ پیشاب کے واسطے روانہ ہوئی
 اور لشکر سے دور نکل گئی۔ جب میں فارغ ہوئی اپنی سواری کے
 پاس آئی۔ میں نے اپنے سینے پر ہاتھ ڈالا۔

۶۔ تو کیا دیکھتی ہوں کہ میرا ہار جو خروٹیمتی کا تھا ٹوٹ گیا اور کہیں
 گر پڑا۔ میں واپس آئی اور اپنا ہار ڈھونڈنے لگی۔ اس کے
 ڈھونڈنے میں مجھے دیر ہو گئی۔

۷۔ جو لوگ مجھے سوار کراتے تھے انہوں نے ہودج اٹھا کر اونٹ پر
 رکھ دیا۔ اور ان کا یہ خیال تھا کہ میں ہودج میں بیٹھ گئی ہوں۔ اس
 وقت کی عورتیں ہلکی پھلکی ہوتی تھیں اور ان پر گوشت بہت کم ہونا
 تھا۔ کیونکہ کھانا بہت کم کھاتی تھیں۔ اسی واسطے انہوں نے ہودج
 اٹھاتے وقت ہلکانہ جانا اور اسے اونٹ پر رکھ دیا۔

۸۔ اس وقت میں بہت کم سن تھی۔ وہ سب اونٹ کو لے کر حل دیئے۔
 میں نے اپنا ہار لشکر روانہ ہونے کے بعد پایا۔ میں لشکر کی جگہ آئی
 تو وہاں کوئی جواب و سوال کرنے والا نہ تھا۔

۹۔ میں اپنی جگہ پر اس خیال سے بیٹھ گئی کہ جب سب کو میرا گم ہونا معلوم ہوگا تو مجھے ڈھونڈنے ضرور آئیں گے۔

۱۰۔ اسی طرح میں اپنی جگہ بیٹھی تھی مجھے نیند آنے لگی اور میں سو گئی۔

۱۱۔ صفوان بن معطل سلمیٰ جو بعد کوز کو انی مشہور ہو گیا تھا تشکر کے پیچھے رہتا تھا زنا کہ گری پڑی چیز کو اٹھا لائے۔ (۱) وہ صبح کو میرے قریب پہنچا۔

۱۲۔ اور سوتے آدمی کا سایہ دیکھا۔ مجھے دیکھتے ہی پہچان لیا۔ کیونکہ اس نے پڑے سے پہلے مجھے دیکھا تھا۔

۱۳۔ اُس نے انا اللہ وانا الیہ راجعون پڑھا۔ میں اس کے انا اللہ پڑھنے سے بیدار ہو گئی۔ اور اپنی چادر سے منہ چھپا لیا۔ بخدا ہم نے کوئی بات نہ کی۔ اور میں نے اس سے بجز استرجاع کے کوئی اور بات نہ کہی۔

صفوان نے اتر کر اپنی سواری کو بٹھا کر اس کے ہاتھ پاؤں باندھ دیے میں اٹھ کر اس پر سوار ہو گئی۔ صفوان اونٹ کو کھینچتا چلا۔

۱۴۔ اور ہم شدت کی گرمی میں بوقت دوپہر لشکر میں پہنچے۔ وہ سب کھڑے ہوئے تھے۔

۱۵۔ ان میں سے بخسے ہلاک ہونا تھا زہمت لگا کر ہلاک ہوا اور جو شخص بڑا ترکب اس بہتان کا ہے وہ عبد اللہ بن ابی بن سلول ہے۔ جس نے صفوان کے ساتھ مجھے زہمت لگائی۔

خیر ہم لوگ مدینہ پہنچے اور میں ایک عیبتہ تک بیمار رہی۔ زہمت لگانے والوں کی باتیں لوگوں میں پھیلتی رہیں۔ مجھے اپنی بیماری کی حالت میں ترکب پیدا ہوا کہ نبی اس طرح پیش نہیں آتے جس طرح اس سے قبل بیماری کی حالت میں پیش آیا کرتے تھے۔ اب تو صرف تشریف لائے سلام کرتے پھر پوچھتے تو کیسی ہے (پھر چلے جاتے) مجھے اس کی (یعنی بہتان کی) بالکل خبر نہ تھی۔ ایک رات میں اور مسطح کی ماں

مینا صبح کی طرف ارفع حاجت کے لئے نکلیں۔ ہم لوگ رات کو ہی جایا کرتے تھے۔ ہم دونوں چلے جا رہے تھے کہ ام مسطحہؓ اپنی چادر میں پھنس کر گر پڑی۔ اور کہا مسطحہ ہلاک ہو جائے۔ میں نے اس سے کہا تو نے بہت بڑی بات کہی۔ ایسے آدمی کو بڑا کمٹی ہے جو بدر میں شریک ہوا۔ اس نے کہا اے بی بی! کیا تم نے وہ نہیں سنا جو لوگ کہتے ہیں۔

۱۷۔ اور اس نے مجھے اسے نعمت لگانے والوں کی بات بیان کی جب میں اپنے گھر آئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا تو کیسی ہے میں نے عرض کیا۔ مجھے اپنے والدین کے گھر جانے کی اجازت دیجئے میرا مقصد یہ تھا کہ اس خبر سے متعلق ان سے جا کر تحقیق کروں!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت سے دی۔ میں اپنے والدین کے پاس آئی۔ تو میں نے اپنی والدہ سے پوچھا کہ لوگ کیا بیان کر رہے ہیں؟ انہوں نے کہا بیٹی تو ایسی باتوں کی پیروا نہ کر جو عورت حسینہ اور اس کے شوہر کو اس سے محبت ہو۔

۱۸۔ اور اس کی سوکنیں ہوں تو اس قسم کی باتیں ہوا ہی کرتی ہیں۔ میں نے کہا سبحان اللہ! اس قسم کی باتیں سوکنوں نے تو نہیں کیں، ایسی بات تو لوگوں میں مشہور ہو رہی ہے۔ میں نے وہ رات اس حالت میں گزاری کہ میرے آنسو کھتے نہ تھے اور نہ مجھے نیند آئی۔

۱۹۔ پھر صبح ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علی بن ابی طالب اور اسامہ بن زیدؓ کو جب وحی اترنے میں دیر ہو گئی تو بلایا۔

۲۰۔ اور اپنی بیوی کو جدا کرنے کے متعلق ان دونوں سے مشورہ کرنے لگے۔

۲۱۔ اسامہؓ چونکہ جانتے تھے کہ آپ کو اپنی بیویوں سے محبت ہے اس لئے انہوں نے ویسا ہی مشورہ دیا اور کہا یا رسول اللہ! میں آپ کی بیویوں میں بھلائی ہی جانتا ہوں۔

۲۲۔ لیکن علی بن ابی طالب نے عرض کیا یا رسول اللہ صلعم آپ پر تنگی نہیں

ان کے علاوہ عورتیں بہت ہیں اور لوٹدی بربرہ سے دریافت کیجئے وہ
آپ سے سچ سچ بیان کرے گی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بربرہ کو بلایا
اور فرمایا اسے بربرہ رضما کیا تو نے عائشہؓ میں کوئی ایسی بات دیکھی ہے
جو تجھے شبہ میں ڈال دے۔ بربرہؓ نے عرض کیا اس ذات کی قسم جس نے
آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے میں نے ان میں کوئی ایسی بات نہیں دیکھی
جو عیب کی ہو بجز اس کے کہ وہ کمسن ہیں گوندھا ہوا آٹا چھوڑ کر سو جاتی
ہیں اور بکری آکر کھا جاتی ہے۔

۲۳۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی دن خطبہ دینے کھڑے ہو گئے اور عبد اللہ بن ابی
کے مقابلے میں مدد طلب کی۔ آپؐ نے فرمایا کون ہے جو میری مدد کرے
اس شخص کے مقابلے میں جس نے مجھے میرے گھر والوں کے متعلق اذیت
دی۔ حالانکہ خدا میں اپنے گھر والوں میں بھلائی ہی دیکھتا ہوں اور جس
مرد کے ساتھ شمت لگائی اس میں بھی بھلائی ہی دیکھتا ہوں۔

۲۴۔ یہ سن کر قبیلہ اوس کے سردار (مورین معاذ کھڑے ہوئے اور عرض
کیا یا رسول اللہؐ میں آپ کی مدد کے لئے تیار ہوں۔ اگر وہ شخص قبیلہ
اوس کا ہے تو میں اس کی گردن اڑا دوں گا اور اگر وہ ہمارے بھائی خزیج
قبیلہ کا ہے تو آپ جیسا حکم دیں۔ تاکہ اس پر عمل کروں۔ یہ سن کر قبیلہ
خزیج کے سردار (مورین عبادہ کھڑے ہوئے اور کہا خدا کی قسم نہ تو اسے
مار سکے گا اور نہ تو اس کے قتل پر قادر ہے۔ پھر اسید بن حصیر کھڑے ہوئے
اور کہا تو بھوٹ کہتا ہے۔ خدا کی قسم ہم اسے قتل کریں گے تو منافق ہے
اور منافقوں کی طرف سے جھگڑا کرتا ہے۔

۲۵۔ اوس اور خزیج دونوں قبیلے ابھر گئے یہاں تک کہ وہ لوگ خاموش
ہو گئے۔ آپ بھی خاموش ہو گئے۔ اور میں سارا دن روتی رہی۔ صبح کو میرے
والدین میرے پاس آ گئے۔ وہ دونوں بیٹھے ہوئے تھے۔ اور میں سو
رہی تھی۔

۲۶۔ اتنے میں ایک انصاری عورت نے اندر آنے کی اجازت طلب کی۔

اور میرے ساتھ رہنے لگی۔

ہم اس حال میں تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور بیٹھ گئے حالانکہ اس سے پہلے جب سے میرے متعلق اہمیت لگائی گئی تھی۔ میں بیٹھ تھے۔ ایک مہینہ تک انتظار کرتے رہے۔ لیکن میری شان میں کوئی وحی نازل نہیں ہوئی۔ آپ نے تشہد پڑھا پھر فرمایا اے عائشہ! تمہارے متعلق مجھے ایسی ایسی خبر ملی ہے اگر تو بڑی ہے تو اللہ تعالیٰ تیری پاکیزگی ظاہر کر دیگا۔

۲۷۔ اور اگر تو اس میں مبتلا ہو گئی ہے تو اللہ سے مغفرت طلب کر۔ اور توبہ کر اس لئے کہ جب بندہ اپنے گناہوں کا اقرار کرتا ہے پھر توبہ کر لیتا ہے تو اللہ اس کی توبہ قبول کر لیتا ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی گفتگو ختم کی تو میں نے اپنے والد سے کہا کہ میری طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جواب دیجئے انہوں نے کہا بخدا میں نہیں جانتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا جواب دوں۔ پھر میں نے اپنی ماں سے کہا کہ میری طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جواب دیجئے۔ انہوں نے بھی کہا بخدا میں نہیں جانتی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا جواب دوں؟

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں کس نہ تھی۔ میں نے عرض کیا کہ بخدا میں جانتی ہوں کہ آپ نے وہ چیز سن لی ہے۔ جو لوگوں میں مشہور ہے اور آپ نے اس کو سچ سمجھ لیا ہے۔ اگر میں یہ کہوں کہ میں بری ہوں تو آپ میری بات کو سچا نہ جانیں گے۔ اور اگر میں کسی بات کا اقرار کروں۔۔۔۔۔ تو آپ مجھے سچا سمجھیں گے۔ پھر میں نے بہتر پر کھڑکھڑا کر دیا۔ مجھے امید تھی کہ اللہ تعالیٰ میری پاکدامنی ظاہر کر دے گا۔ پھر خدا کی قسم آپ اس جگہ سے مٹے بھی نہ تھے اور نہ گھر والوں سے کوئی باہر گیا تھا کہ آپ پر وحی نازل ہونے لگی آپ پر وحی کیفیت طاری ہو گئی جو نزول وحی کے وقت ہوا کرتی تھی۔

۲۸۔ سردی کے دن میں بھی آپ کے چہرے سے پسینہ موتیوں کی طرح

ہنے لگا۔ جب رسول اللہ سے یہ کیفیت دُور ہوئی تو ہنسنے لگے اور
 اور پہلا کلمہ جو آپ کے منہ سے نکلا وہ یہ ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا شکر
 ادا کرو کہ اس نے تمہاری پاکدامنی بیان کر دی۔ مجھ سے بھری ماں نے
 کہا کہ رسول اللہ کے سامنے کھڑی ہو جائے میں نے کہا خدا کی قسم میں
 نہ کھڑی ہوں گی۔ اور صرف اللہ کا شکر ادا کروں گی۔ پھر اللہ تعالیٰ
 نے یہ آیت نازل فرمائی۔

غاری کی دوسری حدیث جس کی آڑ میں انک کی وایت نشی گئی

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 کے ہمراہ تھے۔ یہاں تک کہ بیدار میں ذات الجیش پہنچے تو میرا ہار ٹوٹ کر گر
 یا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ڈھونڈنے کے لئے قیام
 دیا۔ اور لوگ بھی ہمارے ساتھ ٹھہر گئے۔ اس مقام پر کہیں پانی نہ تھا۔
 بذا لوگ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس گئے۔ اور کہا کہ آپ یہاں دیکھتے کہ عائشہ رضی
 اللہ عنہا کیا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سب لوگوں کو ٹھہرا لیا۔ اور ان کے ہمراہ پانی
 میں ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مجھ پر غصہ کیا اور جو کچھ
 اللہ نے چاہا کہ کہیں وہ انہوں نے کہا۔ اور اپنے ہاتھ سے میرے کولے
 بٹھو کا دیا۔ تو چونکہ میرے زانو پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سر تھا اس کے سوا
 ساری بات نے مجھ کو حرکت کرنے سے نہ روکا۔

پھر صبح کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے بے پانی کے مقام پر۔ تو اللہ بزرگ
 غالب نے نبیم کی آیت نازل فرمائی۔ تو اسٹیلین حذیر نے کہا کہ اے آل ابوبکر!
 یہ تمہاری کوئی پہلی برکت نہیں ہے۔ یعنی تمہاری وجہ سے اس سے پہلے بھی
 اللہ تعالیٰ کئی برکتیں نازل کر چکا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں جس
 اونٹ پر تھی جب وہ اٹھایا گیا تو اس کے نیچے سے بارش نازل ہوئی۔

باقی مباحث پر تو بعد میں نظر ڈالی جائے گی۔ ان دونوں روایات میں قدر مشترک

ہا رہے۔ آخر ہر دو واقعات میں ہار کا ذکر ہی کیوں؟ ایک اور بات صدیقہ کائنات
ہار کے متعلق فرماتی ہیں: کانت فی حنقی عقد من جزع ظفار کانت
احی ا دخلتتی بید علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری گردن
میں جزع ظفار کا ہار تھا جو میری ماں نے پہنا کر مجھے رسول اللہ کی خدمت میں
بھیجا تھا۔ یعنی یہ ہار آپ کو جہیز میں ملا تھا (فتح الباری صفحہ ۱۹-۲۶۶)

اس روایت میں سب کے سب راوی ثقہ اور حجت ہیں سیدہ کائنات رضی
اللہ عنہا ایک واقعہ بیان فرماتی ہیں۔ مگر اس واقعہ سے وہ اپنی ذات کے متعلق تاثر نہیں
دینا نہیں چاہتیں بلکہ اس کے بیان سے آپ کا مقصود ”تمیم“ کی حقیقت
بیان کرنا تھا کہ تمیم کا حکم کب نازل ہوا۔ اور کن حالات میں نازل ہوا؟ اسی
لئے اس سفر کا ذکر بھی نہ فرمایا۔ بلکہ صرف اس مقام کا نام لیا کہ بیدار تھا یا
ذات الجیش۔ بیدار ذوالحلیفہ کے آگے ایک بلند مقام تھا اور مکہ کے راستہ
میں پڑتا تھا۔ اور ذات الجیش مدینہ کے قریب ذوالحلیفہ کے اس پار
واقع ہے۔ اس کے متعلق محدثین اور محققین کے مختلف اقوال ہیں۔ مگر
اس بات پر اکثر کا اتفاق ہے یعنی یہ سفر غزوہ بنی المصطلق یعنی غزوہ
بنی مرہبہ کا تھا۔ سید سلیمان ندویؒ نے بھی سیرت عائشہؓ کے صفحہ
۴۴-۴۵ پر اس واقعہ کو انک کے ساتھ غزوہ بنی المصطلق کا ہی واقعہ لکھا ہے۔
سیدہ صدیقہ کائنات رضی اللہ عنہا کے ارشاد سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ ہار
منگنی کا نہیں تھا بلکہ آپ کو جہیز میں ملا تھا۔ یہ بات سیدہ صدیقہ کائنات رضی
اللہ عنہا کی اہل العزمی منصبی خود داری اور غیرت و حیاداری کے خلاف تھی کہ وہ نبی علیہ السلام
کے ساتھ ایک غزوہ میں جائیں جس کا صاف مطلب زخمیوں کی مرہم پیٹی اور
بیماروں کی تیمارداری تھا۔ مانگے کا ہار پہن کر جاتیں۔ مگر کیا کسی
پکتنک پر تشریف لے جا رہی تھیں۔

فتح الباری صفحہ ۱۹-۲۶۶ پر ہار کے متعلق لکھا ہے کہ جہیز کا تھا
مگر حدیث انک کے وضاعین سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر اس رخ سے بھی حملہ کرنا چاہتے
تھے کہ آپ اس قدر دنی الطبع، دون مہمت اور حرص و ہوا کی اسیر تھیں کہ ایک

غزوہ پر جاتے ہوئے مانگے کے ہار بغیر نہ رد سکیں۔
 ہمارے کو ذرا مشترک جانتے ہوئے ایک کی روایت پر غور کیا جائے تو
 صاف نظر آئے گا کہ یہ طویل داستان بالکل من گھڑت ہے۔ اس داستان کے
 خالق نے نہایت ہوشیاری سے ”ہار“ کے گرد گھومتے والی ایک داستان
 تخلیق کی اور پھر بڑی چابک دستی سے اس کا سلسلہ رواۃ صدیقہ کائنات
 تک پہنچا دیا ہے۔ وہ اپنے مقصد میں کس حد تک کامیاب ہوا اس کا اندازہ
 ہماری سیرت کی کتابوں کی ورق گردانی سے بخوبی ہو سکتا ہے۔

ایک سچا مسلمان جس کے سامنے ”استن کا حد من النساء“ کی سند
 ہو جس کی آنکھوں کے سامنے سے ہار یا بطہر کہ تظہیر اے کے کلمات
 مقدس گزر چکے ہوں جس کے قلب و روح کی ہپناٹیوں میں دوزخ جہنم
 اہمیت ہم کی گونج پہنچ چکی ہو۔ جو نبی علیہ السلام کی طرف یہ خطاب سن
 چکا ہو کہ ولان تبدل بہن من ازواج دلو عجیبات حسنہن کہ اے
 نبی آپ بھی اب اور نکاح نہیں کر سکتے اگرچہ آپ کو وہ ان کا حسن پسند بھی
 ہو دوزخ و مطہرات صلوٰۃ اللہ علیہم اجمعین کی شان اقدس میں لوح محفوظ
 میں مرقوم ازلی وابدی شہادتیں ہیں۔ اسی لئے نبی علیہ السلام کی ازواج مطہرات
 کی شان میں گستاخی کے مرتکبین کو ملعونین ایما تقفوا اخذوا وقتلوا
 تقتیلوا وہ ملعون ہیں تم انہیں جہاں بھی پادیکڑ و اوران کی گردن مارو۔ یعنی
 دوزخ و مطہرات کے گستاخ واجب القتل ہیں۔ کیا اس کے بعد صدیقہ کائنات
 کی ذات اقدس کے متعلق اس قسم کے بے سرو پا واقعات کو منسوب کر کے
 صفائی پیش کرنے والے واجب القتل نہیں۔ اگر سورہ نور کی اس آیت کا
 نزول ضرور کسی وجہ کا ہی منتظر تھا تو ایک منکر حدیث کہہ سکتا ہے کہ وہ صدیقہ کائنات
 نہ تھیں۔ بلکہ سیدہ فاطمہؓ تھیں تو فرمائیے اس کے مطمئن کرنے کے لئے آپ کے
 پاس کیا ثبوت ہے؟

ان محدثین، ان شارحین حدیث، ان سیرت نویس اور ان مفسرین کی تقلیدی
 ذمہ داری برائے کرنے کو ہی جانتا ہے جو اتنی بات کا تجربہ یا تحقیق کرنے سے بھی

عاری تھے کہ یہ واقعہ سب سے ہی غلط ہے لیکن اس دینی و تحقیقی حرأت کے فقدان سے ہزاروں ایسے پیدا کئے اور پیدا ہوتے رہیں گے۔ ہمارے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اپنی صحیح بخاری میں جو کچھ درج فرما دیا وہ صحیح اور لایب ہے خواہ اس سے اللہ کی الوہیت، انبیاء کرام کی عصمت، ازواج مطہرات کی طہارت کی فضائے لبر میں دھجیاں بکھرتی چلی جائیں۔ کیا یہ امام بخاری کی اسی طرح تقلید جاہل نہیں جس طرح مقلدین، ائمہ اربعہ کی تقلید کرتے ہیں۔

اب چند لمحات کے لئے میرے ساتھ روایت انکب کی وضعی داستان کی طرف توجہ کیجئے اور یہ بھی ذہن میں رکھیئے کہ ولا یحقی ان لجرح مقدم علی التعديل۔ جرح تعدیل سے مقدم ہے۔ (ترمذی کا حاشیہ جلد ۱ صفحہ ۱۱)

امام بخاریؒ سے یہ فیصلہ بھی نہ ہو سکا۔ چنانچہ آپ لکھتے ہیں کہ بقول ابن اسحاق ۱۔ میں غزوہ بنی مصطلق یا غزوہ مرسیع ہوا۔

پھر لکھتے ہیں بقول موسیٰ بن عقبہ ۴۔ میں ہوا مگر امام صاحب یہاں بھی بھول گئے کہ موسیٰ بن عقبہ نے ۴۔ نہیں ۵۔ ہجری لکھا ہے۔ ابن حجر فتح الباری میں امام بخاری کا قول ۴۔ نقل کرتے ہیں۔

غزوہ احزاب ۵۔ میں ہوا۔ چونکہ غزوہ بنو مصطلق غزوہ احزاب سے تقریباً ایک مہینہ بعد ہوا۔ لہذا امام بخاریؒ نے غزوہ احزاب بھی ۴۔ میں لکھ دیا۔ سورہ احزاب کا نزول غزوہ احزاب کے بعد ہوا یعنی ۵۔ کے اواخر یا پھر پوری کے شروع میں۔

دراصل امام بخاریؒ میرے نزدیک اس روایت کے معاملہ میں مرفوع القلم ہیں۔ داستان گو کی چابکدستی کے سامنے امام بخاریؒ کی احادیث کے متعلق تمام جھان بن دھری کی دھری رہ گئی۔ ذرا آگے چلئے کتاب المغازی میں غزوہ بنی مصطلق کے متعلق تمام حدیثیں نقل کرنے کے بعد غزوہ انمار کا نیا باب قائم کرتے ہیں۔ اور اس میں صرف ایک حدیث نقل کرنے کے بعد پھر ایک نیا باب قائم کر کے حدیث انکب بیان کرتے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ واقعہ انکب کا تعلق غزوہ بنی مصطلق سے نہیں بلکہ غزوہ انمار سے ہے۔ دراصل ہمارے متعلق واقعہ غزوہ

مصطلق بالغز وہ ربیع کا ہے جیسا کہ تنہم کی حدیث میں بیان کیا جا چکا ہے۔
 لغہ انک کی روایت تو سالوں بعد جا کر وضع کی گئی اور امام بخاری سبائی مہت
 س عبارت کو سمجھ ہی نہ سکے۔ اسی لئے حافظ ابن حجر نے باب غزوہ بنو مصطلق
 باب حدیث الافک کے درمیان سے باب غزوہ انمار کو اپنی شرح سے
 خارج کر دیا۔

اب روایت حدیث کی طرف آئیے۔ امام بخاری نے ابن اسحق المتوفی ۱۵۱ھ
 قول ۶ھ بیان کیا ہے۔

یہ ابن اسحق وہ ذات شریف ہوئے ہیں جن کے متعلق امام مالک کہتے ہیں کہ
 مال من الدجال جالۃ وہ دجالوں میں سے ایک دجال تھا۔ سلیمان النبی، یحییٰ
 معبد القطان اور وہیب بن خالد اُسے کذاب کہتے ہیں۔ اکثر ائمہ حدیث نے
 حنا قابل حجت قرار دیا ہے ابن اسحاق مدنی تھا مگر مدینہ سے نکل کر کوفہ، جزیرہ
 سے سے گھومتا ہوا بغداد مقیم ہو گیا مشہور راوی رضی مفسر اور مورخ ابن جریر
 ہی اسی کا خوشہ چین ہے۔

ابن شہاب، غزوہ بن الزبیر، معبد بن المسیب، علقمہ بن الوقاص، عبد اللہ
 عبد اللہ بن غنیمہ بن مسعود سے روایت کرتے ہیں مگر یہ چاروں پوری حدیث
 منفق اللفظ نہیں۔ ان میں سے ہر ایک نے کچھ حصہ بیان کیا۔ ابن شہاب
 بیان ہے کہ میں نے ان میں سے ہر ایک سے کچھ حصہ محفوظ کر لیا۔ جس کو اس نے
 عائشہ سے روایت کیا۔

غرض ابن شہاب سے جو پوری حدیث روایت ہے وہ کسی ایک روایت نہیں
 چار راویوں کے مختلف کلام کا مجموعہ ہے۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ یہی
 رگزار پوری حدیث کے مولف ہیں۔

ابن شہاب منافقین و کذابین کے دائرہ نہ ہی نادانستہ ہی مستقل نہ
 بٹھے اکثر گمراہ کن، خبیث اور کمزور روایتیں انہیں کی طرف منسوب ہیں۔
 نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک طالبِ علم وادہ کے متعلق کہہ ان کا نام
 بدالعزیز تھا کیا اس کے خالوں بھی ایسی ذات شریف تھے۔

یہی حضرت اس روایت کے خالق ہیں کہ نبی علیہ السلام کی وفات کے وقت قرآن مجید کسی چیز پر لکھا ہوا نہیں تھا۔ سورہ نجم کی تلاوت کے وقت تِلْكَ الْغُرَانِيقُ الْعَلٰی کے خالق بھی یہی ہیں کہ نبی علیہ السلام کی زبان پر یہ کلمات جاری ہوئے تھے۔

ان کی گمراہ کن روایتوں میں ان کے ساتھی کو فی اور بصری تھے محمد بن اسحاق جس کے متعلق امام مالک کا قول نقل کیا گیا ہے ابن شہاب کے گروہ کا فرد تھا۔ ابن شہاب کے متعلق یہ بھی منقول ہے کہ وہ ایسے لوگوں سے بھی بلا واسطہ روایت کرتا تھا جو اس کی ولادت سے پہلے مر چکے تھے۔

مشہور مشیعہ مولف شیخ عباس قمی کہتا ہے کہ ابن شہاب پہلے سنی تھا۔ پھر شیعہ ہو گیا۔ (تملک المثنیٰ صفحہ ۱۲۸) بنی الغزال فی اسماء الرجال میں بھی ابن شہاب کو شیعہ ہی کہا گیا ہے۔

محمد اسحق کی روایت کے مطابق غزوہ بنی المصطلق شعبان ۶ھ میں وقوع پذیر ہوا۔ ابن حزم اور ابن قیم اور بعض دوسرے محققین نے ابن اسحاق کی روایت کو بھی صحیح قرار دیا ہے۔ ہم روایت مذکورہ میں دیکھتے ہیں کہ نبی علیہ السلام کے اس ارشاد پر کہ کون اس معاملہ میں میری مدد کرتا ہے، حضرت سعد بن معاذ اور حضرت سعد بن عبادہ آپس میں اُچھڑ پڑنے لگے۔ یہ داستان کو اس بات کو بھول گیا کہ سیدنا سعد بن معاذ غزوہ بنی قریظہ کے متصلاً بعد انتقال کر گئے تھے اور غزوہ بنی قریظہ ۵ھ میں وقوع پذیر ہوا تھا۔ گویا سعد بن معاذ مرنے سے ایک سال بعد پھر مسجد نبوی میں پہنچ کر سعد بن عبادہ سے اُلجھتے ہیں۔

اس کذاب داستان کو کی نسبت اس کا دوسرا روحانی بھائی کچھ زیادہ سمجھدار نظر آتا ہے جس نے سعد بن معاذؓ کے ساتھ اسید بن حضیر کا نام لکھ کر اس کذب کا وزن ہلکا کرنے کی کوشش کی ہے۔

اب متن حدیث کی مختلف دفعات پر غور کیجئے:

۱۔ نبی علیہ السلام جب سفر کا ارادہ فرماتے تھے تو اپنی بیبیوں میں قرعہ ڈالتے تھے کہ اس سے اندازی کی تک کا کسی اور حدیث میں بھی ذکر

ہے یا اس کی پیدائش اور موت اسی ایک روایت کے ساتھ متحقق ہو کر رہ گئی ہے اور پھر یہ عجیب حسن اتفاق ہے کہ قرعہ اندازی میں ہر بار حضرت صدیقہ کا ہی نام نکلتا ہے یعنی ہر بار وہی سفر میں ہمراہ ہوتی ہیں۔ ہمیں تمام ذخیرہ سیرت میں امہات المؤمنین میں سے کسی اور کا نام سوائے حج کے کہیں نظر نہیں آتا۔

۲۔ ایک لڑائی کی بھی اچھی رہی۔ گویا حضرت صدیقہؓ کئی لڑائیوں میں شامل رہ چکی تھیں اور بھول گئی تھیں کہ کس لڑائی میں ہار کم ہوا تھا۔ طوفان اتنا عظیم کہ مدینہ بھر پورا مدینہ ماتم کردہ بنا دیا۔ مگر ذکر یوں سرسری انداز میں گویا غزوہ کا نام تک یاد نہیں۔

۳۔ آج تک سوائے اس روایت کے کسی نے کسی موقع کے متعلق اس قسم کا واقعہ بیان نہیں کیا۔ کہ سوار ہو ج میں بیٹھ جائے تو ہو ج اٹھا کر اونٹ پر رکھا جاتا ہے۔ بلکہ طریقہ یہ ہے کہ پہلے ہو ج رکھا جاتا ہے پھر آدمی سوار ہوتا ہے۔ اور اس بات کا خاص خیال رکھا جاتا ہے کہ ہو ج نشین جب اطمینان سے ہو ج میں بیٹھ جاتا ہے تو ساربان ہو ج نشین کو خبردار کرنے کے بعد اونٹ کو اٹھاتے ہیں۔ اس روایت میں یہ نرالی بات کیوں ؟

۴۔ رات کو چلنے کا حکم ملتا ہے۔ فائدہ فافلہ کی بیوی موجود نہیں نہ فائدہ فافلہ کو علم ہوتا ہے اور نہ خادموں کو اور نہ فافلہ چل پڑتا ہے۔ یہاں یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ فائدہ فافلہ کی بیوی رات کو اپنی خادماؤں کے ساتھ رہی ہوگی۔ یا خاندن کے پاس۔ مگر وہ دفع حاجت کے لئے جاتی ہے تو نہ خادماؤں کو علم ہوتا ہے نہ فائدہ فافلہ کو اور وہ چپ چاپ جنگل میں چلی جاتی ہے۔ درآنحالیکہ وہ ابھی بقول داستان گو کم سن ہے۔ ایسے حالات میں تو اس کے ساتھ کسی عورت کا ہونا اشد ضروری ہے۔

۵۔ دفع حاجت کے بعد واپس آکر انہیں معلوم ہوتا ہے کہ گلے میں ہار نہیں۔ حالانکہ ہار مہینی کوڑیوں کا ہے۔ وہ لازماً وزن دار بھی ہوگا اور سینے والے کو محسوس ہوتا ہوگا۔ اور پھر یہ ہار بھی عجیب ہے جو اس سے پہلے بھی ایک ہار کم ہو کر آیت تیمم کے نزول کا سبب بن چکا ہے۔ سید سلیمان ندوی کے الفاظ ہیں

کہ وہ ہار ٹوٹ ٹوٹ جاتا تھا۔ اگر وہ ٹوٹ ٹوٹ جاتا تھا تو اس کے دانے بکھرتے
ہوں گے بار بار انہیں تلاش کر کے دھاگے میں پرویا جانا ہوگا۔ مگر ہر بار کمزور
دھاگے میں ہی پرویا جاتا ہے۔

۶۔ آپ واپس جا کر ہار تلاش کرتی ہیں مگر کسی کو بتاتی نہیں کہ میرا ہار ٹوٹ کر
گر گیا ہے میں اسے تلاش کرنے کے لئے جا رہی ہوں۔ میری واپسی تک انتظار
کرنا اور پھر بھی کسی خادمہ کو ساتھ لے کر نہیں جاتیں بلکہ اہلی ہی جاتی ہیں اور
جا کر ریت اور کریت میں ہار کے دانے تلاش کر کے لاتی ہیں کیا تمام دانے
مل گئے تھے یا ان میں سے کچھ گم بھی ہو گئے تھے؟

۷۔ ہوج اٹھا کر اونٹ پر رکھ دیا جاتا ہے مگر ہوج اٹھانے والوں کو
اس وجہ سے معلوم نہیں ہوتا کہ اس وقت عورتوں کا وزن بھوک کی وجہ سے ہلکا
ہوتا تھا۔ عجیب لے کی پانکی ہے۔ ولو فرضنا صدیقہ کائنات کا وزن اس قدر
کم تھا کہ ہوج اٹھانے والوں کو معلوم نہ ہو سکا۔ چونکہ نبی علیہ السلام کے گھر میں
اکثر برکت رہتی تھی مگر مدینہ کی دوسری عورتیں جن میں مالدار بھی تھیں۔ وہ کیوں
بھوک رہتی تھیں؟

اور پھر ہوج اٹھانے والے یوں ہوج کو اٹھا کر اونٹ پر
رکھ دیتے ہیں جیسے کوئی بوری لادی جا رہی ہو۔ اور وہ اس قدر بے خبر ہیں کہ آپکا
وزن پندرہ بیس سیر ہی ہو معلوم نہ کر سکے۔

۸۔ صدیقہ کائنات کی کم سنی کو داستان گو بار بار درمیان میں لاتا ہے۔
اس داستان کی صرف اسی شق پر اگر غور کیا جائے تو اس کے موضوع ہونے میں
کوئی شک نہیں رہتا۔ میں دوسرے مقام پر بدلائل و شواہد ثابت کر چکا ہوں
کہ صدیقہ کائنات کی عمر بوقت نکاح کسی صورت میں سترہ اٹھارہ سال سے کم نہ تھی۔

۹۔ آپ اس خیال سے قافلہ کی شب باشی کے مقام پر بیٹھ جاتی ہیں کہ مجھے
کوئی تلاش کرنے کے لئے ضرور آئے گا۔ ہو کا عالم، صحرا یا جنگل میں ہر طرف
سناٹا، آدم نہ آدم زاد اور یوں اطمینان سے بیٹھ جانا معلوم ہوتا ہے کہ داستان گو کو اپنی
پنی داستان گوئی کے فن میں طاق تھا مگر تھا پسے درے کا بے وقوف اور احمق

کہ ایک کم سن بچی کو جنگل بیابان میں یوں اطمینان سے بٹھارہا ہے۔

۱۰۔ ایسے مواقع پر اچھے بھلے دل گردے کے لوگ ڈر کر ٹھہراتے ہیں۔
اور انہیں اپنے حواس کھو بیٹھتے ہیں۔ مگر ایک کم سن بچی نہایت اطمینان سے سو جاتی ہے۔
۱۱۔ صفوان لشکر کے پیچھے رہتا تھا اور صبح کے وقت حضرت صدیقہؓ
کے پاس پہنچا۔ اس کو زاب داستان گوئی عقل پر جس قدر ماتم کیا جائے کم ہے۔
جو آدمی کسی لشکر یا قافلہ کی گرمی پڑی چیزیں اٹھانے پر متعین ہو۔ وہ
رات کو قافلہ کے ہمراہ ہی قیام پذیر ہوتا ہے۔ نہ کہ وہ سات کو بھی قافلہ
سے الگ دور پیچھے کہیں قیام کرتا ہے۔ اور جب قافلہ بڑا دوسے چل
نکلے تو وہ بعد میں وہاں پہنچتا ہے۔ مگر اس قافلہ کی گرمی پڑی چیزیں اٹھانے والا
رات کو کہیں دور پیچھے مقیم رہا۔ اور صبح کے وقت پہنچا۔

۱۲۔ سوتے آدمی کا سایہ دیکھ کر بچے پہچان لیا۔ کیا عجیب تک بازی اور
خواس یا خستگی ہے۔ سوتے آدمی کو دیکھ کر اُسے پہچان لیا۔ حالانکہ سونو والا
ایک کم سن بچی ہے۔ اور یقیناً اپنے آپ کو پورے طور پر ڈھانک رکھا ہو گا۔

۱۳۔ دیکھنے والے کے منہ سے بے اختیار انا للہ وانا الیہ راجعون
کے کلمات نکلتے ہیں۔ گویا اسے تمام کیفیت معلوم تھی کہ یہ سونو والا اُم المؤمنینؓ
ہیں۔ وہ آپ سے پیچھے رہنے کی وجہ دریافت نہیں کرتا بلکہ فوراً اونٹ سے
اتر کر الگ کھڑا ہو جاتا ہے۔ گویا یہ ایک ڈرامہ تھا جس کی پہلے رہبر سل
ہو چکی تھی۔ کہ وہ ضرور اونٹ پر سوار آئے گا۔ استرجاع پڑھے گا اونٹ
بھاگ کر الگ کھڑا ہو جائے گا۔ اور سونو والا ہوا جاگ کر اونٹ پر سوار ہو جائے گا۔

۱۴۔ شدت کی گرمی میں بوقت دوپہر آپ قافلہ میں پہنچتی ہیں۔ کوئی اس
عقل کے اندھے سے پوچھے کہ قافلہ رات کے آخری وقت روانہ ہوتا ہے یا
اول شب اور دوپہر کا وقت ہو جاتا ہے مگر نہ کوئی خادمہ اپنی محدودہ کی طرف توجہ
کرتی ہے نہ نبی علیہ السلام اپنی جمیعتی توجہ کی خبر لیتے ہیں۔ حالانکہ قاعدہ یہ
ہے کہ اول تو ہوج میں کوئی ایلا بیٹھ ہی نہیں سکتا جب تک دوسری طرف کوئی دوسرا
آدمی یا کچھ لوجھ نہ ہو۔ پھر حضرت صدیقہؓ کی عمر کی وجہ سے ایک خادمہ یا خود

نبی علیہ السلام کا اس مہو ج میں دوسری طرف سوار ہونا ضروری تھا۔ بلکہ لوں سمجھیے کہ قافلہ کی روانگی کے وقت جس پستی، ہوشیاری اور ساتھ ہی آفرانفری کا عالم ہوتا ہے اس وقت سے دوپہر تک گویا مردوں کا ایک قافلہ صحرا میں رواں دواں ہے۔ مگر کوئی کسی سے بات تک نہیں کرتا۔

۱۵۔ ان میں سے جسے ہلاک ہونا تھا گویا آپ کے قافلہ میں پہنچتے ہی ڈرامہ کے مختلف کردار اپنے اپنے پارٹ ادا کرنے میں مشغول ہو گئے حضرت ام المومنین کو تو مدینہ بھر بعد جا کر معلوم ہوا کہ مجھ پر نعمت لگائی گئی ہے اور پھر ان کے سامنے سب سے پہلے مسطح کا نام آتا ہے۔ مگر یہاں داستان گونے فوراً عبداللہ بن ابی کا نام داغ دیا۔

دو فرزند حضرت صدیقہ قافلہ سے پیچھے ہی رہ گئی تھیں تو اس میں قابل اعتراض بات کو لسی تھی۔ ماں اپنے بیٹے کے ساتھ قافلہ میں پہنچتی ہے مگر قافلہ میں سے چند افراد فوراً ایک شوشہ چھوڑ دیتے ہیں۔ عیار داستان گونے یہاں ایک تیرے کئی شکار کئے ہیں۔

نبی خود اپنی اندواج کے معاملہ میں لاپرواہ تھا، نبی نے جو معاشرہ تشکیل دیا تھا وہ سب کا سب نہیں تاہم ان میں بقول راوی بد خصلت افراد کی اکثریت تھی اس لیے ان کی آڑ میں اس نے صرف تمام مسلمانوں کی ماں بی بی بہتان نہیں تیار کیا بلکہ تمام مسلمانوں کے لیے خدا صاحب کو بھی نہ بخشا کہ وہ بھی مدینہ بھر تک تمام مدینہ میں ایک مانم کی سی کیفیت دیکھتا رہے اور شس سے مس نہ ہوا۔

۱۶۔ ام مسطح اپنی چادر میں پھینس کر گرتی ہیں اور کہتی ہیں مسطح ہلاک ہو جائے۔ چادر میں پھینس کر گرنے کا بیٹے سے کیا تعلق عجیب پاگل پن اور دیوانگی کا مظاہرہ ہے۔ بڑھیا گرتی ہے چادر میں پھینس کر اور کوٹنے دیتی ہے اپنے بیٹے کو۔ یہاں داستان گویا بالکل پڑی سے اتر گیا ہے۔

۱۷۔ بڑھیا ایک عینے کے بعد نعمت لگانے والوں کا اظہار کرتی ہے کیا مدینہ بھر حضرت صدیقہؓ کی بیماری کے دوران نبی علیہ السلام کی بے رخی کی وجہ سے اس سے درمانت نہ کر سکے اور نہ ہی آپ کی کسم پسمی نے آپ کو تباہ اور بھارت کے

ہیں کو سب کچھ معلوم تھا مگر وہ بھی اپنی بیٹی کو گھرنے لے گئے۔

۱۔ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا سے اجازت لیکر اپنے والدین کے گھر
برماں سے پوچھتی ہیں اور وہ صرف اس قدر کہہ کر خاموش ہو جاتی ہیں کہ حسین
بت سے شوہر کو محبت ہو تو سو کنبیں ایسا ہی کرتی ہیں۔ یہاں بھی اس کذاب
ننان گونے دودھاری تلوار چلائی ہے۔ آپ کی والدہ صحیح بات بتانے کی بجائے
بدشک و شبہ میں مبتلا کر دیتی ہیں۔ نبی علیہ السلام کو ازواج مطہرات رضی
اللہ عنہم میں جانبداری کا حامل قرار دیتی ہیں۔ اور پھر ازواج مطہرات کو دنیا کی
سورتنوں کی طرح سو کنا پیے کی مرض کا شریک قرار دیتی ہیں مگر یہ نہیں کہتیں کہ تم
بے گناہ ہو یہ سب افتراء و بہتان ہے۔

۲۔ دیر ہوئی ہے وحی اُنہ نے میں اور نبی علیہ السلام بلاتے ہیں علیؑ اور
امہ رضی اللہ عنہا کو۔ گویا علیؑ اور امہ رضی اللہ عنہا کے مشورے سے وحی نازل ہوا کرتی تھی۔
۳۔ پھر ان دونوں سے بیوی کو جدا کرنے کا مشورہ چہ معنی دارد؟ اگر
بے بلانا تھا تو حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کے باپ کو بلاتے جو آپ کے مشیر بھی تھے۔
فاروق اعظمؓ کو بلاتے جو دوسرے مشیر تھے۔ مگر جنہیں بلانے ہیں ان میں سے ایک
مادہ ہے اور دوسرا اپنا آزاد کردہ غلام۔ کیا اس سے پہلے بھی آنحضرتؐ نے ان
سے کسی اہم معاملہ میں مشورہ لیا تھا؟

۴۔ امہ رضی اللہ عنہا جانتے تھے کہ آپ کو اپنی بیویوں سے محبت ہے اس لئے
میں قسم کا مشورہ دیا۔ نعوذ باللہ من هذا الخرافة۔ گویا امہ رضی اللہ عنہا فروش
کا الوقت اور منافق تھے کہ جو مشورہ دیا وہ صرف اس بات کو مد نظر رکھ کر دیا۔
کہ نبی علیہ السلام کو اپنی بیویوں سے چونکہ محبت ہے لہذا مشورہ اسی قسم کا دینا
چاہیے جو آپ کے حسب حال ہو۔

۵۔ اب یہ داستان گو علیؑ پر بھی برسے سے باز نہیں آیا۔ علیؑ کہتے
ہیں کہ آپ پر عورتوں کی تنگی نہیں یعنی حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کو طلاق دیدیجئے۔
ا۔ بیٹا باپ کو مشورہ دیتا ہے کہ میری ماں کو طلاق دے دو۔
ب۔ اُسے یہ بھی معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ یہ حکم فرما چکا ہے کہ اے نبیؐ!

تم کسی اپنی عورت کو طلاق نہیں دے سکتے۔

ج - پھر علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ بربرہ لونڈی سے پوچھ لیجئے۔ یہاں

اول تو بربرہ لونڈی کا وجود ہی محل نظر ہے۔ بنی علیہ السلام نے

بطور لونڈی یا غلام اپنے کا نشانہ میں کسی کو نہیں رہنے دیا۔ جو

آزاد کر دیا گیا۔ اور دوسرے یہ کہ واقعہ مدینہ سے دور ایک صحرا کا

اور مشورہ دیا جاتا ہے گھر میں رہنے والی لونڈی سے پوچھنے کا

اور پھر علی رضی اللہ عنہ کو بیٹیا شروع کر دیتے ہیں۔ بھلا اس میں

کو بیٹنے کی کیا تکلف تھی۔ غالباً اسی وجہ سے مودودی صاحب

تفسیر سورہ نور میں بخاری طبرانی اور بیہقی کے حوالوں سے یہ دیا کھیا

اچرا ہے کہ علی رضی اللہ عنہ بھی اس سازش میں شامل تھے۔

اب بربرہ کی گواہی سننے اور اس داستان گو کی عقل کا ماتم

کیجئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا میں کوئی عیب نہیں البتہ آٹا گوندھ

ننگا چھوڑ دیتی ہیں اور وہ آٹا بکری کھا جاتی ہے۔

گھر کا مالک خادمہ سے اپنی بیوی کے چال چلن کے منف

دریافت کرتا ہے کہ اس کا چال چلن کیسا ہے؟ وہ جواب دیتی

ہے کہ مالکہ کم عمر ہے جب آٹا گوندھ کر رکھتی تو بکری کھا جاتی ہے۔

مگر یہاں کوئی یہ نہیں سوچتا کہ اگر مالکن ہی آٹا گوندھتی ہے اور

کہہ دیتی ہے اور انہی خادمہ کو سلام ہے کہ بکری آٹا کھا جائے

تو وہ خود کیوں آٹا نہیں ڈھائب دیتی۔ اور بکری کے انتظار میں

رہتی ہے کہ آٹے اور آٹا کھائے۔

۲۳ - آگے چلئے۔ گھر میں تو بنی علیہ السلام علی اور اسامہ رضی اللہ عنہما سے مشورہ طلب

کرتے ہیں اور کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہوتی مگر پھر فوراً مسجد میں

بغیر کسی تحقیق کے عبداللہ بن ابی کے مقابلہ میں مدد طلب کرتے ہیں۔

اس محبوط الحواس داستان گو میں اگر عقل کی ایک ریت بھی

تو یوں واہی نہایت نہ بکتا۔ صاف طور پر لکھتا کہ بنی علیہ السلام نے چن

وچیدہ صحابیوں کو بلایا اور واقعہ مذکورہ کے متعلق مشورہ طلب کیا۔ ایک طرف آنحضرتؐ اپنی زوجہ کے متعلق علیؑ اور سامہ اور ہریرہ سے کی گئی شہادت طلب کرتے ہیں۔ دیگر گروہ جو باہر بیٹھے ہیں اور سی مزید تحقیق کے حلفاً یہ کہتے ہوئے کہ میں اپنے گھر والوں میں کھیلنا نہ ہوں، عبداللہ بن ابی کے خلاف اپنے صحابہؓ سے کہک طلب فرماتے ابھی نزول وحی بھی نہیں ہوا۔ جو کیفیت روز ازل تھی ہی عن حال ہے۔ مگر اب اپنی بات کو صحیح ثابت کرنے کیلئے حلف تک اٹھا لیتے ہیں۔ مسجد میں آپؐ نے اپنی زوجہ کی پاکدامنی پر حلف اٹھایا اور صحابہؓ سے طلب کی گمراہی کو گھر بھی نہیں لے گئے۔

قبیلہ اوس کے سردار سعد بن معاذ اور قبیلہ خزرج کے سردار اوس بن ابی بکرؓ نے اس دروغ کو جابل کر یہ یاد نہ رہا کہ سعد بن معاذ تو اس واقعہ سے سال بھر پہلے بموت قرطبہ میں فوت ہو چکے تھے۔ ہاں اپنے بیٹی کی مصیبت سے متاثر ہو کر یہ دے الم بزرگ سے پہنچ آئے ہوں گے۔

بنی علیہ السلام کو لینے کے دینے پڑ گئے۔ منبر پر کھڑے ہو کر اپنی زوجہ کی بیٹہ نے گئے ایک اور مصیبت میں مبتلا ہو گئے۔ یعنی اوس اور خزرج کو ہاتھ پائی جانے کی مصیبت میں مبتلا ہو گئے۔

دیکھا آپؐ نے نبی علیہ السلام کے جان نثار صحابہؓ کا کردار! بچے اہل بیتؑ کی افتاد میں مبتلا ہیں۔ مگر آپؐ سے ہمدردی کسی کو نہیں اور کے بجائے خانہ جنگی میں اُلجھ گئے۔

۱۔ اس سے پہلے کسی انصاری عورت نے حضرت صدیقہؓ سے ہمدردی کا اظہار کیا۔ مگر اس دن ایک انصاریہ نے آکر آپؐ کے ساتھ رونا شروع کر دیا۔ درایت کے نقطہ نگاہ سے ابھی اس دروغ بے قرع پر بہت کچھ کہا جاسکتا، کیا نبی علیہ السلام شرعی حدود کے متعلق یہ فرما سکتے تھے کہ جب بندہ توبہ کرے تو اللہ اس کی توبہ قبول کر لیتا ہے تو پھر زانیوں اور شرابیوں پر حدود

۲۸۔ آپ میں ایک آخری نکتہ کی طرف توجہ کی کہ اس بحث کو ختم کرتا ہوں اس مقام پر نبی علیہ السلام پر وحی کا نزول ہوتا ہے اور آپ پسینہ میں تر ہوتے ہو جاتے ہیں۔ مگر ہم نے کتابوں میں پورا دیکھا کہ پہلی وحی کے موقع پر آپ کو شدید جھڑکا محسوس ہوا تھا اور یہاں پسینہ بہ نکلا۔

یہ پسینہ وغیرہ کی داستان بھی از قسم خرافات ہے آپ پر جب وحی کا نزول ہوتا تھا تو سوائے اس کے کچھ نہیں ہوتا تھا کہ آپ پر ایک کیفیت طاری ہو جاتی تھی اور اس عالم میں آپ پر قرآنی آیات کا نزول ہوتا تھا۔

گزشتہ صفحات میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس کی روشنی میں دانہ ایک کی کوئی حقیقت نہیں۔ اور ہاں اگر بعض محال یہ تسلیم کرنا ضروری ہی ہے کہ ایسا واقعہ پیش آنے پر واللہ جلاء و بالافک کا نزول ہوا تھا۔ تو آخر یہ حکیم نے مشورہ دیا ہے کہ تم ضرور اس کی تہ تک پہنچو کہ آیت کی مصداق کون ہستی ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے خود اس کا نام نہیں لیا۔

بر حال اگر اس کے تسلیم کرنے کے بغیر چارہ نہیں کہ وہ ضرور کوئی ہستی تھی تو یہ بات یقینی طور پر صحیح تسلیم کرنا پڑے گی کہ وہ سیدہ صدیقہ کائنات کی نہ تھیں یہ داستان سرائی کسی ماہر شاعر کے متعفن ذہن کی ایجاد ہے۔ مشہور شیعہ مولوی مقبول نے جسے اپنی بد زبانوں سے

سے حکومت ہند نے جیل بھیج دیا تھا، اپنے ترجمہ قرآن کے حاشیہ میں اور انداز سے بعض پھیلا دیے۔ چنانچہ اس آیت کے تحت یوں حاشیہ لکھا ہے کہ یہ تفسیر تھی ہے کہ عامہ کی روایت تو یہ ہے کہ یہ آیت جناب عائشہ کے بارے میں ہے اور جزا تہام ان کو غزوہ تبی المصطلق میں لگایا گیا تھا۔ اس کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

اور خاصہ کی روایت یہ ہے کہ یہ آیت ام المومنین ماریہ قبطیہ کی تھی اور جو الزام عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کو لگایا تھا اس کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ چنانچہ جناب امام محمد باقر سے اسی تفسیر میں یہ روایت ہے کہ جب قرآن جناب رسول کا انتقال ہوا اور آنحضرت کو بیت رنج ہوا تو عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا آپ رنج کیوں کرتے ہیں

وہ تو جریح قبیلہ کا بیٹا تھا پس آنحضرتؐ نے علیؑ رضی کو بھیجا اور جریح کے قتل کا حکم دیا۔ آگے یہ داستان بڑی طویل ہے۔ جس کا مفہوم یہ ہے کہ علیؑ کے خوت سے جریح کا رستہ کھل گیا تو معلوم ہوا کہ وہ عورت ہے نہ مرد۔

اس واقعہ کے متعلق "وفات عائشہؓ" کا قرآن سے بے خبر مولف اپنی کتاب کے صفحہ ۱۹ پر اور انداز سے بعض لکھتا ہے۔ جس وقت ماریہ قبطیہؓ کو ابراہیمؑ کا حمل ٹھہرا اسی وقت سے چند روز بعد کو کھٹکا پیدا ہو گیا۔ جب ابراہیمؑ کی ولادت ہوئی تو ان کی مادر گرامی کو دودھ نہ تھا اس لئے آنحضرتؐ نے ایک بکری خرید لی۔ اس سے ابراہیمؑ کی پرورش کرتے رہے۔ کچھ دنوں کے بعد ہی، ابراہیمؑ کو اپنے کندھے پر بٹھا کر شیر خوار بچوں کو کاندھے پر نہیں بٹھایا جاتا اور نہ وہ کاندھے پر بیٹھ سکتے ہیں بلکہ ہاتھوں پر اٹھاتے ہیں یا گود میں اٹھاتے ہیں لہذا مولف، عائشہؓ کے گھر لے گئے اور کہنے لگے بتاؤ اس کی شکل کس سے ملتی ہے۔ عائشہؓ غصہ میں کہنے لگیں۔ کہ جو بکری کا دودھ پئے گا اس کا رنگ تو گورا ہو گا بکری کا دودھ پینے سے رنگ کے گورا ہونے کا یہ رافضی نسخہ یاد رکھیے۔ لہذا ہم یہ نہیں جانتے کس سے ملتا ہے۔ کم از کم اس مقام پر جاہل سنیوں کی نسبت یہ سبائی ہی اچھے رہے جنہوں نے بات کو گھربلو یا حول تک ہی محدود رکھا۔

اور الذی قتل کعبہ کا مصداق کہیں علیؑ، کہیں حسانؓ، کہیں مسطحؓ اور کہیں عبداللہ بن ابی کو بیان کیا جاتا ہے۔ مگر حد جاری ہوتی ہے تو اس میں علیؑ اور عبداللہ بن ابی کو چھوڑ دیا جاتا ہے۔ اور پھر انک کا نشانہ کہیں صدیقہ کائناتؓ ہیں۔ کہیں ماریہ قبطیہؓ ہیں اور بعض نے سیدہ فاطمہؓ کا نام بھی لیا ہے۔

بہر حال اگر اس آیت کو قانونی صورت میں تسلیم نہ کیا جائے اور واقعاتی صورت میں ہی تسلیم کرنے کے بغیر چارہ نہ ہو تو جس ذات اقدس کو نشانہ بنایا گیا وہ پاکدامن اور پاکباز نہیں اور توئی بکری کا مصداق متناقض ہے۔

نادک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں

جناب محمد داود صاحب نے سورہ نور کی تفسیر میں واقعہ انک کے پس منظر کا خلاصہ ان الفاظ میں بیان کیا ہے :-

عبداللہ بن ابی کی تخت نشینی کے تمام انتظامات مکمل ہو چکے تھے اس کے لئے تخت تیار ہو چکا تھا۔ مگر حضرت صادق و مصدقؑ کی مدینہ میں تشریف آوری پر اس کی تمام امیدوں پر پانی پھر گیا تھا۔ وہ منافقانہ طور پر مسلمان ہو کر اسلام کی تحریب کاری میں جُٹ گیا۔ وہ اپنے اس مشن میں اکیلا نہیں تھا بلکہ مدینہ کے تمام یہودی اور چند ایک اس کے دوسرے حواری پورے طور پر اس کے ساتھ تھے۔ اُسے یہ بھی معلوم ہو گیا تھا کہ صدیق اکبرؑ کا مقام نبی علیہ السلام کے ہاں نہایت بلند ہے۔ اُسے صاف نظر آ رہا تھا کہ نبی علیہ السلام کی وفات کے بعد یقیناً صدیق اکبرؑ آنحضرتؐ کے جانشین ہوں گے۔ اس نے بڑی چابکدستی سے ایک منصوبہ تیار کیا اور اُسے جلد ہی اس کی تکمیل کا موقع مل گیا۔ اور انہوں نے ایک تیر سے نین تسکار کرنے کی کوشش کی۔ یعنی

۱۔ حضور خاتم النبیین کو قلبی اور روحانی صدمہ میں مبتلا کر دیا۔

۲۔ صدیقہ کا ثبات کی ذاتِ اقدس پر کچھ اچھالا۔

۳۔ سیدنا صدیق اکبرؑ کو مسلمانوں کی نظروں سے گرانے کی کوشش کی تاکہ وہ

نبی علیہ السلام کی وفات کے بعد اسلامی سٹیٹ کے سربراہ نہ بن سکیں۔

مفسرین کے یہ اقوال نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں :

This^{is} the story enumerated and relied upon by almost all the commentators but I do not believe in it and I have objections on it. This is not a true story. The story of A-e-shah was connected by some Jewish false traditionalist of the third century after the Holy Prophet in order to keep standing the chance of doubt about the integrity, faithfulness, character, chastity and purity of A-e-shah. I am of opinion that the nature of generality of the order given in this verse is lost when we believe in this story and it lost its effectiveness and binding

tion just some time after its revelation, the slanderers were punished. A-e-Shahing girl, was not a warrior and not a -at-arm that she should accompany an of troops on war purposes. If she went the sake of the Prophet, then it means prophet could not control his sexual just in war days in the field while he was years old in those days. It is an absurd ridiculous remark. This is a great blot on. For this purpose alone the story is reliable. Moreover if she accompanied troop, even in viel, soldiers and her idents were not so negligent to leave back in jungle alone at night and lift howdah(litter) without her or tie it on back of a camel or drive her hourse with- its rider, and they were not so incapa- to find out that her seat was vacant and however thin, light and portable she was heavy and could be ascertained whether was in her seat or not. Again I say that went out to attend the call of nature a way from her tent is not pleading. She not a man, a brave hearted man, and could go a long distance in jungle at night for fine purposes. It was dark and she could go along distance away from her tent. In circumstances a woman when alone can go beyond 100 paces away from tent. She did avail the opportunity of darkness of it, and remain within a stone's throw of her tent. She being the wife of the prophet who was the great commander of the es could never remain alone without att- ents, slaves or guards. She might have been with the Prophet during night and might have told him about her going out and he could not ch without her. If in her absence soldiers pared for their journey and packed up their luggage the rattling noise of their paration might have reached her doing her to nature and she could hurriedly come to accompany them or she could call them.

loudly to wait for her. Such occasions were not unknown to her. The story of falling down her necklace somewhere in dark is also not convincing. Usually all women remove their ornaments when they go in bed and they use or keep them in safe places when they go to sleep. If she had it on her body at night even it could not fall down in jungle. And if it fell and she came to know about it in her tent, she could inform others so that it could be searched out by them with the help of torches before their departure. It was not a stolen property with her that which ought to have been kept secret from others. Necklace is a thing which is recorded important and valuable piece of ornament by everyman. If she went out alone to search it, in darkness, she could hear the rattling and chattering of preparations and also bubbling and barking of camels in such times and could hurriedly come back to inform her attendants about her missing ornament knowingly that if she miss them she could be left alone in the desert which was not a safe place. This story is not acceptable to me.

Such and more are many criticisms on this story which mentioned by the commentators in support of the revelation of this verse tak

Verse taking support of the traditionalists who gathered, collected and compiled the traditions in book forms during the period of some 3 to 5 hundred years after the death of the Holy Prophet.

RESULT

Leaving aside this story we find a stroke of generality in full sense in this verse. It says that those who bring accusation against someone are mostly the nearers of the accused, and they are those who know the accused very well and, due to some reasons, they turn against him and with some how or other reason they cannot get

Against him openly, but are always in search of chances to attack upon him by jealous malice. They must suffer a punishment.

(Daud's Commentary on Al-Quran, Sura-Noor Chapter the "LIGHT" by MOHAMMAD DAUD M.A. LL.B.)

ترجمہ : حقیقی تبصرہ :

یہ واقعہ تقریباً تمام مفسرین نے لکھا۔ بیان کیا اور اس واقعہ پر انحصار کیا ہے لیکن میں اس پر ایمان نہیں رکھتا اور مجھے اس پر اعتراض ہے۔ یہ ایک سچا واقعہ نہیں ہے۔ حضرت عائشہؓ والا واقعہ نبی علیہ السلام کی وفات کے بعد تیسری صدی کے گھولے یہودیوں کا من گھڑت ہے۔ جو حضرت عائشہؓ کی ایمان کی سختی، وقاداری، کیریکٹر اور عفت و طہارت کے بارے میں شکوک پیدا کرنا چاہتے تھے۔ میری رائے میں اس آیت میں جو حکم دیا گیا ہے اس کی عمومی نوعیت ضائع ہو جاتی ہے۔ جب ہم اس کہانی پر یقین کر لیں۔ تو یہ ایسا اثر اور لفاظی دکھو دیتی ہے۔ اس کے نزول کے تھوڑا ہی عرصہ بعد جبکہ بتان تراشوں کو سزا دی گئی۔

حضرت عائشہؓ جو نو جوان خاتون تھیں جنگ باز نہ تھیں اور نہ ہی مسلح فوجی خاتون کہ وہ جنگی مقاصد کے لئے سپاہیوں کے لشکر کی ہمراہی کرتیں۔ اگر وہ پیغمبر علیہ السلام کی خاطر گئیں۔ تب اس کا مطلب یہ ہے کہ جنگ کے ایام میں میدان جنگ میں بھی آپؐ شہوت کو ضبط نہ کر سکتے تھے۔ جبکہ آپؐ کی عمر ۶۰ سال تھی۔ ایک بے ہودہ اور مضحکہ خیز بات ہے۔ اور یہ آپؐ پر بہت بڑا الزام ہے۔ صرف اس بنا پر ہی کہانی قابل یقین نہیں ہے۔ علاوہ ازیں اگر وہ فوج کے ہمراہ تھیں خواہ پر وہ میں تھیں تو فوجی اور ان کے خدام اتنے لاپرواہ نہ ہو سکتے تھے کہ انہیں جنگل میں تنہا رات کے وقت چھوڑ جائیں۔ اور ان کا ہولناکیاں کے بغیر اٹھالیں اور اونٹ کی پشت پر باندھ دیں یا ان کا گھوڑا بغیر سوار کے چلا دیں وہ اس قدر نالائق نہیں تھے کہ وہ یہ نہ چلا سکے کہ ان کی جائے نشست خالی ہے خواہ کتنی ہی دلی تپاں اور اٹھانے میں آسان تھیں۔ لیکن پھر بھی کچھ

نہ کچھ آپ کا وزن تھا۔ اور پتہ کرایا جاسکتا تھا کہ آیا آپ اپنی نشست پر بیٹھی ہیں یا نہیں
 میں کہتا ہوں کہ یہ کہنا کہ آپ رفع حاجت کے لئے اپنے خیمے سے دور چلے
 گئیں قابل یقین نہیں۔ آپ مرد نہ تھیں جو مضبوط دل والا ہو آپ جنگل میں لیٹے ہوئے
 پر رات کے وقت رفع حاجت کے لئے نہ جاسکتی تھیں۔ تاریکی کی وجہ سے
 اپنے خیمے سے زیادہ فاصلے پر نہیں جاسکتی تھیں۔ ایسے حالات میں ایک عورت
 جبکہ وہ تنہا ہو اپنے خیمے سے سو قدم سے زیادہ دور نہیں جاسکتی
 رات کی تاریکی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے خیمے سے تھوڑے فاصلے پر جاسکتی
 تھیں۔ وہ پیغمبرؐ کی زوجہ ہونے کی وجہ سے جو کہ اپنی فوجوں کے عظیم سپہ سالار
 بھی تھے۔ خدام، غلام یا لونڈیوں کے بغیر تنہا کبھی نہ رہ سکتی تھیں۔ رات کے
 وقت وہ پیغمبرؐ کے پاس ہونگی اور انہوں نے اپنے باہر جانے کا ذکر کیا ہو گا۔
 اور اس صورت میں پیغمبرؐ آپ کی غیر حاضری میں روانہ نہ ہو سکتے تھے۔ اگر حضرت
 عائشہؓ کی غیر حاضری میں فوج نے سفر کی تیاری شروع کی اور اپنا سامان باندھا تو ان
 کی تیاریوں کا شور و غوغا آپ کو دوران رفع حاجت سنائی دے جاتا اور آپ
 جلدی سے واپس آسکتی تھیں اور ان کے ہمراہ ہو جاتیں یا آپ اونچی آواز سے
 ان کو اپنا انتظار کرنے کے لئے کہہ سکتی تھیں۔ ایسے مواقع سے آپ ناواقف
 نہ تھیں۔ تاریکی میں آپ کے گلے کے ہار کے گرنے کی کہانی بھی قابل یقین نہیں ہے
 عام طور پر تمام عورتیں سونے کے لئے جاتے وقت اپنے زیورات اتار دیتی ہیں
 اور انہیں محفوظ جگہ پر رکھ دیتی ہیں۔ اگر رات کے وقت انہوں نے ہین رکھا تھا تو
 پھر بھی یہ جنگل میں نہ گر سکتا تھا۔ اور اگر گرا ہی تھا اور آپ کو پتہ چل گیا تو وہ
 دوسروں کو مطلع کر سکتی تھیں تاکہ اسے تلاش کیا جاسکے۔ روانگی سے پہلے
 مشعلوں کی مدد سے تلاش کر سکتے تھے۔ یہ آپ کے پاس چوری کا مال نہ تھا
 کہ آپ اسے دوسروں سے چوری رکھتیں۔ گلے کا ہار ایک ایسی چیز ہے جس کو
 ہر کوئی اہم اور قیمتی زیور خیال کرتا ہے۔ اگر آپ اس کی تلاش میں ہی اکیلے
 اندھیرے میں باہر گئیں تو وہ روانگی کی تیاریوں کا شور و غل اور آدمیوں کے
 بلبلانے کی آوازیں سن سکتی تھیں اور جلدی میں آکر اپنے خدام کو اپنے زیور کے

کہ ہونے کے متعلق بتا سکتی تھی۔ کیونکہ وہ جانتی تھیں کہ اگر وہ وہاں ہی جنگل میں رہ
 گئیں تو وہ ایک محفوظ جگہ نہ تھی۔ یہ کہانی مجھے تسلیم نہیں ہے۔
 نقادوں نے جو یہ کہانی اس آیت کے نزول کی تائید میں بعض محدثین سے
 استفادہ کر کے جنہوں نے مقدس پتھروں کے پتھروں سے پانچ سو سال بعد کے عرصہ
 میں حدیثیں اکٹھی کر کے کہانی کی صورت میں مرتب کی ہیں ان کے متعلق میرے
 اعتراضات ایسے ہی ہیں جو اوپر میں نے بیان کیے ہیں۔ بلکہ ان سے بھی بڑے ہو کر۔
 یہ کہانی ان کہانی کے قطع نظر ہر اس آیت میں عمومیت کا تاثر اس
 کے مکمل معنی میں پایا جاتا ہے۔ یہ آیت بتاتی ہے کہ جو لوگ کسی پر الزام تراشی
 کرتے ہیں وہ عام طور پر ہر الزام علیہ کے قریبی ہوتے ہیں اور وہ ایسے لوگ ہوتے
 ہیں جو الزام علیہ کو اچھی طرح جانتے ہیں اور بعض وجوہات کی بنا پر وہ الزام علیہ
 کے خلاف ہو جاتے ہیں اور کسی نہ کسی وجہ سے وہ اس کی کھلم کھلا مخالفت نہیں کر سکتے۔
 لیکن وہ ایسے مواقع کی تلاش میں رہتے ہیں کہ حسد و کینہ کی بنا پر اس پر ایسے
 الزامات لگائیں۔ اس لیے لوگوں کو لازماً سزا ملنی چاہیے۔

سہ سرداں سہ سرداں
 لائی الہی علی
 لا سبب
 الہی ذوالعز
 ۱۲/۱۱/۲۰۲۰

انک کے متعلق خاتمہ بحث

قرآن مجید میں ارشاد ہے : **كُوْلَاِذْ سَمِعْتُمُوهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُونَ الْخَرَابَ**
 کیوں نہ حسین وقت سنا تم نے اس کو گمان کیا مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں
 نے ساتھ اپنے کے اچھا اور کیوں نہ کہا انہوں نے یہ طوفان ہے ظاہرہ کیوں نہ
 لائے اوپر اس کے چار شاہد پس جب وہ نہ لائے شاہدوں کو پس یہ لوگ نزدیک
 اللہ کے وہی ہیں جھوٹے۔

آگے ارشاد ہوتا ہے **كُوْلَاِذْ سَمِعْتُمُوهُ قُلْتُمْ مَا يَكُونُ لَنَا انْ نَّكْطِبَ بِهَذَا**
 اور کیوں نہ حسین وقت سنا تم نے اس کو کہا تم نے نہیں لائق ہم کو کہ بولیں یہ بات پاکی
 ہے تمہد کو یہ بہتان ہے بڑا اہ نصیحت کرتا ہے تم کو اللہ اس سے کہ پھر کرو تم ایسا کام
 کبھی اگر ہو تم ایمان والے۔

اب ذرا ٹھنڈے دل سے حضرت صادق و مصدوق کے منصب رسالت کو
 سامنے لائے ہوئے۔ ان آیات پر غور کیجئے کہ کہ محرم باد صباست مے داند
 اس ارشاد کے مخاطب اول کی ذات قدسیہ کو بعض حاکمین جبہ دستار عالم ماکان و
 مایکون جانتے ہیں اور جو ایسا نہیں جانتے وہ بھی **دَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ** اور **مَنْزِلَةً**
عَنْ شَرِيَابِ فِي مُحَاسِنِهِ کا جامہ دربر کئے ہوئے جانتے اور مانتے ہیں مگر بائیمہ
 اس مقام پر سب کے سب **الامانة عند الله غناء السبيل** کی طرح بہے چلے جائے ہیں
 کم و بیش ایک ہیجہ اس ذات صادق و مصدوق کو حسین حالت میں بتلے پیش کرے
 ہیں۔ انک کو واقعی صورت میں تسلیم کرنے کے بعد **كُوْلَاِذْ سَمِعْتُمُوهُ** کا صریحاً تقفیر
 ہے۔ اور ”انک“ کو ایک قانونی دفعہ کی صورت میں جب آپ سامنے لائینگے
 تو خاتم المعصومین کا مقام اپنی جگہ پر لاریب و دوازده مطرات کی ذوات مطہرہ اپنے
 منصب پر قائم اور ہمارا ایمان علیٰ حالہ قائم و دائم۔ اگر ہم آیت مذکورہ کو ایک قانونی
 دفعہ سمجھتے ہوئے ان کا ترجمہ فعل مضارع میں کرنے جیسا کہ کسی دوسرے مقام پر لکھا جا چکا ہے۔ تو
 اس قدر کھکھڑی پیدا نہ ہوتے۔

اہل البیت

وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَى
وَأَقِمْنَ الصَّلَاةَ وَآتِينَ الزَّكَاةَ وَأَطِعْنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ إِنَّمَا
يُؤَيِّدُ اللَّهُ لِبَيْتِهِ عَنكَ الرِّحْسُ أَهْلَ الْبَيْتِ وَ يَطَهِّرُكُمْ
تَطْهِيراً ۝۳۳ وَإِذْ كُنَّ مَا يُتْلَىٰ فِي بُيُوتِكُنَّ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ وَالْحِكْمَةِ
إِنَّ اللَّهَ كَانَ لَطِيفًا خَبِيرًا ۝۳۴

اور اپنے گھروں میں (عزت و وقار) سے بچھٹی رہو اور قدیم جاہلیت کا سا بناؤ
سنگمار کر کے باہر نہ نکلا کرو اور نماز پڑھا کرو اور زکوٰۃ دیا کرو اور (برابر) اللہ اور اس
کے رسول کی اطاعت کرنی رہو۔ اے اہل بیت سوائے اس کے نہیں ہے کہ خدا یہ چاہتا
ہے کہ تم سے بہتر تم کے رحس کو دور کر دے اور تم کو ایسا پاک کر دے جیسا کہ پاک کرنے کا
حق ہے۔ اور تمہارے گھروں میں خدا کی آیتیں اور حکمت کی باتیں جو پڑھی جاتی ہیں۔
انہیں یاد رکھو بے شک خدا نے تعالیٰ بڑا باریک بین (اور) خبردار ہے (ترجمہ مقبول احمد)
در اصل یہ خطاب اٹھائیسویں آیت سے لے کر چونتیسویں آیت تک ہے۔ اور
يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّزَوْجِكَ مَا تَشَاءُ مِنْ شَيْءٍ لِّطِيفًا خَبِيرًا پر ختم ہوتا ہے۔
موردی صاحب آیت تطہیر کے متعلق کہتے ہیں۔ جس سیاق و سباق میں یہ آیت وارد
ہوئی ہے اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہاں مراد اہل البیت سے نبی علیہ السلام
کی بیویاں ہیں (تفہیم القرآن جلد ۴ صفحہ ۷۲)

اٹھائیسویں آیت میں جمع مونث حاضر کے کُنْتُنَّ۔ تَرِدْنَ۔ فَتَعَالَيْنَ۔
أَمْتَعْنَ۔ اُسْرِي حَكْنَ پانچ صیغے ہیں۔
ان تیسویں آیت میں جمع مونث حاضر کے کُنْتُنَّ۔ تَرِدْنَ۔ فَتَعَالَيْنَ۔
اُمْتَعْنَ۔ اُسْرِي حَكْنَ پانچ صیغے ہیں۔

۱۔ آل اور اہل کی مزید تحقیق کے لئے رقم کی تالیف عزت رسول کا مطالعہ کیجئے۔

تیسویں آیت بارہ است ینسآء النبی یعنی اسے نبی کی بیویوں سے شروع ہوتی ہے۔ اس میں منکن جمع مونث حاضر اور لہا واحد مونث ضمیر ہے۔ اکتیسویں آیت میں جمع مونث حاضر کا ایک صیغہ منکن اور واحد غائب مونث کے نو تنہا آجرہا اور لہا تین صیغے ہیں۔

اور تیسویں آیت سے چونتیسویں آیت تک جمع مونث حاضر کے بارہ صیغے ہیں۔ گویا ان سات آیتوں میں چھپیس صیغے جمع مونث حاضر کے ہیں اور دوبار ینسآء النبی کے الفاظ سے واضح قریا گیا کہ یہ مخاطب صرف اور صرف نبی علیہ السلام کی ازواج مطہرات سے ہے اس میں کسی دوسرے کی شمولیت نہیں۔

اس مقام پر جن لوگوں کا یہ ادعا ہے کہ انما یرید اللہ لیذہب عنکم الرجس اہل البیت کے کلمات سیدنا علیؑ، سیدہ فاطمہؑ اور حضرات حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی شان میں نازل ہوئے ہیں وہ بوجہ محل نظر ہے۔

۱۔ یہ کلمات چونتیسویں آیت کا ایک ٹکڑا ہیں نہ کہ پوری آیت۔ آیت وقرآن سے شروع ہوتی ہے۔ لفظ قرآن اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ باقی آیات کی طرح یہ کلمات بھی نبی علیہ السلام کی ازواج مطہرات کی شان میں نازل ہوئے ہیں۔ ۲۔ آیات مذکورہ صدر میں اللہ تعالیٰ نبی علیہ السلام کی ازواج مطہرات سے

خطاب فرما رہا ہے۔ اور تمام امور کی وضاحت کے بعد فرماتا ہے کہ تمہیں یہ تمام پسند و نصائح اس لئے دی جا رہی ہیں کہ تم دنیا کی دیگر عورتوں کی طرح نہیں بلکہ مکمل و اکمل طور پر مطہر ہو۔

فنی لحاظ سے یرید اللہ لیذہب کے کلمات مقدس ہیں قرآن نے جس فصاحت و بلاغت کو سمو کر پیش کیا ہے یہاں اس پر غور کرنا بھی ضروری ہے۔ قرآن کریم میں جن مقامات پر بھی اللہ تعالیٰ کے ارادوں کا ذکر آیا ہے انہیں انسانی ارادوں کی طرح سمجھنا مفہوم قرآن کی روح کے منافی ہے۔ انسانی ارادے بندھتے ہیں، ٹوٹتے ہیں، صحیح بھی ہوتے ہیں اور غلط بھی، بعض قابل عمل ہوتے ہیں اور بعض محض شعائر تک بندی ہو کر رہ جاتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے ارادے اس کے وہ اہل فیصلے ہوتے ہیں جو عالم اسرار سے اس کے قوانین منشیت

کے تحت سرزد ہو چکے ہیں۔ اور یہ تمام کائنات انہیں کے مطابق سرگرم عمل ہے۔
اِذَا ارَادَ تَبَيُّنَاتٍ يَقُولُ لِمَ كُنَ فَيَكُونُ كَمَا يَشَاءُ اللَّهُ تَعَالَى
کا ارادہ اس کا واقعہ ہو جاتا ہے۔

دوسرا لفظ لَيْذٌ هَبٌ قابلِ توجہ ہے۔ ل قرآن مجید میں متعدد مقامات پر مختلف معنوں میں آیا ہے۔ یہاں ل سبب ظاہر کرنے کے لئے ”ناکہ“ کے معنوں میں آیا ہے۔ اس لحاظ سے یزید اللہ لَیْذٌ هَبٌ عنکم الرجس اهل البیت لیطہرکم تطہیرا کا مفہوم یہ ہے کہ نبی علیہ السلام کی ازواج مطہرات و فرسکو اکمل ترین طہارت کا مقام حاصل ہو چکا تھا۔

دوسرا لفظ اہل البیت ہے گزشتہ سطور میں بیان کیا گیا ہے کہ سورہ احزاب کی ان سات آیات میں ذکر اور مخاطب صرف نبی علیہ السلام کی ازواج مطہرات ہے۔ اہل البیت کا لفظ قرآن مجید میں صرف تین بار آیا ہے ایک مقام تو یہی سورہ احزاب کی تینتیسویں آیت ہے اور دوسرا مقام سورہ ہود کی آیت تیسری ہے۔ فرشتے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاں پہنچتے ہیں۔ اور کہتے ہیں ہم (حضرت) لوط کی طرف بھیجے گئے ہیں۔ آگے قرآنی الفاظ میں سنئے:

وَامْرَاَتُهُ قَائِمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنَاهَا بِأَبْنٍ ذَكَرَ اللَّهُ اسْمُهُ
يَعْقُوبُ ﴿٤١﴾ قَالَتْ يَوِیْلَتِیْ اَیُّ آلٍ دَاۤءٍ اَنَا عَجُوزٌ وَهٰذَا بَعْلِیْ شَیْخًا اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عَجِیْبٌ ﴿٤٢﴾ قَالُوا اَعْجَبِیْنِ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ تَحْمَدُ اللّٰهُ وَبَرَکَۃٌ عَلَیْکُمْ اَھْلَ الْبَیْتِ اِنَّہٗ خَبِیْرٌ عَجِیْبٌ ﴿٤٣﴾

اور ان کی بیوی کھڑی ہوئی تھی پس منسی پس بشارت دی ہم نے اس کو ساتھ اس کے اور بیچھے سے اس کے یعقوب کی ۵ کہا (ابراہیم کی بیوی نے) اے وائے مجھ کو کیا میں جنوں کی اور میں بڑھیا ہوں اور یہ خاوند میرا لوط تھا ہے تحقیق یہ بات ہے تعجب کی ۵ کہا انہوں نے (یعنی فرشتوں نے) کیا تعجب کرتی ہے تو حکم خدا کے سے رحمت ہے اللہ کی اور برکتیں اس کی اوپر تمہارے سے اے گھر والی! تحقیق وہ تعریف کیا گیا بزرگ ہے۔

تیسرے مقام پر سورۃ القصص کی بارہویں آیت موسیٰ علیہ السلام کے ذکر میں

فَقَالَتْ هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ أَهْلِ بَيْتٍ يَكْفُلُونَهُ - پس کہا ایک کہنے والی نے کیا دلالت کروں میں تم کو اور پر ایک گھر والی کے کہ پالیں اس کو واسطے تمہارے۔

چند نکات :

۱۔ حضرت ابراہیم کو بیٹے کی بشارت دی جاتی ہے اس پر حضرت ابراہیم کی بیوی جو صرف ایک ہیں حیرانی کا اظہار کرتی ہیں۔ بشارت صرف ایک بیوی کو دی جاتی ہے مگر جمع مذکر حاضر کے کلمات علیکم اہل البیت سے انہیں مخاطب کیا جاتا ہے۔ اس میں ان لوگوں کا رد ہے جو یہ اعتراض کرتے ہیں کہ آیت تطہیر میں جمع مذکر حاضر کا صیغہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ کلمات نبی علیہ السلام کی ازواج مطہرات کی شان میں نہیں بلکہ سیدنا علیؑ اور ان کے گھر والوں کے لئے ہیں۔

۲۔ اہل البیت کا لفظ صرف اور صرف افراد خانہ کے لئے ہے۔ جیسا کہ واقعہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور واقعہ حضرت موسیٰؑ میں بیان ہو چکا ہے۔

۳۔ نبی علیہ السلام کی زندگی میں اہل بیت صرف ازواج النبیؑ کو کہا جاتا تھا

ام المؤمنین سیدہ ام سلمہؓ کی ہجرت کا مشہور واقعہ اہل علم سے پوشیدہ نہیں

آپ اپنی ہجرت کے واقعہ کو ان کلمات میں فخریہ بیان فرمایا کرتی تھیں کہ میں

نہیں جانتی کہ اہل بیت میں سے کسی نے وہ مصیبتیں اٹھائی ہوں جو اسلام

کی خاطر مجھے جھیلنا پڑیں۔ (اسرائیلیہ صفحہ ۵۸۹)

اس مقام پر السید طاہر المکی ایک بڑا عجیب نکتہ پیش کرتے ہیں کہ نماز کی

آخری رکعت میں ہم دو درود شریف پڑھتے ہیں جو ہو ہو کیساں ہیں صرف

اتفاق ہے کہ پہلے درود میں صلاۃ (رحمت) کا لفظ ہے اور دوسرے درود

میں برکت کا لفظ ہے۔

یعنی پہلے درود میں اگر صَلِّ کی جگہ بَارِكْ اور صَلَّیْتَ کی جگہ بَارَكْتَ

کا لفظ لگا دیں تو دوسرا درود بن جاتا ہے

۱۔ درود شریف میں محمد و آل محمد پر جو درود بھیجا گیا ہے وہ خاص طور پر

صلوۃ (رحمت) و برکت کے دو لفظوں کے ساتھ کیوں بھی گئی۔

- ۲۔ اس میں محمد و آل محمد کو ابراہیم و آل ابراہیم سے کیوں تشبیہ دی گئی ہے
۳۔ قرآن مجید کی کس آیت سے درود شریف کے یہ الفاظ لئے گئے ہیں۔
آگے چل کر لکھتے ہیں :

قَالُوا أَتَعْجَبِينَ مِنْ أَمْرِ بِرٍّ رَحْمَتُ اللَّهِ وَبَرُّكَائِهِ عَلَيْكَ
أَهْلَ الْبَيْتِ إِنَّهُ حَمِيدٌ مَجِيدٌ ۝ اِرْأَيْتُمْ إِنْ تَرَكْتُمْ
كَادُودَ نَقْلِ قُرْبَايَا هِيَ۔ جو انہوں نے ابراہیم اور اہل بیتہ ابراہیم
رحمۃ اللہ علیہم کی گھر والی پر بھیجا۔ ہم مسلمان ہی درود شریف اپنے محبوب
پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم اہل بیت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات
پر بھیجتے ہیں۔ پہلے درود میں صلوۃ سے جو رحمت کا مترادف اور ہم سنی
سے جیسا کہ قرآن کا ارشاد ہے۔ اُولَئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّنْ
رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ اِرْأَيْتُمْ سے میں برکت۔

فرشتوں کا آخری جملہ انہ حمید مجید اور ہمارا اِنَّكَ

حمید مجید ہے۔
علامہ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں۔ بلاشبہ حضور نے اپنی ازواج مطہرات
کو آل محمد فرمایا ہے جیسا کہ مآشبع آل محمد والی حدیث بخاری میں
ہے۔ اور اگر آل سے مراد رشتہ دار ہیں تو آل ابراہیم میں یہودی اور
عیسائی بھی ہیں اور آل محمد میں ابولہب جیسا طاغوت اعظم بھی۔ اسی
ابولہب پر حیرت ظاہر کرتے ہوئے امام حمیری نے کہا تھا۔

لَوْلَمْ يَكُنْ اِلَهًا لَا قُوَّةَ لَهٗ

صَلِّ الْمُهَيَّلَ عَلَى الطَّاعِي ابْنِ لَهَبٍ

(ملخص حقیقی اہل بیت رسول صفحہ ۲۰ تا ۲۲)

یہاں امام حمیری نے ابولہب کا ذکر کر کے بت ختم کر دی ہے۔ میں کہتا ہوں
کہ اگر آل سے مراد وہ لوگ ہیں جو فاطمی کہلاتے ہیں تو ابوالزفت بن محمد بن الارقط
جسے شراب نوشی کے جرم میں حد ماری گئی، حسن بن چنوں حسنی حسن نے نبوت

کا دعویٰ کیا تو رید اور ابراہیم بن موسیٰ (الکناظم) جیسے سفاک، اسماعیل بن یوسف جیسے کعبہ کا دفنی خزانہ لوٹنے والے اور مسجد نبوی میں لوگوں کو نماز پڑھنے سے روکنے والے، محمد بن حسن جیسے مسجد نبوی میں بیٹھ کر شراب پیتے والے، محمد الاکبر بن جعفر جیسے کعبہ کے ستونوں سے سونا اتار کر اپنے ہمراہیوں میں تقسیم کرنے والے اور قاضی مکہ کے لڑکے کو اغوا کر کے لواطت کا ارتکاب کرنے والے محمد و علی ابنا حسن بن جعفر جیسے مسجد نبوی اور مسجد حرام میں قتل عام کرنے والے بھی اس آل میں آتے ہیں اور ان پر درود بھیجنے والوں کا درود نامعلوم کون سا ہے اور اس تصور کے حامل معلوم کس اسلام کے مدعی ہیں۔

آل محمد سے مراد صرف نبی علیہ السلام کا زواج مطہرات ہیں اور وہی مستحق صلاۃ و برکات ہیں۔ اور ان پر صلاۃ بھیجا ہی ہمارے لئے موجب فلاح و نجات ہے تاکہ شرابیوں، ڈاکوؤں، قاتلوں، لوطیوں اور سارقوں پر درود بھیجا۔ فافہم و تدبر آیت تطہیر کے لفظ "رحس" کا مطلب اور مقہوم سمجھنے کی بھی کوشش نہیں کیگی یہ لفظ قرآن مجید میں "سرجس" کی شکل میں آٹھ بار درج ہے اور درجہ ہم کی صورت میں ایک ایک بار آیا ہے۔ وقع علیکم من دیکدر حین و غضب کے مقام میں عقوبت، عذاب اور بلا کے معنوں میں آیا۔ باقی مقامات پر سنا یا کی اور بامیدی کے معنوں میں بیان کیا گیا ہے۔ شیعیت کا یہ دعویٰ کہ آیت تطہیر علیؑ، فاطمہؑ اور حسینؑ کی شان میں نازل ہوئی بوجہ بالکل غلط ہے۔

۱۔ ان تمام آیات میں خطاب ازواج مطہرات سے ہے اور انہیں اید اللہ الخ آیت نہیں بلکہ آیت کا ایک ٹکڑا ہے۔

۲۔ شیعیت کے نزدیک سیدنا علیؑ، فاطمہؑ اور حسینؑ معصوم ہیں۔ معصوم پہلے ہی مطہر ہوتا ہے۔ مطہر کو مطہر بنانا یعنی چہ اہل سنت نے اس مقام پر رحس کے معنی سمجھنے کی کوشش نہیں کی

۱۵ اس قسم کے بدکردار فاطمیوں کے تفصیلی حالات کے لئے میری تالیف عزت رسولؐ اور حقیقت مذہب شیعہ کا مطالعہ کیجئے۔

الترجیس کے معنی سخت آواز، کسی بہت بڑی اور مخلوط قسم کی مخلوط چیزوں کی آواز جیسے فوج یا سیلاب کا شور یا بادل کی گرج اور بجلی کی کڑک، التباس، شک، تردد اور اضطراب وغیرہ کے ہیں۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ نبی علیہ السلام کی ازواج مطہرات میں اللہ تعالیٰ اور نبی علیہ السلام کے نزدیک ناپسندیدہ چیز کون سی تھی جسے دور کیا گیا۔ ازواج مطہرات کی ذوات قدسیہ کے متعلق ناپاکی یا پیدی کا تصور بھی گناہ عظیم ہے۔ وہ علم الہی میں روز الست سے مطہرہ اور پاکیزہ تھیں انہیں نبی علیہ السلام کا ہمد و مساز اور ہمسفر ہونے کا شرف حاصل ہونا تھا تو پھر پیدی وغیرہ کی آلائش لا حول ولا قوۃ۔ یہ باتیں اس امر کا تقاضا کرتی ہیں کہ ان کلمات کے معنی اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تم سے اضطرابات التباسات یادہ موانع جو تمہاری صحیح نشوونما کے راستہ میں حائل ہوں انہیں دور کر دیا جائے و اضطرابات یا التباسات کیا تھے؟ غنیمت اور فے کا مال آنا ہے مگر باہر ہی باہر فقراء و مساکین میں تقسیم ہو جاتا ہے۔ اور کاشانہ نبویؐ کے چوٹے ٹھنڈے کے ٹھنڈے بڑے رہتے ہیں۔ ورس علی ہذا

آل محمد و آل ابراہیم باندازہ دگر۔

ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں بادشاہ مصر نے شاہی خاندان کی ایک خاتون سیدہ ہاجرہ پیش کی جن کے بطن سے حضرت اسماعیل علیہ السلام نکلے۔ نبی علیہ السلام حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے تھے۔ اسی طرح نبی علیہ السلام کی خدمت میں اس وقت کے مصری بادشاہ نے ام المؤمنین سیدہ ماریہ قبطیہ رضہ کو بھیجا جن کے بطن سے نبی علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے ایک بیٹا دیا اور نبی علیہ السلام نے اسی سابقہ تعلق کی بنا پر اپنے بیٹے کا نام ابراہیم رکھا۔

سبائیت کا مروت :

ان خفائق و شواہد کے علی الرغم ایک عیار مکاری کی عیاری و مکاری اور پھر دیکھ لیں

دیکھتے کہ اتین الزکوٰۃ واطعن اللہ ورسولہ پر جا کر آیت ختم کر دیتا ہے اور
انما یرید اللہ الخ نصف آیت ہی چھوڑ دیتا ہے

یعنی وفات عالمشہ کا شیعہ مؤلف اپنی تالیف کے صفحہ
۲۲ پر یا ایہا انبی سے شروع کرتا ہے اور واطعن اللہ ورسولہ پر ختم
کر دیتا ہے۔ یعنی ادھی آیت چھوڑ دیتا ہے۔ صرف اس لئے کہ یہاں نبی علیہ السلام
کی ازواج مطہرات کے ذکر کے ضمن سے انما یرید اللہ کو نکال دے اور پھر لطف
یہ ہے صرف پانچ پوری اور چھٹی نصف آیت میں دس سے زیادہ لفظ غلط لکھتا ہے

یَا ایہا النبی قُلْ لَا زَوَاجَ لَکَ اِنْ کُنْتَ
تُرَدُّنَ الْحَبْرَةَ الدُّنْیَا وَرَبَّتْهَا فَعَالِیْنِ
اُمْتِغْنِ وَاسْرَحْکُنْ سَرَا حًا جَبِیلاً
وَ اِنْ کُنْتَ تُرَدُّنَ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ
الَّذَا رَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْجٰہِلِیْنَ
مِنْکُمْ اَجْرًا عَظِیْمًا یَنْسَاۤءُ النَّبِیَّ
مَنْ یَاۤتِ مِنْکُمْ بِفَاحِشَةٍ مُّبِیْنَةٍ یُضَعَفُ
لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَیْنِ وَ کَانَ ذٰلِکَ عَلٰی
اللّٰهِ یَسِیْرًا ۝ الْاَحْزَاب

وَمَنْ کَفَرَتْ مِنْکُمْ بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ
صَاحِبًا تَرَدُّتْهَا اَجْرَہَا مَرَّتَیْنِ وَ اَعْتَدْنَا
لِکَرِیْمًا یَنْسَاۤءُ النَّبِیَّ لَسْتُ کَا حِدٍ
مِّنَ النَّسَاۤءِ اِنْ تَقِیْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ
بِطَمَعِ الَّذِیْ فِیْ قَلْبِہِ مَرَضٌ وَ قُلْنَ قَوْلًا
مَعْرُوفًا وَ قَرْنَ فِیْ بُیُوتِکُنَّ وَ لَا تَخْرُجْنَ
تَبَرُّجَ الْجَہْلِیَّةِ الْاُولٰٓئِیْ وَ اَقِمْنَ الصَّلٰوۃَ
وَ اَتِیْنَ الزَّکٰوۃَ وَ اطِعنَ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ
۝

۱۔ مشہور غلط مترجم لکھتا ہے فاحشہ مبینہ کے متعلق
لے ترجمہ قرآن کے حاشہ میں لکھتا ہے افواج نصرو کی جز

اہمات المؤمنین فضل و ثروت کے لحاظ سے دُنیا بھری تمام عورتوں سے افضل ہیں

لَيْسَاءُ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَأَحَدٍ مِّنَ النِّسَاءِ إِنَّ الْفَقِيهَيْنِ قَدْ
تَخَضَّعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِي فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ وَقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوفًا ﴿٣٢﴾
اے نبی کی عورتو! اگر تم پر میزگاری کرو تو تم اور عورتوں کی مانند نہیں ہو پس
دبی زبان سے باتیں نہ کیا کرو کہ وہ شخص جس کے دل میں روگ ہے۔ کسی طرح کالالچ
کرے اور نیک (یعنی شک سے بچی ہوئی) باتیں کیا کرو۔ (ترجمہ مقبول احمد)
انِساء میں جنس انوثیت کا ہر فرد شامل ہے اور دنیا بھر کی کوئی عورت اس
سے یاہر نہیں۔ اور لفظ احد نے اسے نفی بدرجہ اتم تک پہنچا دیا ہے۔ نفی میں احد
کے استعمال نے کسی استثناء کا موقع باقی نہیں رہنے دیا۔ ولہٰذا لیکن لہٰ کفواً
احد پر غور کیجئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت خواتین سے لے کر سیدہ زینب بنت
رسول اللہ تک جنہیں آنحضرتؐ نے ہی افضل بناتی کے خطاب سے مفتخر فرمایا اور
رقیۃ الزہرا صلوٰۃ اللہ علیہا اور سیدہ ام کلثومؓ اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا
تک کوئی بھی ثروت و فضل میں اہمات المؤمنین کے مقام و تہذیب کے لحاظ سے نہیں پہنچ سکتی۔
نبی علیہ السلام کی اولاد سے بھی افضل ہیں۔

مکتب جعفریہ کاسب سے بڑا مفسر طبری کہتا ہے۔

ثم اظهر سبحانه فضيلتهن على سائر النساء بقوله لَيْسَاءُ النَّبِيِّ
لَسْتُنَّ كَأَحَدٍ مِّنَ النِّسَاءِ۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے دنیا کی تمام خواتین پر لستن کا احد
من النساء فرما کر ازواج مطہرات کی قطعی فضیلت کا اظہار فرما دیا ہے۔
(مجمع البیان ج ۸ صفحہ ۳۵۵ مطبوعہ تہران)

ایک اور شیعہ مفسر طوسی لکھتا ہے :

انما قال كأحد ولہٰذا لقل كأحد لان نفی عام للمذکور والمؤنث

والواحد والجماعة لا يشبهكن احد من النساء في جلالة القدر
وعظم المنزلة لمكان من رسول الله صلى الله عليه وسلم -
اللہ تعالیٰ نے لیستن کا حد من النساء میں احد کا لفظ فرمایا
ہے۔ کیونکہ اس کے ذریعے ہر فرد شامل ہو جاتا ہے۔ آیت کا مطلب یہ ہے
کہ اسے نبی کی بیویوں تمہیں رسول اللہ سے جو تعلق ہے اس کی بنا پر دنیا کی کوئی
خاتون جلالت قدر اور منزلت کی بلندی میں نہ تمہارے مشابہ ہوئی ہے۔ نہ
ہو سکتی ہے۔ - تفسیر البیان ج ۸ صفحہ ۳۳۸ مطبوعہ نجف ۱۹۶۳

وفات عائشہؓ کا مولف وقرن فی بیونکن کی لفظی و معنوی تحریفات کے بعد اسراہی کی
آیات کے متعلق بعض پھیلنے سے پہلے یوں یا کھیاں کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کہیں بعض ازواج النبی
کے نام کفہ بہ حالات کو ان الفاظ میں نقل کر رہا ہے وہیں طرف لفظ وفات عائشہ کی قرآن انی کا عکس ملاحظہ کیجئے
واذا اسراہی فی بعض ازواجہ حدیثا
فلما نبأت یہ اظہر لا اللہ علیہ عرفت بعضہ
عرف بعضہ واعرض عن بعض فلما
نبأها قالت من ابنك هذا قال
نبأ فی العلیم الخیر ان تتوبا الی
اللہ فقد صفت قلوبکم
وان نلاہرا علیہ فان اللہ هو
مولہ وجبریل وصالح المومنین
والملائکۃ بعد ذلک ظہیرا
عسی ربہ ان ینزلکم ان ینزلکم
ازواجاً خیراً منکم مسلمت مومت
قیت تیت عیدات سیت تیت
وآ نکاراً

معلوم نہیں اس کو ان آیات میں ازواج مطہرات
کے متعلق کو کسی بات نامکفہ بہ نظر آئی اور
لطف یہ کہ ان تین آیات میں گیارہ لفظ
غلط لکھا ہے۔

قائتات ثابت عابدات
ضالجات تیت وایکاراً -
د پ ۲۸ - ۹ تحریم

سورۃ الشوریٰ باب ۱۰۳

پانچواں باب

تحریمِ پنجسیر اور اہل

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ تَتَّبِعِي مَرْضَاتِ
 أَنَا جَاءَ بِكَ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ① قَدْ فَرَضَ اللَّهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ
 أَيْمَانِكُمْ وَاللَّهُ مَوْلَاكُمْ وَهُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ② وَإِذْ
 أَسْرَى النَّبِيُّ إِلَى بَعْضِ أَزْوَاجِهِ حَدِيثًا فَلَمَّا نَبَّأَتْ بِوَعْدِ اللَّهِ عَلَيْهِ
 عَرَفَتْ لَبِئْسَ مَا كَفَرَ عَنْ بَعْضِ بَنِي إِسْرَءِيلَ قَالَتْ مَنْ أَنَا لَكَ
 هَذَا ط قَالَ نَبَّأَنِي الْعَلِيمُ الْخَبِيرُ ③ إِنَّ تَتُوبَا إِلَى اللَّهِ فَقَدْ
 صَغَتْ قُلُوبُكُمَا ④ وَإِنْ تَظَاهَرَا عَلَيْهِ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ مَوْلَاهُ وَجِبْرِيلُ
 وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمَلَائِكَةُ بَعْدَ ذَلِكَ ظَهِيرٌ ⑤

اے پیغمبر کیوں حرام کرتے ہو وہ چیز جو اللہ نے تمہارے لئے جائز ٹھہرائی۔
 اپنی بیویوں کی رضا جوئی میں اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے ① اللہ نے فرض کر دیا
 ہے تم لوگوں کے لئے تمہاری (خلافِ شرع) قسموں کا کھولنا اور اللہ ہی تمہاری
 پناہ ہے اور وہ علم والا اور حکمت والا ہے ② اور جب پیغمبر نے اپنی کسی بیوی
 سے راز کی کوئی بات کہی پھر جب انہوں نے وہ افشا کر دیا اور پیغمبر کو اللہ نے
 اس سے باخبر کر دیا۔ کچھ بات پیغمبر نے جنابِ دی اور کچھ مال دہی۔ پھر جب
 پیغمبر نے اپنی بیوی کو اس کی خبر کی، بولیں، کس نے آپ کو خبر کی اس کی؟
 کہا مجھ کو خبر دی خداوندِ علیم وخبیر نے ③ اگر تم دونوں اللہ کی طرف رجوع
 کرو تو یہ اقرب ہے کیونکہ تمہارے دل تو مائل ہو ہی چکے ہیں اور اگر اس کے
 خلاف ایسا کرو گی تو اللہ اس کا حامی ہے اور جبریل اور میکائیل اور مسلمان اور مزید
 فرشتے بھی اس کے مددگار ہیں (مولانا فراہی)

اے نبی، تم کیوں اس چیز کو حرام کرتے ہو جو اللہ نے تمہارے لئے حلال کی ہے؟

رکبیا اس لئے کہ تم اپنی بیویوں کی خوشی چاہتے ہو اللہ معاف کرنے والا اور
 رحم فرمانے والا ہے ① اللہ نے تم لوگوں کے لئے اپنی قسموں کی پابندی
 سے انکھٹنے کا طریقہ مقرر کر دیا ہے اللہ تمہارا مولیٰ ہے اور وہی علیم و حکیم ہے ②
 اور یہ معاملہ بھی قابل توجہ ہے کہ بنی نے ایک بات اپنی ایک بیوی سے راز میں
 کہی تھی۔ پھر جب اس بیوی نے کسی اور پر وہ راز ظاہر کر دیا اور اللہ نے بنی
 کو اس (افشائے راز) کی اطلاع دے دی تو بنی نے اس پر کسی حد تک (اس
 بیوی کو) خبردار کیا اور کسی حد تک اس سے درگزر کیا۔ پھر جب بنی نے اسے
 افشائے راز کی یہ بات بتائی تو اس نے پوچھا آپ کو اس کی کس نے خبر دی؟
 بنی نے کہا مجھے اس نے خبر دی جو سب کچھ جانتا ہے اور خوب باخبر ہے ③
 اگر تم دونوں اللہ سے توبہ کرتی ہو (تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے) کیونکہ تمہارے
 دل سیدھی راہ سے ہٹ گئے ہیں۔ اور اگر بنی بنی کے مقابلہ میں تم نے باہم
 جھگڑہ بندی کی تو جان رکھو کہ اللہ اس کا مولیٰ ہے۔ اور اس کے بعد جبریلؑ اور
 تمام صالح اہل ایمان اور سب ملائکہ اس کے ساتھ ہی اور مددگار ہیں ④ (سید مودری)
 اسے بنی جو کچھ اللہ نے تمہارے لئے حلال قرار دیا ہے تم اسے کیوں حرام
 کرتے ہو؟ کیا تم اپنی بیبیوں کی خوشنودی چاہتے ہو؟ اور اللہ بڑا بخشنے والا اور
 بڑا رحم کرنے والا ہے ① خدا تعالیٰ نے تمہارے لئے کفارہ سے تمہاری
 قسموں کا ٹوڑ دیا مقرر فرما دیا ہے اور اللہ تمہارا مالک ہے اور وہ بڑا جاننے والا
 اور حکمت والا ہے ② اور جس وقت بنی نے اپنی کسی توجہ سے ایک بات بطور
 راز کے کہی اور اس نے اس راز سے کسی اور کو آگاہ کر دیا اور اللہ نے بنی
 پر یہ معاملہ کھول دیا تو بنی نے کچھ حصہ تو اس کو جتلا دیا اور کچھ حصہ سے چشم پوشی
 کی پھر جس وقت بنی نے اس (عورت) کو اس سے مطلع کیا تو وہ کہنے لگی کہ آپ کو
 اس کی خبر کس نے دی؟ فرمایا مجھ کو بڑے جانتے والے (اور) بڑے خبردار
 نے خبر دی ③ اگر تم دونوں خدا کے حضور میں توبہ کر لو (تو بہتر ہے) پس تم
 دونوں کے دل حق سے ضرور منکشف ہو گئے ہیں اور اگر تم دونوں ہمارے رسولؐ
 کے برخلاف ایک دوسرے کی پشت پناہ بنو تو اللہ اور جبریلؑ اور صالح المؤمنین

اس کے مددگار ہیں اور بعد اس کے کل فرشتے اس کی کُشت پر ہیں۔

(مقبول احمد شیعہ)

میں نے صرف تین تراجم نقل کرنے پر اکتفا کیا ہے۔ چونکہ اہل سنت کے علمی حلقوں میں اول الذکر دو ترجمے اور اہل تشیع کے ہاں مقبول کا ترجمہ سند کی حیثیت رکھتا ہے۔ باقی جن اصحاب کے ترجمے اس وقت متداول ہیں ان میں بھی بنیادی طور پر وہی جھول موجود ہے جو ان میں ہے۔

ان آیات کا ترجمہ لکھتے وقت اس بات کا لحاظ اولین مقام رکھتا ہے کہ ایک طرف ذکر ہے رحمۃ اللعالمین اور خاتم المعصومین کا اور دوسری طرف ذکر ہے وازداجہ امہتہم اور ولاد ان تنکحوا ازواجہ من بعدہ ابدًا کا

ادب کا ہست زیر آسماں از عرش نازک تر

نفس کم کردہ می آید جنید و بایزید اینجا

میں کہتا ہوں جنید و بایزید کا بھی عزت بخاری نے محض تکلف پرنا ہے۔ یہاں تو فرشتوں کی دم بخود حاضری کا ذکر کیجئے۔

مگر ان آیات کی تفاسیر اور تراجم میں حلال و حرام کے الفاظ کی جس طرح پیہم تکرار کی گئی ہے ان سے حضور خاتم المعصومین وازداجہ امہاتہم کی ذوات منزہ و مطہرہ و مقدسہ کے متعلق قارئین پر اس قسم کے منکری لمحات طاری ہو جاتے ہیں کہ واقعی حضور خاتم المعصومین نے کسی حلال چیز کو اپنی ذات پر محض اپنی ازدواج کی خوشنودی کے لئے حرام قرار دے لیا تھا جبکہ قرآن کے واضح ارشادات میں ولا تقولوا لہما تصف السنۃ الکذب هذا حلال و هذا حرام الخ وغیرہ موجود ہے۔ مگر نہایت سادگی سے ایک طرف حضور خاتم المعصومین کی عصمت کو داغدار کیا گیا۔ اور دوسری طرف ازواج مطہرات کی طہارت کو مجروح کیا گیا۔

ان آیات کا ترجمہ کرتے وقت موقع و محل کا خیال نہیں رکھا گیا۔ خاص کر تحرم، ایمان، تنویا، احل، صغت اور مولیٰ کے الفاظ واقعات کی مناسبت سے تشنہ معنی رہے ہیں جو قارئین کو مطمئن کرنے کے بجائے چند ایک الجھنوں میں ڈالنے کا موجب بنتے چلے آ رہے ہیں۔

تَحْرِمُ کا مادہ حرم ہے۔ حریم اور حرمانا کسی شے کو روک لینا، اس شے کو اس تک پہنچنے نہ دینا وغیرہ کے ہیں اور اس کے بنیادی معنی روک دینے یا ممانعت کر دینے کے ہیں (ابن فارس) الحرام تمام وہ چیزیں جن کی ممانعت کر دی گئی ہو یا جن کے کرنے سے روک دیا ہو۔

أَحْلَى کا مادہ حَلَّ ل ہے۔ جس کے معنی ہیں گرہ کھولنا۔ وَاَحْلَلَ عَقْدَةً مِنْ لِسَانِي، حَلَّ الْمَكَانِ، حَلَّ الْاِحْصَالِ پر غور کیجئے۔
يَحْلِلُ شَيْءٌ کے معنی وجوب کے ہیں اور يَحْلِلُ شَيْءٌ کے معنی نازل ہونے یا اترنے کے ہیں (تاج، راغب وغیرہ)

اس لحاظ سے موقع و محل کو ملحوظ نہ رکھتے ہوئے ترجمہ یوں موزون تھا۔
اے نبی! آپ کیوں اس چیز سے روک گئے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کیلئے جائز فرمائی تھی یہاں مقبول کے ترجمہ کا ذکر بوجہ قابل نظر اندازی ہے۔ حلال و حرام کی اصطلاحات عام ذہنوں میں ایک خاص مفہوم رکھتی ہیں۔ اور جب ہم اس آیت کا ترجمہ مزج طریق سے لوگوں کے سامنے پیش کریں گے تو ان کے ذہنوں میں اس قسم کے تاثرات پیدا ہوں گے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا واقعی کسی حلال چیز کو اپنے لئے حرام قرار دیا تھا۔

جب حلت و حرمت کی بساط مزج حلال و حرام کی اصطلاحات کی زمین پر بچھائی گئی تو پھر اس کے لئے مزید تاویلات کے درپے وا کرنے پڑے اور یہاں تک کہنا پڑا کہ اللہ نے جو اشیاء حلال قرار دی ہیں۔ نبی بھی انہیں حرام نہیں کر سکتا۔ دیکھیے بات کیا تھی اور کھینچ تان کر کہاں پہنچا دی گئی۔
بات صرف اس قدر تھی کہ نبی علیہ السلام نے اپنی بعض ازواج و ش کی خوشنودی کے لئے کوئی شے جو ہو سکتا ہے ان ازواج کو ناپسند ہو آپ نے بھی اس کا استعمال ترک کر دیا ہو۔ مگر یا ر ان سرکل اسے کہاں لے دوڑے۔

دوسری آیت میں اَيْمَانُ کا لفظ آیا ہے۔ اس کا مادہ ايمَن ہے ايمِن دَابِئِیْں ہاتھ کو کہتے ہیں۔ اس لفظ کا مفہوم سمجھنے کے لئے مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُکُمْ، مَنْ شَاطِطِ الْوَادِیْنِ کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے اور اس بات کو بھی ملحوظ رکھنا

ضروری ہے کہ عرب قسم کھاتے وقت دایاں ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ پر ماستے
تھے۔ اس لحاظ سے ایمان کے معنی صرف قسم کے ہی نہیں بلکہ عقد ت
ایمانت کی روشنی میں مستحکم عہد و پیمان کے بھی ہیں۔

لہذا آیت کا مفہوم یوں ہو گا کہ اللہ نے تمہارے لئے اپنے وعدوں کی
پابندی سے نکلنے کا طریقہ مقرر کر دیا ہے۔ مروج تراجم سے قرآن کے قاری تو
یہ سمجھتے ہیں کہ بنی علیہ السلام نے ایک حلال چیز کو اپنی ذات کے لئے حرام
قرار دینے کی قسم کھائی تھی۔ اسی لئے اس آیت کی تفسیر میں وہ کرنے کھارے
تلاکشی کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ کہ کس قسم کی قسم پر کس قدر کفار ہے۔
مگر یہ کسی نے نہیں لکھا کہ بنی علیہ السلام نے اس موقع پر کیا کفارہ ادا کیا تھا۔

حلال و حرام کے ان اصطلاحی معانی کے بعد عصمت انبیاء سے چھینٹے دور
کرنے کے لئے جن مفروضات میں پناہ ڈھونڈی جا رہی ہے ان میں سے اہم ترین
یہ ہے کہ بنی علیہ السلام چونکہ ثابت ہی تطہیف الطبع تھے اور آپ کو بدلو اور چیزوں
سے نفرت تھی اس لئے ازواج مطہرات کے کہنے پر آپ نے مغایر والا شہد
چھوڑ دیا۔ یہ منسوب الی الصحابہ قول کسی کو دن طبع خبیث النفس کی اختراع ہے۔
جو ازواج مطہرات کی ذوات مطہرہ کو کسی نہ کسی طرح بدنام کرنا چاہتا ہے۔ حالانکہ
بنی علیہ السلام خود تطہیف الطبع تھے۔

مگر آپ کو مغایر والا شہد استعمال کرتے ہوئے احساس نہ ہوا اور احساس
دلایا تو ازواج مطہرات میں سے کسی نے۔ اور آپ نے ان کے کہنے پر اس کا استعمال
اپنے لئے حرام قرار دیا۔ اس کا مطلب تو یوں اخذ کیا جاسکتا ہے کہ ازواج مطہرات
میں سے وہ ذات مطہرہ زیادہ تطہیف الطبع تھیں۔ جنہیں مغایر والے شہد کی بو
ناگوار گزری اور انہیں بنی علیہ السلام کی شفقت و رحمت کی پیہم نوازشوں کی کیفیت
کے تجربات نے یہ جرأت دلائی۔ مگر باران سربل ماروں گھٹنا پھوٹے آنکھ کے مصداق
اسے دوسرے معنوں میں لے اڑے۔

اصل بات جو ان دو آیات سے مترشح ہوتی ہے وہ صرف اس قدر تھی کہ
بنی علیہ السلام نے کوئی چیز استعمال فرمائی۔ ازواج مطہرات میں سے کسی ایک جہ مطہرہ

یا ایک سے زیادہ کو وہ چیز نبی علیہ السلام کی ذات کے لئے پسند نہ تھی انہوں نے
آنحضرت کی خدمت میں عرض کی کہ آپ اس چیز کا استعمال نہ فرمائیں اور آپ
نے اس کا استعمال کرنا ترک فرما دیا۔ اتنی سی بات تھی جسے افسانہ کر دیا۔
مگر چھینٹے اڑانے۔ مطلب تھے ازواج مطہرات کے دامانِ طہارت پر
اب نبی علیہ السلام کی ذات اقدس بھی زد میں آتی رہے تو پراہتیں یہاں تو

جبریل کہ آمد ز پس خالق بیرون
شد پیش محمد و مقصور علی بود

پر ایمان تھا۔ مگر سیدھے سادے مسلمان بھی اس لپیٹ میں آ گئے۔
گفتی چه شد قاعده مرد محبت؟
رسم کہنے بود لعبر تو برافتاد!

مروج تراجم میں بے احتیاطی نے جو راستے ہموار کئے اب ان کے ازالہ کی
کوٹ شیں شروع ہوئیں اور پھر اس پر تاویلات کی عمارتیں اٹھائی گئیں۔ یعنی
۱۔ حلال و حرام اور جائز و ناجائز کے حدود مقرر کرنے کے اختیارات
صرف اللہ تعالیٰ کو ہیں۔

۲۔ عام انسانی معاشرہ سے انبیاء کا مقام بہت بلند ہے اور اس لحاظ
سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر کڑی نگرانی رکھی جاتی ہے۔

۳۔ انبیاء کو معمولی معمولی باتوں پر بھی ٹوک دیا جاتا ہے اور ان کی اصلاح کی جاتی ہے
پھر آگے چل کر ان خود سادہ تنقیحات پر ائمہ اربعہ کے تقلید
الگ الگ فقہی استنباط کے مباحث سے امت کے اذہان کو تلبیہ کر کے رکھ دیا۔

ذرا اور آگے بڑھیے۔ حرم کا محل استعمال نہ سمجھنے سے بعض نے کہا کہ
۱۔ تحریم قسم سے نہیں ہے۔

۲۔ ایک گروہ نے کہا کہ کسی چیز کو حرام کر لینا بجائے خود قسم تو نہیں مگر بیوی
کا معاملہ اس سے مستثنیٰ ہے۔

۳۔ ایک گروہ اس طرف گیا ہے کہ تحریم بجائے خود قسم ہے۔

غرضیکہ معمولی سی بات کو طول پیر خوب خوب ذہنی ورزشوں کی طرح ڈالی گئی۔

یہ سب کچھ تو کہا گیا مگر یہ کسی کو آج تک معلوم نہیں ہو سکا کہ وہ بات کیا تھی جس پر "حرام و حلال" کی بحث کو اتنا طول دیا گیا۔

ایک گروہ نے کہا کہ نبی علیہ السلام نے مختلف بادشاہوں کو جو خطوط لکھے تھے ان میں سے ایک خط حاکم مصر کو لکھا تھا جسے عرب مقوقس کہتے تھے۔ اسلام تو نہ لایا۔ مگر اس نے نبی علیہ السلام کے سفیر حاطب بن ابی بلتعہ کی بڑی عزت کی اور انہیں رخصت کرتے وقت مصر کی دو نہایت خوب صورت لڑکیاں نبی علیہ السلام کی خدمت میں بھیجیں۔ جن کے نام سیرین اور ماریہ تھے۔ سیدنا حاطب نے راستہ میں ان پر اسلام پیش کیا۔ اور وہ ایمان لے آئیں۔ نبی علیہ السلام نے سیرین سیدنا حسان بن ثابت کی ملک عین میں دے دی۔ اور سیدہ ماریہ کو اپنے حرم میں داخل فرمایا۔ انہیں کے بطن سے ذی الحجہ ۸ ہجری میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام پیدا ہوئے۔ آپ بہت خوب صورت تھیں۔ چنانچہ سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی طرف یہ قول منسوب کیا جاتا ہے کہ آپ نے فرمایا مجھے کسی عورت کا آنا اتنا گوار نہ ہوا جتنا ماریہ کا آنا گوار گزرا۔

ان کے متعلق متعدد طریقوں سے جو قصہ روایات کے ذریعہ آگے چلا وہ یوں ہے کہ ایک روز خاتم المعصومین صلی اللہ علیہ وسلم ام المؤمنین حضرت حفصہ طاہرہ کے مکان میں تشریف فرما تھے۔ آپ گھر پر موجود نہ تھیں۔ اچانک ام المؤمنین سیدہ ماریہ طاہرہ وہاں جا نکلیں اور خالیہ میں آنحضرت کے سناٹے رہیں۔ ام المؤمنین سیدہ حفصہ طاہرہ نے آنحضرت سے شکایت کی۔ اس پر آپ نے ان کو ماضی کرنے کے لئے ماریہ کو اپنے نفس پر حرام کر لیا۔

یہ روایت جتنے طریقوں سے بھی نقل ہوتی آرہی ہے زیادہ تر تابعین سے مراد نقل ہے۔ بعض طرق میں سیدنا فاروق اعظمؓ سیدنا ابن عباسؓ اور سیدنا ابو ہریرہؓ کا نام بھی لیا جاتا ہے مگر صحاح ستہ میں اس داستان کا کوئی سراغ نہیں۔

۱۔ سب سے پہلے قابل توجہ بات یہ ہے کہ ازواج مطہرات کے حجرات ساتھ ساتھ تھے اور پھر مسجد نبوی سے فارغ ہو کر نبی علیہ السلام کا اکثر یہ معمول تھا کہ چند لمحات کے لئے ہر زوجہ مطہرہ کے ہاں تشریف لے جاتے۔ اور جہاں آپ کی شب باشی کی باری ہوتی وہاں کچھ وقت کیلئے

سب جمع ہو جائیں۔ آپ کا سیدہ حفصہ طاہرہ کے حجرہ میں اکیلے قیام فرما ہونا محل نظر ہے۔

۲۔ آنحضرتؐ سیدہ حفصہؓ کے حجرہ میں تشریف فرما ہوتے ہیں مگر ان کا وہاں موجود نہ ہونا قابل تسلیم نہیں۔ اگر اس روزانہ کی باری تھی تو ان کا وہاں موجود ہونا ضروری تھا۔ مگر ان کی باری نہیں تھی تو تب بھی حجرات مقدسہ کی صورت یہ تھی کہ ان میں سے کسی حجرہ میں آپؐ کا تشریف لیجا یا اور کسی توجہ مطہرہ کا آپؐ کو حجرہ میں داخل ہوتے ہوئے نہ دیکھنا ایک حیران کن امر ہے۔

۳۔ ام المؤمنین ماریہ طاہرہ ہی کیوں ام المؤمنین حفصہؓ طاہرہ کے حجرہ میں تشریف لے گئیں۔ اور پھر نہ کسی نے آنحضرتؐ کو وہاں داخل ہوتے دیکھا اور نہ ام المؤمنین ماریہ طاہرہ کو۔

۴۔ سب سے حیران کن امر یہ ہے کہ حضور خاتم المعصومینؐ ام المؤمنین ماریہ طاہرہؓ کو دیکھتے ہیں اور بے قرار ہو کر ان سے دن کے وقت ہی خلوت فرما لیتے ہیں۔ یہاں اس بات کو بھی یاد رکھیے کہ حجرات مقدسہ کے دروازوں میں کواڑ نہ تھے بلکہ کنبل یا پاٹ کے پردے ہوتے تھے ایسی حالت میں آنحضرتؐ کے متعلق ایسا تصور بھی حسیں میں کسکی طاری کر دیتا ہے اور پھر وہ عدل بین الارواح کے متعلق کیا کہا جائے گا۔

۵۔ ام المؤمنین سیدہ حفصہؓ طاہرہ جلیل القدر باپ کی جلیل القدر بیٹی تھیں۔ امانتِ در قرآن الہییت پاک سیدہ حفصہؓ طاہرہؓ کی ذاتِ اقدس پر یہ بہت بڑا بہتان ہے۔ کہ وہ اس بات کی شاکی ہوئیں ازواجِ مطہراتؓ تو نبی علیہ السلام پر پروانہ وار نہ رہتی تھیں۔ اپنے محبوب کے اشارہ اور کو مفتِ تعلیم کی دولت سمجھتی تھیں۔ انہیں احبات المؤمنینؓ کا شرف حاصل ہونے کی وجہ ہی یہی تھی کہ وہ ہر قسم کے خباثت سے پاک تھیں۔ پھر حفصہؓ طاہرہؓ تو ایک جلیل القدر باپ کی جلیل القدر بیٹی تھیں۔

۶۔ اور سب سے اہم یہ کہ نبی علیہ السلام نے اتنی سی بات پر اپنے ایک حرم کو

اپنے نفس پر حرام کر لیا۔ ایسا لکھتے وقت لکھنے والوں کے ہاتھ کیوں نہ کانپے، جسم پر لرزہ کیوں نہ طاری ہوا۔ سول پہلو میں پھر تک کیوں نہ اٹھا۔ اس قسم کی منسوب الی الصحابہ روایات نے ایک ایک تیر سے کئی کئی شکار اکٹھے ہیں۔ حضور رحمتہ للعالمین کی عائلی زندگی کا نقشہ کس کسٹا خانہ اور منافقانہ انداز میں کھینچا جا رہا ہے۔ اور نبی علیہ السلام کو اس قدر مغلوب الشهوت بنا کر پیش کیا جا رہا ہے کہ انہوں نے ایک ایسے مقام پر جہاں دوسروں کے لئے آنے جانے کی کوئی رکاوٹ نہیں ہو سکتی تھی یوں تنخلیہ فرمایا۔

آسمانِ راحتِ بود گر خوں بیار و بر زمین
اس قسم کے منسوب الی الصحابہ اقوال کے خالق وہی یوز و مجوس کے گھٹ جوڑ کی تخلیق مخلوق تھی۔

کسے خبر تھی کہ لے کر چراغِ مصطفوی
جہاں میں آگ لگاتی پھرے گی بولہبی
اب میں ان روایات کے مآخذ کی طرف قارئین کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں۔ مشہور شیعہ مولوی مقبول جسے اپنی وریدہ دہنی کی وجہ سے حکومت ہند نے جیل کی سیر کرائی تھی۔ سورہ تحریم کی پہلی دو آیتوں کے متعلق اپنے حاشیہ میں لکھتا ہے۔
”تفسیر نبی میں ہے کہ سبب نزول اس سورۃ کا یہ ہوا کہ جناب رسول خدام ایک دن حفصہؓ کے گھر میں تھے اور ماریہ قبطیہؓ آپ کی خدمت کر رہی تھی اور حفصہؓ کسی کام کو گھٹی تھی۔ آنحضرتؐ نے ماریہ سے ہم بستری کی۔ حفصہؓ کو اس کی خبر ہوئی تو بہت جھنجھلائی۔ اور جناب رسول خدام کے رُودر رو کہا کہ یا رسول اللہ میرے ہی دن میں میرے ہی گھر میں اور میرے ہی بستر پر۔ آنحضرتؐ کو حیا آئی اور اس سے فرمایا کہ بس کر بس کر میں ماریہؓ کو آئندہ سے اپنے نفس پر حرام کرتا ہوں۔ اس سے اس کے بعد کبھی ہم بستری نہ کروں گا۔“

اس کے بعد اسی روایت کا باقی حصہ تفسیری جو تھی آیت سے متعلق ہے وہ اپنے مقام پر بیان کیا جائے گا۔ اہل سنت کے جن مفسرین قرآن اور شارحین حدیث نے لہ تیسوم کے متعلق ام المؤمنین ماریہ طاہرہ کی ذات مطہرہ کے متعلق جو نوشتگافیاں کی ہیں وہ سراسر فرض کی ترجمان ہیں۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ ضال و مضل کردہ کے اس ترجمان کو ام المؤمنین ماریہ قبطیہ کی وکالت اور طرفداری کی کیوں سوچھی؟ حالانکہ ان فاسقین، مضلین اور لا اورین کے نزدیک سوائے خدیجۃ الکبریٰ تمام منافقہ تھیں اور پھر بنی علیہ السلام کی وفات کے بعد جب سوائے یمن کے تمام مرتد ہو گئے تو سیدہ ماریہ ان کی زبان سے کیسے بچ گئیں۔

قاریں کو شاید معلوم ہو گا کہ یہود کا اولین مسکن اور مرتد و بوم مصر تھا اور سیدہ ماریہ مصری تھیں۔ اور اس کے بعد قائلین سیدنا ذوالنورینؑ میں مصریوں کو خاص محبت حاصل تھی۔ ان کے روحانی گرواں سب سے زیادہ کامیابی مصر سے ہی حاصل ہوئی تھی۔ یہ مصر ہی تھا جہاں فاطمیہ نے کئی صدیوں تک مسلمانوں کے خون سے مہولی کھیلی۔ حقیقت یہ ہے کہ ان لوگوں کو سیدہ ماریہ سے محبت نہیں بلکہ سیدہ موصوفہ کی آڑ میں صدیقہ کائناتؑ کی ذات مطہرہ پر غبار نکالنا مقصود تھا۔

الغرض سورۃ التحریم کی پہلی دو آیات کے ترجمے اور تفسیر سے جس طرح مسلمانوں کو "شاد کام" کرنے کی کوششیں کی گئی ہیں۔ اسے علمی تحلیل کی بلند پروازی کہہ لیجئے یا ذہانت و فطانت کا اظہار یا شرارت۔ مگر حقیقت کے ساتھ اس کا دور دور تک کوئی تعلق نہیں۔ کیا خوب انداز ہے کہ پہلے جی بھر کر سنگباری کر کے زخمی کر لیجئے اور پھر ہمدردانہ انداز میں اس پر مرہم لگانا شروع کر لیجئے۔

فیضی احسن ازین عشق کہ دورانِ امروز

گرم دارد ز تو ہم سنگامہ سوانی را

سورۃ التحریم کی پہلی دو آیات کا ترجمہ مالا دیوک پچھالنے بڑی شستہ زبان میں کیا ہے!

O PROPHET! WHY BANNEST THOU THAT WHICH ALLAH HATH MADE LAWFUL FOR THEE, SEEKING TO PLEASE THAT WIVES?

اس مقام پر مرحوم مارٹن لوتھر کا ترجمہ WHY BANNEST کے الفاظ میں کرتے ہیں مگر جب انما حرم علیکم المیتۃ کا ترجمہ لکھتے ہیں۔ تو BANNEST کی بجائے FORBIDDEN کے لفظ سے کرتے ہیں چنانچہ ملاحظہ ہو انما حرم علیکم المیتۃ کا ترجمہ — HE HATH FORBIDDEN YOU —

ہمارے مروجہ تراجم میں لہذا تحریم اور انما حرم علیکم المیتۃ کا ترجمہ لفظ حرام سے کیا جاتا ہے یہی وہ بیماری غلطی ہے جس نے ہر دور میں لہذا تحریم کے ضمن میں نئی نئی تاویلات کے درپے وا کئے۔ ایسا تو مسلم انگریزوں کو لہذا تحریم اور حرم علیکم المیتۃ کا مفہوم سمجھ لیا مگر ہم نیزہ سو سال میں سے

علمی مذاق رکھنے والے اصحاب ہی FORBIDDEN اور BANNEST کا فرق سمجھ سکتے ہیں کہ حقیقی حرام اور سورت التحريم کے لہذا تحریم کے درمیان فی الواقع کس قدر بعد ہے۔

سورت التحريم کی پہلی آیت کا صحیح مفہوم مولانا فتح محمد جالندھری مرحوم نے بیان کیا ہے۔ لکھتے ہیں :

اے پیغمبر جو چیز خدا نے تمہارے لئے جائز قرار دی ہے تم اس سے کنارہ کشی کیوں کرتے ہو۔ کیا اس سے اپنی بیویوں کی خوشنودی چاہتے ہو اور خدا بخشنے والا مہربان ہے۔

سید سلیمان ندوی اپنی تالیف سیرت عائشہؓ میں لکھتے ہیں :

آیت دوم کی تفسیر میں ہمارے بعض مفسرین نے غلطیاں کی ہیں۔ ان کے خیال کے مطابق دوسری آیت کا ترجمہ یوں ہوگا :

اگر تم دونوں خدا کی طرف رجوع کرو (تو یہ نہایت ضروری ہے) کیونکہ تمہارے دل کج ہو گئے ہیں اور اگر اس پر ایسا کرو تو خدا اس کا رپیہ کرے گا۔

خط زرد ترجمہ بالکل غلط ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ یہ جملہ شرطیہ ہے اور اس کی جزا
محذوفہ عرب کے مطابق محذوف ہے ہم نے وہ جزائے محذوف لایا اس (کوئی
ایسی مشعل بات نہیں) قرار دی ہے۔ مفسرین کے مطابق وہ قہو واجب (یہ ضروری
ہے) ہوگی۔ کلام عرب برحق کو عبوس ہے وہ تسلیم کریں گے کہ "ان" کے بعد جزاء
محذوف ہوتی ہے۔ اور اس کے بعد نقد کے ساتھ اس کی جزا کی علت بیان کر دیتی
ہے۔ تو ہمیشہ لایا اس (کچھ مضائقہ نہیں) لاہر ج (کچھ ہرج نہیں) لا ضرر
(کچھ نقصان نہیں) فہو کھین (یہ تو معمولی بات ہے) وغیرہ الفاظ بطور جزا کے
مراد ہوتے ہیں۔ سید صاحب نے اس مقام پر قرآن مجید سے اس قسم کے چند ثواب
بھی پیش کئے ہیں۔

پھر لکھتے ہیں صفت کا ترجمہ ناغت یعنی کج ہونا بھی صحیح نہیں حضرت عائشہ
اور دیگر اہل بیتؑ نے خود باللہ اس سے بالاتر ہیں کہ ان کے دل کج اور گمراہ ہوں
اُردو میں دو مفہوم ہیں کسی چیز پر سے کسی اور چیز کی طرف جھکنا یا مائل ہونا۔
آگے چل کر
تو یہ عبارت ہوگی

اگر تم دونوں خدا کی طرف رجوع کرو (تو تمہارے لئے یہ آسان ہے) کیونکہ
تمہارے دل رجوع الی اللہ کی طرف مائل ہو ہی چکے ہیں۔ ریت عائشہؓ
حقیقت یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی حلال چیز کو اپنی ذات
کے لئے حرام قرار نہیں دیا تھا۔ بلکہ اس چیز کے استعمال سے پرہیز کرنے کے متعلق
فرمایا تھا۔ یہ حلال و حرام کے اصطلاحی سنپوں کے دراصل رفض کے بدلے میں کہاں
گھسے ہیں۔ اس قسم کی روایات نقل کرنے والے اپنے ان اکابرین کے متعلق ہم
اس مقام پر دینا غفر لنا ولاخواننا الذین سبقونا بالايمان
ولا تجعل فی قلوبنا غلا للذین امنوا ربنا انک رؤف رحیم پڑھتے
ہوئے یہی کہہ سکتے ہیں کہ وہ ان آیات کا مفہوم سمجھنے میں بہت بڑے تسامح اور
ذہول کا شکار ہو کر رہ گئے۔

سورہ تحریم کی تیسری چوتھی آیات میں تنویا۔ صفت اور مولیٰ کے الفاظ توجہ طلب

ہیں۔ ان الفاظ پر غور کرتے سے پہلے اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ جن آیات غلم و فضل نے ان چار آیات کو ایک ہی واقعہ قرار دیا ہے وہ کسی طور بھی قابل اعتنا نہیں۔ اذ کا لفظ جہاں استعمال ہوتا ہے وہاں سے ایک دوسرا واقعہ شروع ہوتا ہے۔ آگے چل کر اس بات کی وضاحت کی جائے گی کہ ان ہر دو واقعات کو ایک واقعہ سمجھنے والوں نے صریحاً رفض کے کارخانہ میں تیار شدہ میٹر بل سے اپنی عمارت کی بنیادیں رکھی ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ نبی علیہ السلام کی حیات مقدسہ میں صحابہ کرام ان آیات مقدسہ کے شان نزول یا ان آیات سے متعلق واقعات کو جانتے بھی نہ تھے۔ میرے اس خیال کی تائید میں اس روایت پر غور کیجئے۔ جو مسند احمد بخاری، مسلم، ترمذی اور نسائی میں عبد اللہ بن عباس رضی سے روایت کی گئی ہے۔

فرماتے ہیں۔ میں ایک مدت سے اس فکر میں تھا کہ حضرت عمرؓ سے پوچھوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں سے وہ کون سی دو بیویاں تھیں جنہوں نے حضورؐ کے مقابلہ میں جتھہ بندی کر لی تھی۔ اور جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ ان تتوبوا الى الله فف، صغت قلوبكم۔ لیکن ان کی میت کی وجہ سے میری ہمت نہ بڑھتی تھی۔ آخر ایک مرتبہ وہ حج کے لئے تشریف لے گئے اور میں ان کے ساتھ گیا۔ واپسی پر راستہ میں ایک جگہ ان کو وضو کراتے ہوئے مجھے موقع مل گیا۔ اور میں نے یہ سوال پوچھ لیا۔ انہوں نے جواب دیا وہ عائشہؓ اور حفصہؓ تھیں۔ اس کے آگے روایت لمبی ہے۔ میں یہاں صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ سورہ تحریم کا زمانہ نزول، یا ہجری ہے اگر فاروق اعظمؓ اپنی خلافت کے دوسرے سال یعنی ۴ھ میں حج کے لئے تشریف لے گئے تو گویا سورہ تحریم کے نزول کے زمانہ سے فاروق اعظمؓ کے حج کے زمانہ تک کم از کم چھ سال کی مدت بنتی ہے۔ اور اگر حضرت ابن عباسؓ نے ۴ھ کے بجائے بعد کے کسی حج کے سفر میں یہ بات دریافت کی ہو تو اس انتظار میں نامعلوم انہیں کتنے سال گزارنے پڑے ہوں گے۔ اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عبد اللہ بن عباسؓ جیسے جلیل القدر صحابی کو جو صرف صحابی ہی نہیں بلکہ نبی علیہ السلام کے محبوب چچا کے بیٹے تھے اور

جنہیں آج دنیائے اسلام جبر الامت کے لقب سے پکارتی ہے اور جنہیں خلوت و خلوت میں دربار رسالت میں امانت کا شرف حاصل تھا انہیں بھی اس افسانہ کا علم نہ تھا۔ پھر بدیگراں راچہ رسد۔

آج پہلی دوسری آیات کا ترجمہ جن حلال و حرام کے معروف معنوں میں کیا جاتا ہے۔ یا دوسری آیات کا ترجمہ جس طرح آج ہمارے سامنے پیش کیا جاتا ہے اگر صحابہ کرامؓ اس تاثر سے آگاہ ہوتے تو قیامت کا منظر بدیہ ہو جاتا۔

تتوبوا۔ صغت۔ مولیٰ

تتوبوا کا مادہ تَاب، تَوْبًا، تَوْبَةً۔ متاباً ہے۔ اس کے معنی ہیں واپس آ جانا۔ جس طرح بندوں کے متعلق ان اللہ یحب التَّوَّابین ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کے لئے اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا آیا ہے۔ مروج تراجم میں توبہ اور استغفار کا فرق ملحوظ نہیں رکھا گیا۔

تَاب عنده اور منه کا مفہوم ہے اپنی غلطی کا احساس ہونے کے بعد صحیح روش اختیار کرنا۔

صغت کا مادہ ص غ د ہے اور صغوا یصغوا و صغی کے معنی ہیں مائل ہونا و لتصغی الیہ افسدۃ تاکہ ان کے دل ان کی طرف مائل رہیں۔

مولیٰ کا مادہ ولی ی ہے جس کے معنی ہیں کسی کے قریب ہونا یا نزدیک ہونا۔ ابن فارس، قریب کے اعتبار سے مولیٰ دوست یا مددگار کو کہتے ہیں۔

ذال بان اللہ مولیٰ الذین امنوا وان الکافرین لا مولیٰ لہم یعنی قریب و مددگار ہوں یا رفیق اور رفیق اللہ ہے۔ مگر اس کے نافرمانوں کا کوئی مددگار دوست یا رفیق نہیں۔ یوم لا یغنی مولیٰ عن مولیٰ شئاً۔ یعنی قیامت کے دن کوئی دوست کسی کے کام نہیں آئے گا۔

چوتھی آیت کے ترجمہ کے مندرجہ ذیل فقرات

اگر تم خدا کے آگے توبہ کرو

تمہارے دل کج ہو گئے

تم ایکاروی یا جھٹہ بندی کرو گی

اللہ اس کا مولیٰ ہے۔

ذہنوں میں بجائے طمانیت یا تسکین کے بے اطمینانی اور اضطراب کی کیفیت پیدا کرنے کے موجب ہوئے ہیں۔ بات کسی عام شخصیت کی نہیں بلکہ نبی علیہ السلام کی ازواج مطہرات کی ہے۔ قرآنی الفاظ کا ان کی شان میں اس گستاخانہ انداز سے ترجمہ کم از کم ایک کامل الایمان انسان کی ذلت سماعت اس کی مختل نہیں ہو سکتی۔ اگر اس آیت کا مفہوم ان الفاظ میں ادا کیا جاتا۔

”اگر تم دونوں اللہ تعالیٰ کے حضور میں رجوع کرو تو بہتر ہے کیونکہ

تمہارے دل اس راز کو ظاہر کرنے پر (HERTS DESIRED)

مائل ہو گئے ہیں۔ اگر تم پیغمبر پر ایک دوسرے کی اعانت کرو گے تو

اللہ تعالیٰ، جبریل، تمام صالح مومنین اور سب فرشتے اس کے مددگار ہیں۔“

تو وہ تمام بادل خود بخود چھٹ جاتے جنہوں نے ایک طرف عصمت رسالت کو غبار آلود کیا اور دوسری طرف نبی علیہ السلام کی ازواج مطہرات کی عفت و طہارت کو دھندلانے کی صورت پیدا کر دی اور پھر اس تشکک و اضطراب کی دھندلاہٹ کو دور کرنے کے لئے ٹانگ لڑے مارنا شروع کر دیئے۔

امام فراہی کہتے ایمان افراد انما میں رقمطراز ہیں پس اس آیت کی تائید

یہ ہوگی کہ اگر تم پیغمبر کی رضا جوئی کے لئے خدا سے توبہ کرو جس طرح پیغمبر تمہاری دلداری فرماتا ہے تو یہی بات تم سے متوقع ہے کیونکہ تمہارے دل تو اس کی طرف مائل ہی ہیں۔ یہ ایک بالکل واضح اور صاف تائید ہے جس میں کسی نہ کسی قسم کا اشکال ہے نہ کوئی ثنائیہ تعلقات ہے۔ پھر نہیں معلوم کیسے چھوٹی روایات پر بھروسہ کر کے (جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کی جاتی ہے حالانکہ ان کا دامن ان سے پاک ہے) لوگوں نے لفظ کے ٹھیک معنی اور کلام کے صحیح مدعا سے اعراض کیوں جائز سمجھا۔“

ر تفاسیر فراہی صفحہ ۱۷۹

امام فراہی کا اشارہ غالباً انہیں روایات کی طرف ہے جو کسی دوسرے مقام پر اس ضمن میں بیان کی گئی ہیں کہ تیرہ چودہ ہجری تک مسلمانوں کو ان باتوں کا علم تک نہ تھا۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے دریافت کی تھیں۔ یا ران طرہیت نے

پہلے تو قرآنی الفاظ میں تحریف کی راہیں تلاش کیں مگر حیب انہیں بند پایا۔ تو
معنوی تحریفات کے اتار لگا دیئے۔

نقد صفت قلوبکما کی تشریح علامہ آلوسی ان الفاظ میں کرتے ہیں:
مالت عن الواجب من موافقتہ صلے اللہ علیہ وسلم بحب ما یحبہ و
کراہتہ ما یکرہ الی مخالفتہ یعنی تم پر واجب تو یہ ہے کہ نبی علیہ السلام
کی پسندیدگی کو اپنی پسندیدگی اور آپ کی ناپسندیدگی کو ناپسند کرتے ہیں آنحضرت
کی موافقت کرو مگر تمہارے دل اس معاملہ میں آنحضرت کی موافقت سے
ہٹ گئے ہیں۔

و ان تظاہر علیہ تظاہر کی تشریح مولانا شبیر احمد عثمانی ان الفاظ
میں کرتے ہیں اگر تم دونوں اسی طرح کی کارروائیاں اور مظاہرے کرتی رہیں۔
اب قابل غور بات یہ ہے کہ وہ بات کیا تھی اور دارج مطہرات میں سے
وہ دو کونسی بیویاں تھیں اور ان دو سے کونسی ایسی عظیم حرکت سرزد ہوئی تھی جس
کا ذکر قرآن مجید میں کیا گیا۔

پہلی دو باتوں کا کھوج لگانا جن کا ذکر قرآن میں ہے نہ صحیح احادیث میں
بلکہ عبداللہ بن عباس متواتر چھ سال تک اس کھوج میں رہے تب کہیں جا کر فاروق عظیم
سے ان کے نام معلوم ہو سکے مگر بات علم پھر بھی نہ ہو سکا۔ اس کے باوجود بعد میں
آنے والوں نے اپنی تمام علمی کاوشیں ان دو باتوں پر ہی صرف کرنے کو دین کی
عظیم خدمت سمجھا۔ حالانکہ ابن عباسؓ کو الی روایت بھی بقول امام ربانیؒ صحیح نہیں۔
بات اہم تھی یا معمولی لیکن اللہ تعالیٰ نے اس لئے قرآن میں فرمایا کہ معاملہ
ایک طرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے متعلق تھا اور نبی اکرم کی
ذات تمام نسل انسانی کے لئے حزن ہدایت تھی۔ دوسری طرف اس کا تعلق سراج
مطہرات کی ذات قدسیہ سے تعلق رکھتا تھا اور ازدواج مطہرات کی ذات قدسیہ
تمام صنف انات کے لئے شمع ہدایت تھیں۔

ان کی زندگیوں کا ایک ایک گوشہ نسل انسانی کے سامنے پیش کر کے یہ
بتانا مقصود تھا کہ آنے والی نسلوں کے لئے جیسا کہ بعد میں آنے والے یہود و مجوس

گھڑ جوڑ کے آگے اس نے دریدہ دہنی کو اپنا شعار بنا رکھا ہے۔ مزمومہ مفروضہ اور
من گھڑت انتہا مات کا منہ بند کیا جائے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے قرآن میں کارنامہ نبوت
سے متعلق معمولی معمولی باتوں کو یوں واضح طور پر ارشاد فرمایا ہے تو جو باتیں
آج یہ بدباطن ان کی ذوات قدسیہ کی طرف متسوب کرتے ہیں اگر صورت ایسی
ہی ہوتی تو محالہ کتنا اہم ہوتا۔

اے گستاخان ناموس رسالت اے خروس و مغالان زبانہ اے عفت عفت
کنندگان بر عصمت و عفاف ذوات مطہرات! تم اپنی ذاتوں کو جہنم سے بچانے
کی کوشش کرو۔ جن باتوں کو اللہ تعالیٰ نے بیان نہیں کیا۔ جن کے متعلق نبیؐ
نے کچھ نہیں فرمایا۔ جن کے متعلق صحابہ کرامؓ خاموش رہے تم ان باتوں کے
کھوج میں کیوں ہلکان ہوئے جا رہے ہو۔ یہ وہ پاک باز ہستیاں ہیں جن کی
زندگی کی ہر کر وٹ خور اللہ تعالیٰ نے نسل انسانی کے سلسلے میں شرح کر کے
رکھ دی ہے۔

اے دزدان قافلہ نبوت! اے ساربان محل ہائے عفاف رسالت! اگر
تمہارے دلوں میں پیشہ بھر بھی ایمان یا حیا کی رمق ہوتی تو تم لوں نثار خانی نہ کرتے
چونکہ اللہ تعالیٰ خود ہی خانوادہ نبوت، حقیقی اہل بیت رسالت کی عصمت
عفت اور طہارت کا ضامن تھا۔ اس لئے ابھی بدباطنوں کے کربت آلود دہن ہائے
منغض سے کیا پتہ کی بات اگلوادی۔

مروادی مقبول کی زبان سے تفسیر نبی کی ادھی روایت صفحات گزشتہ
میں بیان ہو چکی ہے۔ باقی سنئے :-

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ام المومنین سیدہ حفصہؓ طاہرہ کو محض طب
کر کے فرماتے ہیں :

نچھ سے میں ایک رات کی بات کہتا ہوں اگر تو نے اس سے
کسی کو آگاہ کر دیا تو تجھ پر اللہ کی بھی لعنت ہوگی اور کل فرشتوں
کی بھی اور کل آدمیوں کی بھی۔ حفصہؓ نے کہا بہت اچھا فرمایئے
آنحضرتؐ نے فرمایا کہ میرے بعد ابوبکرؓ خلیفہ بن بیٹھے گا اور پھر اس

کے بعد تیرا یاوا۔ حصہ نے کہا من انباک هذا۔ فرمایا۔
نبانی العلیہ الخیر رہ شیعہ قرآن مترجم مولوی مقبول

ان دو آیات کے نزول سے کتنی عظیم حقیقت کا انکشاف اللہ تعالیٰ
نے ان بد باطن لوگوں کی زبان سے ہی کرادیا۔ جنہوں نے آگے چل کر خلیفہ بلا فصل
کی بانگی سے ایک عالم کو پریشان کرنا تھا۔

سورہ تحریم کی تیسری چوتھی آیت کی اس سے صحیح تر تشریح کوئی نہیں۔ اب
ایک سوال یہاں یہ پیدا ہو سکتا ہے کہ اتنی بات پر اس ارشاد کا فان اللہ ہو
مولانا الخ میں کیا راز ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم معلم دین بھی تھے اور معلم اخلاق بھی، حامل وحی بھی
تھے اور ابلاغ رسالت کے ذمہ دار بھی۔ صدر مملکت بھی تھے اور وزیر اعظم بھی، وزیر
داخلہ بھی تھے اور وزیر خارجہ بھی، لا تعداد جہانوں اور فود کے میزبان بھی تھے اور
دارالعلوم صفہ کے معلم اعلیٰ بھی، افواج کے کمانڈر بھی تھے اور غازیوں کے امام بھی۔
اپنے کتبہ کے سربراہ اور کھیل بھی تھے اور شہمیوں کے ٹکسار بھی، ضعیفوں کے ملجأ،
بیواؤں کے آسرا، مساکین و تنہا دستوں کے ہمدرد و دستگیر بھی۔ ایک طرف تبلیغی
وفود بھیجے جا رہے ہیں اور دوسری طرف جہاد کے لئے فوجی کاظم، ایک طرف منافقین اور
طور پر ریشہ دوانیوں میں مشغول ہیں اور دوسری طرف قریش مکہ شب سیداری کا
یہ عالم ہے کہ پیہم کئی راتیں نوافل کی نذر ہو جاتی ہیں۔ روزے شروع کرتے
ہیں تو افطار کا خیال ہی نہیں، پیٹ بھر کر کھانا نصیب نہیں۔ غرضیکہ تمام دنیا
جہان کی کونسی ذمہ داری ہے جس کا بوجھ آپ کے کندھوں پر نہیں۔ ان حالات میں
آپ ایک بیوی سے کہتے ہیں کہ میرے بعد ابوبکر صدیق خلیفہ ہوں گے اور ان کے
بعد تمہارے والد فاروق اعظم۔ مگر مصیبت وقت کے لحاظ سے فرماتے ہیں۔
کہ کسی سے ذکر نہ کرنا۔ ہو سکتا ہے کہ یہ بھی پیش نظر ہو کہ کہیں بات دشمنوں کے
کاؤن تک نہ چا پہنچے اور وہ کسی طریقہ سے ابوبکر صدیقؓ یا فاروق اعظمؓ کو چشم زخم
پہنچانے پر قادر ہو جائیں۔ نگرام المؤمنین سیدہ حفصہؓ طاہرہ نے اس خیال سے
صدیقہ کائنات کو خوشخبری کے طور پر کہہ دیا ہو کہ نبی علیہ السلام کے بعد تمہارے والد

ان کے جانشین ہوں گے۔ مگر اللہ تعالیٰ کو ان کی اتنی بات بھی پسند نہ آئی۔ ایک ایسے اسلامی سٹیٹ کو کماحقہ استقلال حاصل نہیں کہ دوسرا سازش کی سرکوبی کی ذمہ داریوں سے عہدہ نہ ہو سکے اور دوسری طرف امانتدار بیٹے راز کی حفاظت سے بھول جانے والی ہستی نبی کی بیوی ہیں۔ پھر قرآن میں ذکر کیوں نہ ہوتا۔

یہ ہے مختصر سی تشریح سورہ التحریم کی پہلی چار آیات کی جس اہمیت المومنین کے فضائل و مناقب کا اظہار ہوتا ہے نہ کہ جیسا رقص کے ذہنی سنڈاس کے بھوکوں کے بعض سے مخبوط الحواس فہمٹوں کی قلم کاریوں کی صورت میں ہمارے سامنے موجود ہے۔ یہ تصویر کا داخلی رخ تھا۔ خارجی رخ بھی دیکھئے۔ مدینۃ النبی معلوم دنیا کی دو عظیم المشان حکومتوں ایران و روم کی نظروں میں کاتے کی طرح ٹھٹھک رہا تھا شہر کے اندر منافقین کی ایک اچھی خاصی منظم تعداد موجود تھی۔ صرف ایک واقعہ سے اندازہ کیجئے۔ غزوہ تبوک میں پیچھے رہنے والوں میں سے حضرت کعب بن مالک سے مسلمانوں نے حب بائیکاٹ کیا تو خبر غسانی بازنا تبوک پہنچ گئی۔ اور اس نے فوراً حضرت کعب کو درغلانے کے لئے اپنا ایک جاسوس بھیج دیا۔ حالانکہ حضرت کعب کوئی اہم شخصیت نہ تھے بلکہ عام مسلمانوں کے طبقہ میں سے تھے۔ اس ایک واقعہ سے ہی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ مسلمانوں کے خلاف بلکہ یوں سمجھئے کہ بنی علیہ السلام کے خلاف کس قدر منظم طور پر جاسوسی ہوتی تھی۔ غزوہ خندق کے دوران سیدہ صفیہؓ نے ایک یہودی کو اس کی ایسی ہی حرکت پر جیمے کی چوپ سے مار ڈالا تھا۔

عرصہ دراز تک کا نشانہ نبوت پر صحابہ کرامؓ پہرہ دیتے تھے۔ یہاں تک کہ اللہ لعنہمک من الناس کا نزول ہوا۔ یعنی نبی علیہ السلام کی ذات اقدس کو مکہ کی نسبت مدینہ میں زیادہ حفاظتی انتظامات کرنا پڑے تھے۔ مکہ میں تو آپ کے خاندان والے اپنے نسلی عصبیت کی وجہ سے کافر ہونے کے باوجود آپ کے ساتھ شعب بنو ہاشم میں چلے گئے تھے۔ وہ اگر دشمن تھے تو خود تھے کسی دوسرے کو آپ کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی جرأت نہ تھی مگر یہاں صورت ہی دوسری تھی۔ مہاجر صحابہؓ خود بے بس تھے، انصار یہود کے محتاج تھے یعنی سوائے چند ایک کے کوئی قداور شخصیت نہ تھی۔ مدینہ کا رئیس عظم جس کے لئے تاج تیار ہو چکا تھا منافق عظم تھا جس

کے جلو میں منہ نقین کا اچھا خاصہ گروہ موجود تھا۔ اب آگے آنحضرت کی زندگی کا
تیسرا رخ دیکھیے۔

تو خود حدیث مفصل بدل ازیں محل

حضور خاتم المعصومین کی مدنی زندگی کے تقریباً ۹ ہجری سال بنتے ہیں جن کے
تقریباً $9 \times 352 = 3168$ دن ہوتے ہیں۔ ان میں سے ۶۰ دن غزوہ تنوک کے
تیس دن غزوہ خندق کے ان میں خندق کی کھدائی کے دن ملائیے تو انہیں بھی ۶۰
دن شمار کیجئے۔ ۲۰ دن صلح حدیبیہ اور ۳ دن حجۃ الوداع کے ۳ دن ایلا کے باقی
تقریباً ۳۰۰۰ دن رہ جاتے ہیں۔ ان دنوں کے حالات کی تفصیل دیکھئے۔

<p>غزوات</p> <p>یعنی وہ جنگیں جن میں حضور نے خود شرکت کیا سالار شکر حصہ لیا</p>	<p>سرایا</p> <p>وہ جنگیں جو صحابہ کرام کی سالاری میں ہوئیں۔</p>
<p>پہلی ہجری</p>	<p>سیف البحر رمضان میں، رابع شوال میں مرار ذی قعد میں سرایا : ۳</p>
<p>۲۔ غزوہ دوان یا البراسفر میں غزوہ بواط ربیع الاول میں غزوہ بدر اولی ربیع الاول میں ذوالعشرہ جمادی الآخر میں بدر اکبری رمضان میں بنو قلیقہ شوال میں، غزوہ السویق ذی الحجہ میں، قرقرہ الکدر محرم میں۔</p> <p>غزوات : ۸</p>	<p>نخلہ رجب میں، سریا عمر بن عدی الخطمی رمضان میں، عالم بن عمر انصاری شوال میں، غائب بن عبد اللہ محرم میں۔</p> <p>سرایا : ۵</p>

غزوات

سرائیا

۲ ہجری - ذی امر ربیع الاول میں،
اور شوال میں حمراء الاسد
غزوات ۳

محمد بن مسلمہ ربیع الاول، قرہ جادی آخر
قتل جادی الآخر
سرائیا : ۲

۴ ہجری بنو نضیر ربیع الاول میں بد الآخری
ذی قعد میں

ابو مسلمہ محرم میں عبد اللہ بن ابی محرم میں
ربیع صفر میں، بیر مقونہ صفر میں،
عمر بن امیہ تمیزی ربیع الاول میں
سرائیا : ۵

غزوات : ۲

۵ ہجری دومتہ البندل ربیع الاول میں
بنو مطلق شعبان میں -
احزاب شوال میں -
غزوات : ۴

عبد اللہ بن خنیس ذی قعد میں

سرائیا : ۱۱

۶ ہجری غزوہ بنو لحيان ربیع الاول
ذی قرہ ربیع الآخر - حدیبیہ
ذی قعد
غزوات : ۳

قریظہ محرم میں، عکاشہ بن محسن ربیع الآخر
میں - ذالحدہ ربیع الآخر - بنو نعلیہ
ربیع الآخر - بنو نعلیہ ربیع الآخر،
جموم ربیع الآخر، طرت یطرق جادی الآخر
دادی القری رجب، دومتہ البندل
شعبان، فدک شعبان، ام خرہ رمضان
عبد اللہ بن رواحہ شوال، عمرانیہ
شوال، عمر بن امیہ شوال میں

سرائیا : ۱۳

غزوات

سرایا

۵۷ غیر محرم میں،
وادی القریٰ محرم میں
ذات الرقاع محرم میں

غزوات : ۳

حیص اور قدید صغریٰ میں، حسی گاوی الآخر،
ترویہ بنو کلاب، منقعه اور خربہ
رمضان میں، بنی مرہ اور بشیر بن سعد
شوال میں ابوالعوja ذوالحجہ میں -
سرایا : ۱۰

۵۸ فتح مکہ رمضان میں
طائف اور حنین
شوال میں

غزوات : ۳

ذات طلع اور ذات عرق ربیع الاول
میں، موتہ جمادی الاول، ذات السلاسل
جمادی الآخر، سیف البحر رجب محارب
شعبان، سرایا خالد، سرایا عمرو بن العاص
سعد الشہلی رمضان میں، خالد بن ولید
شوال میں - سرایا : ۱۰

۹ ہجری

عینہ بن حصین محرم، قطیبہ بن عامر صفر،
ضحاک بن یسفیان اور عبداللہ بن
حذافہ ربیع الاول، بنو طے اور
دو منہ الجندل
سرایا : ۱۰

گوہر با حضور خاتم المعصومین نے تقریباً ۲۶ غزوات کی خود کمانڈ فرمائی اور
۵۶ سرایا کے لئے لشکر بھیجے۔ ایک معمولی سے معمولی مدافعت کا ردائی کے
لئے کسی قدر وسائل عمل میں لائے جاتے ہیں اس کا اندازہ انہیں لوگوں کو
ہوسکتا ہے جنہیں اس قسم کی ذمہ داریوں سے واسطہ پڑا ہو۔ مگر یہاں ہر پانچ

ہفتے میں ایک غزوہ یا سریا کا انتظام ہو رہا ہے۔ اور اس حالت میں کہ مالی وسائل نہ ہونے کے برابر ہیں۔ پھر جزیہ نما کے گوشے گوشے سے طالبان حق کی آمد ان کی دلجوئی ان کو تبلیغ اور ان کی ہمانداری سے عہدہ برآئی۔

کس قدر مشکلات کے اتار دیا تھا۔ صرف چند وفود کا نام سن لیجئے۔ دوست۔ صدرا۔ تقيت۔ عبد القیس۔ بنی حنیفہ۔ طے۔ اشتریں۔ ازدا، فردا، خدائی۔ ہمدان۔ طارق بن عبد اللہ۔ تحیب۔ بنو سعد۔ بنو تمیم۔ بنو اسعد۔ وندہ، عذرا، خولان۔ محارب۔ غسان بنی الحارث۔ عیش۔ عابد، بنی خزاعہ۔ سلمان۔ نجران اور قدح۔ ان وفود میں عرب کے مالدار ترین افراد بھی ہوتے تھے اور مفلس نادار بھی۔ ان کی رہائش خوراک تالیف قلب کیلئے بنی عباسیہ کو سن کن مرحل سے گزرنا پڑا ہو گا۔ پھر آگے بڑھے مسجد نبوی کی تعمیر مسجد نبی کی تعمیر اور ان کے ساتھ ابتدائی مسطور کو ملا کر پڑھے۔ آج ہمارے علماء و خطباء جس طرح نبی علیہ السلام کی سیرت ہمارے سامنے پیش کرتے ہیں اس کا نقشہ کچھ اس قسم کا ہوتا ہے جیسے آجکل کے پیر مشائخ اپنے آستانوں پر براجمان نظر آتے ہیں مرید آئے ہیں نذر و نیاز کی بھر مار ہے اور طرح چین ہی چین اسی قسم کے تصورات و تخیلات نے اس قسم کی روایات کو تخلیق کیا ہے کہ نبی علیہ السلام میں تنیس مردوں کی طاقت تھی اور وہ یکو بن میں تمام حجرات میں تشریف لے جاتے تھے مگر ان کی نظریں اس طرف نہیں گئیں کہ آپ میں تنیس نہیں بلکہ ہزار مردوں کی طاقت بھی ہوتی تو کیا مگر وہ طاقت کیا اسی وقت آپ پرستولی ہوئی جب عمر شریف چون چھپن سال سے آگے گزر گئی اور جوانی کے ایام صرف ایک بوی کے ساتھ گزار دیئے۔ اسی قسم کی روایات نے آگے چل کر اس قسم کے افغانی کی تائید کے کارنامے انجام دیئے کہ یا رسول اللہ میری ہی باری میں میرے ہی بستر پر ہے۔

انہی قلیل مدت میں اتنی عظیم اہم اور مشکلات سے بھرپور ذمہ داریوں سے عہدہ برآئی اور عبادت و ریاضت اور عائلی فرائض کی انجام دہی کی کیفیات سے متاثر ہو کر ایک سائل کے جواب میں صدیقہ کائنات نے حضور خاتم المعصومین کو قرآن کی محکم تصویر اور تفسیر فرمایا تھا مگر بغض و کینہ سے مکتوبت خبیث اور عجمی ذہنیاتوں نے اس زبدۂ کائنات کے اذکار علیہ میں جو نہ جھلسی کسی فاحشہ کا ذکر بھی داخل کر دیا۔ اور بخاری جیسے نابغہ دوران بھی اپنی سادگی کی وجہ سے صحیح الکتاب کو داغدار کرنے سے اپنا دامن نہ بچا سکے۔ یہ دراصل سورہ التحريم کی ابتدائی آیات کا رخ اجہات المؤمنین کی طرف گھمانے کے حربوں میں سے ایک حربہ تھا جس سے صاف صاف و

مصدق ترین چوَن سال تک تو نیم مجردانہ زندگی گزارتے ہیں اور بقول عجمی زینت کے جوہی اس عمر سے تجاوز فرماتے ہیں بس جہاں کوئی خوبصورت عورت نظر آئی اپنے حرم میں داخل فرادیا اور حجرات میں گھومنا شروع کر دیا۔ ان لوگوں نے حضور کی مصائب و مصائب کی نظر سے اوجھل کر کے رکھ دیں جن کی وجہ سے وہ حقائق بھی غرض نظر کی بھینٹ چڑھ گئے یعنی جن کو صفتِ انات کیلئے اہل ایمان کی ذواتِ قدسیہ کی صورتوں میں نسلِ انسانی کیلئے مشعلِ راہ بننا تھا ان کے متعلق تقدیر پر یہ یوں کے ذریعے امت کی رہنمائی ہو۔ ان کی سیرتوں کے اذکار سے امت کی بیٹیاں اپنی سیرتوں کو جلا دیں۔ غواصِ فطرت قرآن مجسم رحمتِ عالم سے بڑھ کر کھنک لباسِ لکڑ کے حقائق سے کون واقف ہو سکتا تھا۔ نبی نے ”وہ لباس“ اپنی قامتِ نبوت و رسالت کے عین مطابق پائے اور انہیں ثروتِ زوہیت ممتاز فرمایا۔ ازواجِ مطہرات کی یہ فراستِ ایمانی اور عشقِ نبی کے مظاہرے تھے کہ انہوں نے چاہا آپ یہ استعمال نہ فرمائیں۔ اور ان کے باہمی محبت و خلوص، یگانگی اور ایکتا کی یہ تعبیر تھی کہ وہ ایک دوسرے کو اپنا اور نبی علیہ السلام کا راز دار جانتی تھیں۔ اور اگر ان کا وہ افشائے راز جو ان کی ذاتوں تک ہی محدود رہا اور وہ راز خلافتِ ابوبکرؓ و عمرؓ کے متعلق تھا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اگر ابوبکر صدیقؓ یا عمر فاروقؓ کی خلافتوں کا راز افشا بھی ہو گیا اور مقامی منافقین کے ذریعے یہ راز قیصر و کسریٰ کے درباروں تک بھی پہنچا تو کوئی غم نہیں۔ میں خود میرے فرشتے، جبریل اور میکائیل سے سچے پروکار پوری طرح تمہارے ساتھ ہیں۔ یہ ہے سورۃ التحریم کی پہلی چار آیات کا مفہوم !

ایلاء

ان ہی ایام میں ایلاء کا واقعہ پیش آیا۔ سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں کہ اتفاقاً اسی زمانہ میں آپ گھوڑے سے گر پڑے۔ پہلوئے مبارک میں ایک درخت کی جڑ سے خراش آگئی (ابوداؤد امامہ من صلی قاعداً) ایک روایت میں ہے کہ آنحضرتؐ کے پاؤں پر چوٹ آئی تھی۔ حضرت عائشہؓ کے حجرہ سے منسل ایک یا لا خانہ تھا (ایضاً) جو گویا ان

گھروں کا توشہ خانہ تھا (جمع سلم باب الایلاء) آنحضرتؐ نے یہیں قیام فرمایا۔ اور عہد کیا کہ ایک مہینہ تک ازواج مطہراتؓ سے نہیں ملیں گے منافقین نے مشہور کر دیا کہ آپؐ نے بیویوں کو طلاق دے دی۔ صحابہؓ مسجد میں جمع ہو گئے۔ گھر گھر منگامہ برپا ہو گیا۔ ازواج مطہراتؓ رو رہی تھیں۔ صحابہؓ میں سے کسی نے خود آپؐ سے واقعہ کی تحقیق کی جرات نہ کی۔

(سیرت عائشہ صفحہ ۹۴-۹۵)

بات اس قدر تھی کہ نبی علیہ السلام کو چوٹ آئی تو آپؐ نے (جیسا کہ عام دستور ہے کہ کسی قسم کی چوٹ لگنے پر مرہن کو آرام کرنے کی ہدایت کی جاتی ہے) بالاخانہ پر چوٹ کا اثر زائل ہونے کا ارادہ فرمایا۔ اس سے آگے ہر سیرت نگار نے لکھا ہے کہ منافقین نے مشہور کر دیا کہ آپؐ نے بیویوں کو طلاق دیدی ہے۔ مگر منافقین کی اس حرکت کے باوجود جسے سب نے سمجھا اور جسے سب جانتے تھے ”گھر گھر میں ہلنگامہ برپا ہونے لگی تک کہاں سے آگئی۔ پھر بیان کیا جاتا ہے کہ صحابہؓ میں سے کسی نے پوچھنے کی جرات نہ کی پھر اسی سانس میں یہ بھی کہہ دیا گیا کہ حضرت عمرؓ نے خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہؐ کیا آپؐ نے بیویوں کو طلاق دے دی ہے۔ ارشاد ہوا نہیں۔

اس سیدھی سی بات پر بھی ذہنی و زشتوں کے زنجل تیار کر لئے چنانچہ بیان کیا گیا کہ فتح خیبر کے بعد ازواج مطہراتؓ کے لئے غلہ اور کھجوروں کی مقدار مقرر کر دی گئی۔ پھر ازواج مطہراتؓ کی فیاضی اور کشادہ دستی نے انہیں تنگ دست کر دیا۔ انہوں نے مال و دولت کی فراوانی دیکھ کر آپؐ سے مصارف میں اضافہ کی خواہش کی۔ تو نبی علیہ السلام نے بالاخانہ پر خلوت اختیار فرمائی۔ بات کیا تھی اور کب بنا دی گئی۔ چنانچہ

صدیقہ کائناتؓ فرماتی ہیں کہ میں ایک ایک روز گنتی تھی ۲۹ روز ہوئے تو آپؐ بالاخانہ سے اتر آئے اور سب سے پہلے میرے پاس تشریف لائے۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہؐ آپؐ نے ایک مہینہ کا وعدہ فرمایا تھا ابھی تو ۲۹ دن ہی ہوئے ہیں۔ ارشاد فرمایا مہینہ کبھی ۲۹ دن کا ہوتا ہے۔

اس روایت سے متعدد امور مستنبط ہوتے ہیں :

۱۔ سب سے پہلے صدیقہ کائناتؑ کے ہاں رونق افروز ہوئے یعنی تمام ازواج مطہراتؑ میں سے آپؐ کو حضرت صدیقہؑ سے زیادہ محبت تھی۔
 ۲۔ حضرت صدیقہ کائناتؑ دین کی معمولی معمولی جزویات پر بھی گہری نظر رکھتی تھیں۔ فوراً عرض کی آپؐ نے ہمیں بھر کے لئے فرمایا تھا۔ مگر ۲۹ دن کے بعد تشریف لے آئے۔

۳۔ اگر حضرت صادق و مصدوقؑ ازواج مطہراتؑ سے ناراض ہو کر خلوت میں ہوئے تھے تو ناراضگی کی صورت میں آپؐ کا یہ فرمانا کہ میں عینہ بھر کے لئے تم سے الگ ہو رہا ہوں سمجھ میں آنے والی بات نہیں۔

اصل بات یہی تھی کہ آپؐ کو چوٹ آئی اور آپؐ آرام کے لئے بالاحاقانہ تشریف لے گئے۔ آگے ہمارے سیرت نگار منافقین کے پروپیگنڈے کو لے اڑے جن کا مقصد صرف یہ تھا کہ ازواج مطہراتؑ کی سیرتوں کو داغدار کر کے پیش کیا جائے۔

یہ ہیں اصل حقائق تحریم، تختیر اور ایلا کے جن کو نہ سمجھنے کے پس منظر میں سینکڑوں وضعی احادیث یعنی منسوب الی الرسولؐ روایات اور منسوب الی الصحابہؓ اقوال کے خالقین کا ہاتھ تھا۔ جو فاروق اعظمؓ، ذوالنورینؓ اور ابوزرارؓ کو شہید کرنے کے بعد صحابہ کرامؓ کی عدالت بلکہ اللہ تعالیٰ کی الوہیت کے منکر، باغی اور طاغی تھے۔ جو دنیا میں ایک بار پھر وہ سواع یعوق بغوث اور نسیر کا بختی تصور چودہ پچتر دن اور بارہ برجوں کی اہرمنی حکومت کا احیاء چاہتے تھے۔ جیسا کہ فاطمین مصر اور نوابان اودھ کی تاریخیں پڑھنے والوں کی نظروں سے اچھل نہیں۔

بعض علیؑ سے = بعض رسولؐ سے بعض خدا سے

جنگِ حمل

ایک مؤرخ کا فرض ہے کہ وہ اپنے وجدان کی روشنی میں واقعات کی تحقیق کر کے انہیں بیان کرے۔ اس حقیقت سے انکار کسی کے بس کا روگ نہیں۔ اگر سیدنا علیؑ مدینہ المینہ کی نسبت کوفہ کو ترجیح نہ دیتے تو جنگِ حمل کا المیہ پیش آتا، نہ جنگِ صفین میں مسلمان ایک دوسرے کی گردنیں کاٹنے کے ترکیب ہونے اور نہ خوارج کا ظہور ہوتا اور سب سے اہم یہ کہ، نہ سیدنا علیؑ کو ان کے اپنے پیروں کو کوفہ کی مسجد میں خاک و خون میں تڑپا کر شہید کرتے۔ ذرا آگے بڑھیں اور دیکھیں کہ نہ ہی وہ سیدنا حسنؑ کو زخمی کر کے مذل المؤمنین کے الفاظ سے مخاطب کرتے اور نہ ہی کوفہ میں ایسا گمراہ پیدا ہوتا جو سیدنا حسینؑ کی سادگی سے فائدہ اٹھا کر حادثہ کربلا کا سبب بنتا۔ اور سب سے اہم ترین بات یہ کہ آج سیاحت کی جس قدر شکلیں ہمارے سامنے موجود ہیں ان میں سے کوئی ایک بھی عفوِ ہستی پر موجود نہ ہوتی۔ مگر صدیقہ کائناتؑ کے سفرِ بصیرت کے پیچھے کئی عوامل تھے۔ جن میں سے ایک عامل یہ تھا کہ حدیبیہ کے مقام پر خونِ عثمانؓ کے قصاص کے متعلق بہت ہو چکی تھی اور اب اس کی تکمیل کا وقت تھا۔ اور دوسرا یہ کہ سیدنا علیؑ کے سامنے حقیقتِ حال پیش کرنا مطلوب تھی۔ کہ آپ مدینہ واپس تشریف لے جائیں اور قاتلین عثمانؓ کی سرپرستی سے دستبردار ہو کر انہیں سیدنا ذوالنورینؑ کے ولی الدم کے حوالے کر دیں کیونکہ نبی علیہ السلام کی وفات کے بعد اس فرض سے عہدہ برائی کی ذمہ داری صدیقہ کائناتؑ کے ذمہ تھی۔ مگر سیاحت کی ہشیاری اور ہر کاری نے تاریخی واقعات کو اس طرح مسخ کر کے پیش کیا کہ آج مکار سیاستوں کے ساتھ فلسفہ تاریخ سے بے خبر سنی مؤرخ بھی انہیں کی سی الپتے چلے جا رہے ہیں۔

جنگِ جمل کے متعلق صدیقہ کائنات اور سید علیؑ کے موافقت

سیدہ صدیقہ کائنات کا موقف :

ما ابلی ان تقع السماء
على الارض قتل والله
مظلوماً وانا طالبة بدمه

مجھے ہرگز کوئی خطر نہیں (یعنی میں اس معاملہ میں کسی سے نہیں ڈرتی) یہاں تک کہ آسمان بھی زمین پر گر جائے اللہ کی قسم قتل کئے گئے (یعنی حضرت عثمان اور وہ نہایت مظلوم تھے)

(اس وجہ سے) میں ان کے خون کی طالب ہوں

ان کلمات کی فصاحت و بلاغت جو صدیقہ کائنات کا ہی حصہ تھا سے قطع نظر، اپنے مفروضہ و مزعومہ نظریات سے خالی الذہن ہو کر غور کرنے سے یہ حقائق و اشکات طور پر سامنے آتے ہیں۔ کہ سیدنا ذوالنورینؑ کی مطلوبات بے کسانہ اور بے دردانہ شہادت کے قصاص کے لئے بحیثیت ام المومنین ہونے کے شہید کی دلی الدم آپؑ ہی تھیں۔ اور اس صورت میں اس فرض سے عہدہ برائی کی ذمہ داری دوگنی ہو گئی تھی۔ جب سیدنا ذوالنورینؑ کے پسماندگان میں سے کوئی بھی اس پوزیشن میں نہ تھا۔ اور قاتلین عثمانؑ نے خلافت کا تاج سیدنا علیؑ کے فرقہ انور کی زمینت بنا کر ان کے کمپ کا تمام انتظام اپنے ہاتھوں میں لے لیا تھا۔ ان حالات میں ”صدیقہ کائناتؑ“ کی ذات منظر پر یہ اعتراض کہ آپؑ نے سیدنا علیؑ کے خلاف جنگ کیوں لڑی صریحاً سیائیت کی ترجمانی ہے۔

ایک حق گو اس مقام پر یہ اعتراض کر سکتا ہے۔ حالانکہ یہ اعتراض نہیں

بلکہ حقیقت ہے کہ سیدنا علیؑ نے مدینہ چھوڑ کر کوفہ کو کیوں دار الخلافہ بنایا؟ قاتلین سیدنا ذوالنورینؑ کو پناہ کیوں دی؟ پناہ ہی نہیں دی بلکہ انہی کے کہنے سے منصب خلافت قبول کیا اور پھر ان کی سرپرستی کی۔ کوفہ سے صدیقہ کائناتؑ کے

مقابلہ کے لئے عازم بصرہ کیوں ہوئے اور اپنی ماں راحہ المؤمنینؓ سے مقابلہ کیوں کیا؟
سیدنا علیؓ کا موقف

جنگ جمل کے متعلق حضرت علیؓ کا موقف کیا تھا۔ اسے سمجھنے کے لئے آپ کی پہلی زندگی پر ایک طاثرانہ نظر ڈالنی ضروری ہے۔ بنی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت آپ کی عمر تیس سال سے کم تھی۔ آپ کی پرورش بنی علیہ السلام کے زیر سایہ ہوئی، پھر آنحضرتؐ کی دامادی کے ثروت سے مشرف ہوئے۔ ان حالات میں آپ کو کبھی خود کفالت کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کا موقع ملا اور نہ ہی عملی زندگی کے تجربات سے واسطہ پڑا۔ چند ایک لڑائیوں میں جنگ آزمائی کا موقع ملا۔ جن میں آپ نے اسلامی شجاعت کے جوہر دکھائے مگر سرپرست آنحضرتؐ کی قیادت کا علم تھا۔

آنحضرتؐ کی وفات سے لے کر سیدنا ذوالنورینؓ کی شہادت تک کا طویل دور جس میں اسلامی افواج نے مشرق و مغرب اور شمال و جنوب کے دائرے ملا کر رکھ دیئے آپ نے ایک دن کے لئے بھی مدینہ سے باہر نکلنے کی زحمت گوارہ نہ فرمائی۔ خلفائے ثلاثہؓ کو آپ کی ہر طرح خاطر مطلوب تھی۔ انہوں نے آپ کو کسی جہاد میں شامل ہونے کا حکم نہ دیا۔ اور آپ نے بطور خود اس معاملہ میں اپنے آپ کو پیش نہ کیا۔ نتیجہ یہ ہے کہ چون بچپن سال کی عمر تک آپ کو عملی زندگی سے واسطہ نہ پڑا۔ گاہ بیان بشارتیں کیرتیں حکم ملنے کے باوجود اپنے انکار کیا غنیمت سے بے حساب مال آپ کو گھر بیٹھے مل جاتا تھا۔ حرم آباد تھا۔ اولاد موجود تھی۔ آٹھ دس گادیں بطور جاگیر خلفائے ثلاثہؓ کی طرف سے عنایت ہوئے تھے۔ گویا آپ ایک بے فکرے شہزادے کی طرح زندگی گزار رہے تھے۔ کبھی کبھار دینی امور میں اپنی خوشی سے حصہ لے لیتے تھے۔ مگر امور جہانیاں یا سیاست مدنی یا دیوبی نشیب و فراز میں مغرباری کی ضرورت ہی کبھی محسوس نہ کی تھی۔

کہ اچانک سیدنا ذوالنورینؓ کے المیہ نے تمام عالم اسلام میں ایک نہ لرزہ پیدا کر کے رکھ دیا۔ تین دن تک مدینہ میں قیامت کا منظر رہا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ

بلوائی اس قسم کے احساسات تلے دبنے لگے کہ اب کیا ہوگا؟ انہیں صاف نظر آرہا تھا کہ ہمارے بچاؤ کی اس کے سوا کوئی صورت نہیں کہ علیؑ، طلحہؑ اور زبیرؑ تینوں کا درمیان سے کاٹنا نکال دیا جائے۔

حضرات طلحہؑ و زبیرؑ کی فراست تمام اسلامی آفاق کو احاطہ کئے ہوئے تھی۔ سیدنا علیؑ کا ماضی ان کے سامنے تھا۔ انہیں صاف نظر آرہا تھا کہ آپؐ ان حالات میں عالم اسلام کی ڈمگاتی نیا کے کھیلوں ہار ثابت نہیں ہو سکیں گے۔ صحابہؓ چاہتے تھے کہ شورا نے فیصلہ کرے۔ انہیں بلوائیوں کا فیصلہ منظور نہ تھا مگر بلوائیوں نے ان کی نہ چلنے دی۔

سیدنا علیؑ خلیفہ بن گئے اور بظاہر مدینہ میں امن کی کیفیت پیدا ہو گئی تھی۔ مگر بلوائی ابھی تک دندنا تے پھر رہے تھے۔ حضرات طلحہؑ اور زبیرؑ نے اس بحران سے نکلنے کے لئے ایک راہ نکالی۔ آگے طبری کی زبان سے سنئے :

بعیت کے بعد حضرت طلحہؑ اور حضرت زبیرؑ نے حضرت علیؑ سے درخواست کی کہ ہم دونوں کو کوئہ دبصرہ کا امیر بنادیکھے۔ حضرت علیؑ نے کہا تم دونوں میرے پاس رہو کہ تم دونوں سے اس بوجھ کے اٹھانے میں ہم مدد لیں گے۔ کیونکہ تم دونوں کی حبشائی میں رحمت محسوس کروں گا (طبری جلد ۵ صفحہ ۱۵۵ ترجمہ)

یعنی حضرت علیؑ ان دونوں کو اپنے سے الگ نہیں ہونے دیتے تھے اب یہی دونوں حضرت علیؑ سے دوسری درخواست کرتے ہیں

استاذن طلحة والزبير عليا في العمرة فاذن لهما فلحقا بمكة (صفحہ ۱۶۳) حضرت طلحہؑ اور حضرت زبیرؑ نے حضرت علیؑ سے عمرہ کے لئے اجازت طلب کی تو انہوں نے اجازت دے دی اور وہ مکہ پہنچ گئے۔

یہاں دو صورتیں سامنے آتی ہیں :

۱۔ حضرت علیؑ، حضرات طلحہؑ و زبیرؑ کو لبصرہ و کوئہ کی اجازت نہیں دینا چاہتے تھے۔ اس لئے یہ کہا کہ میں تمہارے بغیر حشت محسوس کرتا ہوں مگر جب انہوں نے عمرہ کی اجازت طلب کی تو انہیں اجازت دیدی۔ اس صورت میں یہ عذر پیش نہ کیا کہ میں تمہارے بغیر

بشت محسوس کروں گا۔ بظاہر اس سے یہ نظر آتا ہے کہ حضرت علیؓ انہیں کوئی عہدہ نہیں دینا چاہتے تھے اور ان سے اپنے آپ کو الگ رکھ کر من مانی کرنا چاہتے تھے۔

۲۔ حضرات طلحہؓ و زبیرؓ کو فہ و بصیرہ کی امارتیں اس لئے تفویض نہ کیں کہ انہیں شہروں کے چیدہ لوگ مدینہ میں موجود رکھے۔ اگر وہ کوفہ و بصیرہ کی امارتوں پر متمکن ہو کر اپنے اپنے مستقر پر پہنچ بھی جاتے تو جس طرح مدینہ میں حضرت علیؓ کی خلافت برائے نام تھی ان کی امارتیں بھی برائے نام ہوتیں اور وہ بلوائیوں کے خلاف کوئی اقدام نہ کر سکتے۔ اس کی بہتر صورت یہ تھی کہ ہر دو اصحاب مکہ چلے جائیں اور وہاں سے طاقت ہم پہنچا کر بصیرہ پر قبضہ کر لیں۔ مدینہ کو بلوائیوں سے خالی کرانے کے لئے علیؓ رضہ مدینہ سے نکلیں۔ اس طرح بلوائیوں کا وجود ختم کیا جاسکے گا۔ یعنی بصیرہ میں طلحہؓ و زبیرؓ ایک طاقتور عامل کی حیثیت میں موجود ہوں گے۔ وہاں علیؓ ان سے جا ملیں گے اور یہ تباہی کے بادل چھٹ جائیں گے۔

یہاں تک تو پروگرام کے مطابق صحیح انداز میں کام کرنے کی ابتدا کر دی گئی۔ مگر سیدنا علیؓ جب مدینہ میں اکیلے رہ گئے اور اپنے آپ کو بلوائیوں میں گھرے ہوئے پایا تو تمام پروگرام نسیا ہو کر رہ گیا۔ مشہور محوسی عیار مالک اشترؓ لوہے طور پر تمام امور پر حاوی تھا۔ یہاں تک کہ حضرت علیؓ اس کے متعلق یہ کہنے پر مجبور ہو گئے:

کان اشتر لی کہا کنت لرسول اشتر میرے لئے ایسا ہے جیسا اللہ اللہ اشرع ابن ابی الحدید جلد ۱۸۵۔ میں رسول اللہ کے لئے تھا۔

حضرت علیؓ کا موقف شروع میں تو بلوائیوں کا قلع قمع تھا مگر آگے چل کر ”کان اشتر لی“ کے سراب کی نذر ہو گیا۔ جنگ جمل کے دوران جو کلمات بلوائیوں کے متعلق حضرت علیؓ کی زبان سے نکلتے رہے یا اس کے بعد جنگ صفین کے دوران آپ جو کچھ فرماتے رہے ان سے یہی حقائق مترشح ہوتے ہیں کہ آپ تابعین عثمانؓ سے سخت پیرائے تھے۔

صدیقہ کائنات پر اعتراض

فریق مخالف یہاں ایک اور اعتراض کر سکتا ہے کہ صدیقہ کائناتؑ نے مکہ کیوں چھوڑا اور بصرہ کیوں تشریف لے گئیں؟ اس کا آسان جواب تو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سیدنا علیؑ نے مدینہ کیوں چھوڑا۔ مگر صحیح حقائق و شواہد کی موجودگی میں اس قسم کے جوابات کی ضرورت نہیں۔

صدیقہ کائناتؑ کعبہ اور حواری کعبہ کے احترام کو داغدار نہیں کرنا چاہتی تھیں۔ اور پھر قاتلین سیدنا ذوالنورینؑ سب کے سب سیدنا علیؑ کے کپ میں تھے۔ اور سیدنا علیؑ انہیں لے کر کوفہ روانہ ہو چکے تھے۔ حضور ممدوحؐ نے اس ارادے سے بصرہ کا سفر اختیار کیا تھا کہ سیدنا علیؑ کو سمجھائیں کہ قاتلین سیدنا ذوالنورینؑ کی سرپرستی سے دست بردار ہو کر واپس مدینہ لوٹ چلیں۔ اور مدینہ کی مرکزیت کو یوں پایاں نہ کریں۔ اور سب اہم یہ کہ وہ باغیوں کے ایک کپ پر قبضہ کر کے ان پر اپنا برکت ختم کرنا چاہتی تھیں۔

صدیقہ کائنات کے ہمراہیوں کا موقف

نقل بعض من کان معها بل
تقترب من فیراک المسلمون
فیصلح اللہ عزوجل ذات
بینہم۔

سیدہ صدیقہ کائنات کے ساتھیوں
میں سے بعض نے آپ کی خدمت میں عرض
کیا کہ آپ آگے بڑھیں کہ مسلمان آپ کو
دیکھیں تو خدا ان کے درمیان صلح کرے
(مسند جلد ۶ صفحہ ۵۲)

حاصل کلام: جنگ جمل کے متعلق سیدہ صدیقہ کائناتؑ اور ان کے ساتھیوں کا موقف نیز سیدنا علیؑ اور ان کے ساتھیوں کا موقف دیکھنے کے بعد یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ سیدہ صدیقہؑ کا اقدام سراسر مبنی برحق اور تعمیری تھا۔ مگر ابتداء میں سیدنا علیؑ کا جو موقف تھا وہ آگے چل کر سبائی منصوبوں کی بھینٹ چڑھ گیا۔ آپ کی تمام فراست بے قراری کی نذر ہو گئی۔ اور اس بے قراری کی حالت میں جو کچھ آپ سے سرزد ہوا وہ اُمت کے لئے سراسر ایک تخریبی عمل بن کر رہ گیا۔

بعض بزرگمذہب خورشید ابرار نے جو دراصل روح اسلام اور تاریخ اسلام سے نا آشنا ہیں۔ صدیقہ کائنات کے سفر بصرہ کے ضمن میں فرض کے بغض باطنی کی تائید میں "وقت فی بیوتکن" سے استشاد کی سعی نامشکور کیا بکلف کیا ہے حالانکہ اس کلام الہی کو اس موقع پر پیش کرنا صریحاً قرآن کی معنوی تحریف ہے۔ آیت کے ان الفاظ کے بعد ولا تدرجن تبرج الجاہلیۃ کے کلمات اس بات پر دلالت کرتے کہ وہ "تبرج جاہلیت" میں ٹھیلے ٹھیلے پرستی کی عیدیں اور درجہاں کے مذہبی شعار کی ادائیگی تھی۔ صدیقہ کائنات کا سفر بصرہ سراسر ایک دینی فریضہ کی ادائیگی تھا۔

صدیقہ کائنات کا اقدام خود اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ اپنے عزم بصرہ کو دینی برحق سمجھتے ہوئے ہی مکہ سے روانہ ہوئی تھیں۔ اور ان کے ہمراہ کبار صحابہ کرام کا ایک کثیر گروہ تھا۔ یہ بات مسلمات کا درجہ رکھتی ہے۔ کہ اس وقت علم اسرار الدین میں "صدیقہ کائنات" کے مرتبہ و مقام کا کوئی آدمی نہ تھا اور ان سے بڑھکر دینی اسرار و رموز کا علم کسی اور کو حاصل نہ تھا۔

بار بار ایک بات کی تکرار اکثر ذہنوں کیلئے ناگواری کا موجب بنتی ہے مگر یہ کہ بغیر آگے نہیں بڑھا جاتا کہ اس وقت "صدیقہ کائنات" کے موقف کے خلاف جو لڑتے ہوئے ہاں شائع و مروج ہے وہ تمام کا تمام یہود و مجوس کے گھڑ جوڑ کا تیار کردہ ہے۔ مگر ہمارے بڑوں و دانشور مصلحت پرست مولوی ان حقائق کو سمجھ سکے ہیں اور نہ ہی سمجھنے کی کوشش کی ہے۔

ابن ہزم کہتے ہیں :

واجمعت عائشہ بکبار الصحابة وقد اومت اسوی معهم فیما یتبعی

عملہ وقد عرف القراء ما كانوا علیہ من نراہة، وفرار من الولاية و

رتفع عن شہوات النفس فراوان یسیروا مع عائشہ الی العراق

لیتفقوا مع امیر المؤمنین علی الاقتصاص من السبایین الذین اشرکوا

فی دم عثمان و اوجب الاسلام علیہم الحد فید ولم یکن یخطر علی بال

عائشہ و کل الذین كانوا معہا و فی مقدمہم طلحة و الزبیر و شہود لہما

ترجمہ : حضرت عائشہ صدیقہ نے کبار صحابہ کی جماعت اتفاق کیا اور ان کی رائے ان کے موافق ہو گئی طریق کار

من النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالجنتۃ انہم سائرین لیحاربوا علیا۔

اس وقت اگر صدیقہ کائنات گھر میں بیٹھی رہتیں تو قاتلین سیدنا ذوالنورین سے قصاص لینا تو درکنار وہ قاتل سیدنا علیؑ کی مجبوریوں سے قائدہ اٹھا کر تمام عالم اسلام کو راکھ کا ڈھیر بنا کر رکھ دیتے۔ یہ بات محض شاعرانہ قسم کی فعلی یا لفظی ہی نہیں بلکہ نصیف النہار کی طرح ایک حقیقت ہے۔ بصرہ میں ان لوگوں کے منہ میں پسلی لگام دی گئی۔ صغین کے مقام پر دوسری اور جب یہ لوگ گرگٹ کی طرح رنگ بدل کر سیدنا علیؑ سے الگ ہوئے تو نہروان کے مقام پر تیسری بار سیدنا علیؑ نے انہیں کاٹ کر رکھ دیا۔ قاتلین عثمان کے پیرو اٹھتی کے چند لوگ نہ تھے بلکہ وہ اسلام دشمن عظیم تحریک تھی۔ اس تحریک نے آج تک ہزاروں رنگ بدلے ہیں۔ اور ہزاروں صورتوں میں مختلف مقامات پر نمودار ہوئی، مگر ان سب کا بنیادی عقیدہ صرف اور صرف اسلام دشمنی ہے۔ اور اسلام دشمنی کے لئے نبی علیہ السلام کی ازواج و منکرات اور آپ کے جان نثار ساتھیوں کی مفروضہ برائیاں بیان کر کے ہی اسلام دشمنی کا زہر پھیلا یا جاسکتا تھا۔

و فرقت فی بؤنک من غلط استدلال کا جواب اہل المومنین اور صحابیات کی جہاد میں شرکت

۱۔ صلح حدیبیہ کے سفر میں ام المومنین ام سلمہؓ آپ کے ہمراہ تھیں۔ یہ واقعہ تمام کتب احادیث میں موجود ہے کہ صلحنامہ مرتب ہونے کے بعد جب حضور خاتم النبیینؐ نے صحابہؓ کو قربانیاں کرنے کا ارشاد فرمایا تو تعمیل ارشاد کے لئے کوئی تیار نہ ہوا۔ چونکہ صلحنامہ کی شرائط بظاہر مسلمانوں کے خلاف تھیں اس لئے وہ دل برداشتہ تھے۔ نبی علیہ السلام نے حضرت ام سلمہؓ سے ذکر فرمایا تو آپ نے عرض کی کہ آپ کسی سے کچھ نہ فرمائیے۔ باہر نکل کر اپنی قربانی دیجئے چنانچہ آپ نے ایسا ہی کیا اور تمام صحابہؓ نے دیکھ کر اپنی قربانیاں کیں۔ (بخاری ج ۱ صفحہ ۳۸۰)

اس واقعہ پر یہ اعتراض وارد ہو سکتا ہے کہ نبی علیہ السلام کا یہ مفرح (بفہم ترجمہ) کے بعد سائروں سے قصاص لینا تو درکنار وہ قاتل سیدنا علیؑ کی مجبوریوں سے قائدہ اٹھا کر تمام عالم اسلام کو راکھ کا ڈھیر بنا کر رکھ دیتے۔ یہ بات محض شاعرانہ قسم کی فعلی یا لفظی ہی نہیں بلکہ نصیف النہار کی طرح ایک حقیقت ہے۔ بصرہ میں ان لوگوں کے منہ میں پسلی لگام دی گئی۔ صغین کے مقام پر دوسری اور جب یہ لوگ گرگٹ کی طرح رنگ بدل کر سیدنا علیؑ سے الگ ہوئے تو نہروان کے مقام پر تیسری بار سیدنا علیؑ نے انہیں کاٹ کر رکھ دیا۔ قاتلین عثمان کے پیرو اٹھتی کے چند لوگ نہ تھے بلکہ وہ اسلام دشمن عظیم تحریک تھی۔ اس تحریک نے آج تک ہزاروں رنگ بدلے ہیں۔ اور ہزاروں صورتوں میں مختلف مقامات پر نمودار ہوئی، مگر ان سب کا بنیادی عقیدہ صرف اور صرف اسلام دشمنی ہے۔ اور اسلام دشمنی کے لئے نبی علیہ السلام کی ازواج و منکرات اور آپ کے جان نثار ساتھیوں کی مفروضہ برائیاں بیان کر کے ہی اسلام دشمنی کا زہر پھیلا یا جاسکتا تھا۔

کبھی غزوہ کا سفر نہیں تھا۔ بلکہ خانہ کعبہ کی زیارت کا سفر تھا۔ اس لئے اُم المؤمنین ام سلمہؓ یا دیگر اراج مطہرات کو ساتھ لیا تھا۔ مگر اس حقیقت کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ نبی علیہ السلام کے پیش نظر یہ پہلو بھی تھا کہ کفار مکہ آسانی سے مکہ میں داخل نہیں ہوتے دیں گے اور ہو سکتا ہے کہ لڑائی کی صورت پیدا ہو جائے۔

۲۔ اُم المؤمنین حضرت ام حبیبہؓ سیدنا ذوالقورینؓ کے لئے جبکہ وہ بھوکے پیاسے محصور تھے۔ ایک خچر پر سوار ہو کر اپنے غلام کو ساتھ لیکر ان کے مکان کی طرف نکلیں۔ اشرار نے خچر کے منہ پر مارنا شروع کیا تو خچر بدک گیا۔ اور آپؐ گرتے گرتے بچیں (اصحابہ جلد ۱ صفحہ ۱۲۷) اُم المؤمنین ام حبیبہؓ کو خوب معلوم تھا کہ بلوائی مجھ سے ضرور الجھیں گے مگر آپؐ گھر سے نکلیں۔

سیدہ زینبؓ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے مدینہ کا سفر کر دین حارثہ کے ساتھ کیا۔ پہلی بار جب مکہ سے نکلیں تو ہمار بن اسود نے نیزہ مار کر آپؐ کو زخمی کر دیا اور آپؐ کا نمل ساقط ہو گیا۔ مگر دوسری مرتبہ کامیاب ہو گئیں۔ (زرقانی صفحہ ۲۳۔ جلد ۳۔ بہت ابن ہشام طبری تہذیب)

صحابیات کے کارنامے نمایاں

۱۔ سیدہ اسماءؓ ہجرت کے بعد مدنی زندگی میں تین فرنگ کے فائدہ سے اپنے اونٹ اور گھوڑے کے چارے کے لئے کھجور کی گٹھلیاں لپا کرتی تھیں۔ سعید بن عاصؓ کے زمانہ میں جب مدینہ میں چوریاں بڑھ گئیں۔ تو آپؐ نے خنجر رکھ کر سویا کرتی تھیں۔ لوگوں کے پوچھنے پر فرمایا۔ کہ جب کوئی چور آیا اور اس نے مجھ پر حملہ کیا تو میں اس سے اس کا پیٹ چاک کر دوں گی۔ (طبقات ابن سعد۔ طبری)

حضرت اسماءؓ نے ہی نبی علیہ السلام کو مرض موت میں دوا پلائی تھی۔ شاید آپؐ طبیب بھی تھیں (بخاری جلد ۱ صفحہ ۸۵۸ طبقات ابن سعد)

۲۔ سیدہ فاطمہؓ بنت نبی علیہ السلام کا مشکوں میں پانی بھر کر لانا منقذ کتب میں موجود ہے اور خزندہ احد میں آپؐ کی موجودگی پر یہ واقعہ دلالت کرتا

ہے کہ آپ نے ہی کپڑا جلا کر نبی علیہ السلام کے زخم میں بھرا اور اس پر پٹی باندھی جس سے خون نہ کا۔

۳۔ فاروق اعظم کی شہادت کے بعد سیدہ فاطمہ بنت قیس کے گھر میں مجلس شوریٰ منعقد ہوئی تھی چونکہ آپ بڑی عقیل، فہیم، ذی علم اور صاحب الرائے تھیں اس لئے خلافت کے بارہ میں ان سے بھی مشورہ لیا جاتا تھا۔ یار رہے کہ سیدہ فاطمہ بنت قیس سے خلافت کے بارہ میں مشورہ لینے والے اجل صحابہ کرام تھے۔

(اسد الغابہ صفحہ ۵۲۷، استیعاب صفحہ ۷۷، درنشر ۳۶۵)

۴۔ سیدہ خنساء بنت عمرو۔ آپ ارثی العرب کے خطاب سے مشہور تھیں۔ سیدنا فاروق اعظم کے زمانہ خلافت ۱۶ھ میں قادسیہ کا معرکہ لڑا گیا۔ آپ نے اپنے چاروں بیٹوں کے اس جنگ میں شریک تھیں۔ جنگ سے پہلی رات اپنے بیٹوں کو جمع کر کے کہا تم اپنے باپ کے بچے فرزند ہو۔ نہ میں نے تمہارے باپ سے خیانت کی اور نہ تمہارے ماموں کو ذلیل و رسوا کیا تھا۔ تمہارا حسب و نسب بے داغ ہے جب تم دیکھو کہ لڑائی جوش پر آگئی ہے۔ تو اس میں گھس پڑو اور بے دریغ لڑو۔ آخر چاروں شہید ہو گئے۔ جب سیدہ خنساء کو اپنے بیٹوں کی شہادت کی خبر ملی۔ تو اللہ کا شکر ادا کیا۔ (اسد الغابہ ۲۲۲-۲۲۵، استیعاب ۷۷)

۵۔ سیدہ صفیہ بنت عبد المطلب یعنی نبی اکرم کی سگی بھوپھی۔ غزوہ خندق کے موقع پر جب نبی علیہ السلام نے امہات المؤمنینؓ اور دوسری خواتین کو قلعہ یا لطم میں جس کا دوسرا نام فارع تھا ٹھہرایا اور سیدنا حسانؓ کو ان کے پاس چھوڑا۔ ایک یہودی قلعہ کے دروازہ تک پہنچ گیا۔ آپ نے حضرت حسانؓ کو کہا اس کی خبر لو۔ مگر وہ جرات نہ کر سکے۔ آپ نے خود خمیہ کی چوب سے اسے ڈھیر کر دیا۔ (اصابہ ج ۲۔ صفحہ ۶۷۱)

سیدہ صفیہؓ جنگ احد میں بھی شریک تھیں۔ جب بعض مسلمان نبی علیہ السلام کی شہادت کی خبر سنکر دل برداشتہ ہو کر لڑائی سے منہ پھیرنے لگے

تو آپ نیزہ لے کر انہیں مار مار کر جنگ کی طرف دھکیلنے لگیں۔ سیدنا حمزہؓ کی
 لعش کا منہ کھل گیا تھا۔ بنی علیہ السلام نے چاہا کہ سیدہ صفیہؓ اپنے بھائی
 کی لعش نہ دیکھیں۔ آپ نے آنحضرتؐ کا یہ حکم سن کر کہا۔ میں نہ روؤں گی نہ
 چلاؤں گی صرف دیکھ کر لوٹ آؤں گی۔ (اسد الغابہ جلد ۵ صفحہ ۲۹۲)
 آپؐ شانہ بھی تھیں۔ بنی علیہ السلام کے کفیل تایاز بیز بن عبدالمطلب کا بڑا
 پُرور و مرثیہ لکھا۔

۶۔ حضرت ام ایمنؓ۔ غزوہ احد اور غزوہ خیبر میں شریک تھیں۔ غزوہ احد
 میں آپؐ نے دیگر صحابیاتؓ کے ساتھ زخمیوں کی تیمارداری اور پانی پلانے
 کی خدمات انجام دیں۔ (طبقات ج ۸ صفحہ ۱۲۸)

۷۔ سیدہ اسماء بنت یزیدؓ۔ غزوات کی طرف سے اپنے حقوق کے مطالبہ
 کے لئے بنی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ ۱۵ھ کے معرکہ
 یرموک میں شامل تھیں۔ اور اپنے خیمہ کی چوب سے نور و میوں کو ہلاک
 کیا۔ (صحابہؓ ج ۸ صفحہ ۱۳)۔

۸۔ سیدہ ام عمارہؓ۔ بیعت عقبی اولیٰ اور بیعت عقبہ ثانیہ میں موجود تھیں
 اس دفعہ سیدہ ام منیعؓ بھی ان کے ساتھ تھیں۔ (صحابہؓ جلد ۲ صفحہ ۹۲۹)
 احد کے معرکہ میں شامل تھیں۔ پانی بھر بھر کر لائیں اور زخمیوں کو پلاتیں۔
 تھیں۔ جب بنی علیہ السلام کی طرف بے تحاشہ تیراٹ شروع ہوئے تو
 سیدہ ام عمارہؓ بالکل سینہ پیر ہو کر سامنے آ گئیں۔ اور نیزہ، تلوار اور
 ڈھال سے کافروں کے حریفے روکنے لگیں۔ کئی سواروں کے گھوڑوں کے
 پارے کاٹ ڈالے۔ سوار گرتا تو وہ اپنے بیٹے عبد اللہؓ کی ہمراہی میں اُسے
 قتل کر دیتیں (طبقات ابن سعد جلد ۸ صفحہ ۳۰۲)

غزوہ احد میں صدیقہ کائناتؓ اور سیدہ فاطمہؓ بھی موجود تھیں۔
 بنی علیہ السلام فراتے ہیں کہ غزوہ احد میں ہیں۔ ام عمارہؓ کو برابر
 اپنے دائیں بائیں لڑتے دیکھتا تھا۔ جب ابن قعبہؓ کے وار سے بنی علیہ السلام
 کے رخسار مبارک زخمی ہو گئے تو سیدہ ام عمارہؓ نے اس پر وار کیا مگر وہ

زردہ پہنے ہوئے تھا۔ بچ گیا۔ اس نے پلٹ کر آپ کے کندھے پر تلوار ماری
 آپ شدید زخمی ہو گئیں (سیرت ابن ہشام صفحہ ۱۸۲) نبی علیہ السلام نے خود
 پیٹی بندھوائی۔ پھر حید بادروں کا نام لے کر فرمایا واللہ آج ام عمارہؓ کا
 کارنامہ ان کے کارناموں سے بڑھ کر ہے۔ (طبقات ج ۲ صفحہ ۳۰۳)۔
 سیدہ ام عمارہؓ کا بیٹا عبداللہؓ جب زخمی ہو گیا تو اس کے زخموں پر پیٹی باندھ کر
 کہا جاؤ بیٹا پھر لڑو۔ یہ سنکر نبی علیہ السلام نے فرمایا من یطیق ما
 تطیقن یا ام عمارہ! ام عمارہ ختنی تجھ میں تھی اتنی کس میں ہوگی۔
 (ایضاً) اکثر ارباب سیر نے لکھا ہے کہ سیدہ ام عمارہؓ جنگ احد کے علاوہ
 حدیبیہ، خیبر، حنین کی لڑائیوں میں بھی شامل تھیں۔ ابن سعد کا بیان ہے :
 شهدت احداً والحدیبیة وخیبر وعمرة القضاة وحنیناً و
 یوم الیمامة۔ یعنی آپ نے احہ، حدیبیہ، خیبر، عمرة القضا، حنین، جنگ
 یمامہ دیکھی تھی (طبقات)۔

جنگ یمامہ نبی علیہ السلام کی وفات کے بعد مسلمانوں کے دعوے نبوت پر
 سیدنا خالدؓ کی قیادت میں لڑی گئی۔ مسلمانوں نے سیدہ ام سلمہؓ کا بیٹا شہید
 کر دیا تھا۔ جب لڑائی شروع ہوئی تو آپؐ صفیں چیرتی ہوئی مسلمانوں کے سر
 پر چا پہنچیں۔ اتنے میں دو تلواریں مسلمانوں پر پڑیں۔ اور وہ کٹ کر گھوڑے
 سے گر پڑا۔ غور سے دیکھا تو عبداللہؓ کو کھڑے پایا۔ یہ چھا کس کی تلوار سے
 اصل مجہم ہوا۔ عبداللہؓ نے کہا۔ ایک تلوار میری پڑی اور دوسری وحشی کی۔
 آپ کا ایک ہاتھ کٹ چکا تھا۔ مگر اس کے بعد بہت عرصہ تک زندہ رہیں۔
 ۹۔ سیدہ ام حرامؓ بنت لیحان۔ بحری جہاد کے متعلق مشہور بشارات انہیں کی
 ذات سے متعلق ہے۔ ہم میں بزمانہ سیدنا زوالنورینؓ سیدنا امیر معاویہؓ
 نے جزیرہ قبرص پر حملہ کرنے کے لئے لشکر بھیجا۔ آپؓ اپنے شوہر حضرت عبادہؓ
 بن صامت کے ہمراہ اس جہاد میں شریک تھیں۔ فتح قبرص کے بعد وہ ایسی پر
 سواری سے گر کر شہید ہوئیں (اسد الغابہ ج ۵ صفحہ ۵، ۵) بخاری کے علاوہ متعدد
 احادیث میں یہ واقعہ درج کیا گیا ہے۔

- ۱۰۔ سیدہ ام ورقہ بنت عبداللہؓ۔ غزوہ بدر میں شامل ہونے کی اجازت نہ ملی۔
 بنی غلبہ السلام نے ان کو عورتوں کا امام بنایا تھا۔ (اصابہ) بنی غلبہ السلام
 کی اجازت سے ایک موذن بھی مقرر تھا۔ اور وہ اذان دیتا تھا اور یہ امرت کرتی تھیں۔
 ۱۱۔ ام عطیہ بنت حارث۔ نام نسیمہ تھا۔ بنی غلبہ السلام کے ساتھ سات غزروں
 میں شریک ہوئیں۔ ہر غزوہ میں کھانا پکانے، سامان کی حفاظت کرنے، سرسبز
 کی تیاری کرنے اور مجروحوں کی مرہم پٹی کرنے کی تہاذا خدمات انجام دیں۔

(طبقات جلد ۲ صفحہ ۳۳۴۔ مسلم ج ۲ صفحہ ۱۰۵)

- ۱۲۔ ربیعہ بنت معوذ بن غفرانہ۔ بیعت رضوان میں شریک تھیں (اسد الغابہ ج ۵ صفحہ ۱۷۴)
 جہاد میں اکثر شریک ہوئیں اور بنی غلبہ السلام کی ہر کابی کا شرف حاصل کیا ایسے
 موقعوں پر بڑی تندی سے کام کرتی تھیں۔ مجاہدین کو پانی پلاتیں۔ ان کی خدمت
 کریں۔ اور مجروحوں کو دہنہ لے جاتی تھیں۔ (اصابہ ج ۲ صفحہ ۵۷۵) غفرانہ کے
 بیٹوں نے ابو جہل کو قتل کیا تھا۔

- ۱۳۔ ام سلیم۔ صحیح مسلم میں ہے۔ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 یغزو بام سلمہ ونسوة من الانصار معه اذا غزا فیسقین الماء و
 ید اوین الجرحی۔ بنی اکرم۔ سیدہ ام سلیم اور انصار کی چند عورتوں کو غزوات
 میں ساتھ رکھتے تھے۔ جب آپ جنگ میں مشغول ہوتے تو یہ پانی پلاتیں۔ اور
 زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں۔ (جلد ۲ صفحہ ۳۵۲)

جنگ احد کے متعلق حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ میں نے سیدہ
 عائشہ ام المؤمنینؓ اور سیدہ ام سلیم کو پانی چڑھائے ہوئے مشک بھر بھر
 کر لائے اور زخمیوں کو پانی پلاتے دیکھا۔ جب مشک خالی ہو جاتی تو پھر
 بھر کر لاتی تھیں (ایضاً)

مگر کہ خیرؓ میں بھی آپ بنی اکرم کے ساتھ تھیں۔ آپ نے ہی ام المؤمنین
 سیدہ صفیہ کو دلہن بنایا تھا۔ جنگ حنین میں بھی باوجود حاملہ ہونے کے
 خنجر لے ہوئے موجود تھیں (طبقات)

- ۱۴۔ ام کلثوم بنت عقبہ۔ صلح حدیبیہ کے بعد اکیلے ہجرت کی۔

۱۵۔ ام حکیم بنت حارث۔ دوسرا نکاح خالد بن سعید بن العاص سے ہوا۔ مسلمان جب ایک جہاد کے لئے مرج السفر میں پہنچے رستم غردی ادا ہوئی۔ صبح ولیمہ کی تیاریاں ہو رہی تھیں کہ رومیوں کا لشکر پہنچ گیا اور خالد بن سعید شہید ہو گئے۔ ام حکیم اگرچہ غردس تھیں مگر ٹھاٹھا باندھ کر ایک خیمہ کی چوب اٹھار لی۔ اور سات کافروں کو ہلاک کیا۔

(استیعاب جلد ۲ صفحہ ۹۰)

مہجر جنرل اے۔ آئی اکرم نے اپنی تالیف SWORD OF ALLAH میں سیدنا خالد بن الولید کے حالات زندگی اور ان کی فتوحات لکھی ہیں۔ کتاب کے ناخذ ہیں۔ میرزا النبی ابن ہشام، معازی رسول اللہ، فتوح الشام واقعی۔ طبقات البری ابن سعد، المعارف ابن قتیبہ، تاریخ یعقوبی اور البلدان یعقوبی، فتوح البلدان بلاذری۔ اخبار الطوال دینوری، طبری۔ مروج الذهب، تنبیہ والاشرات سعودی، الاغانی صفہانی، معجم البلدان یا قوت، کتاب الخراج ابو یوسف

مذکورہ صدر تمام واقعات کا اپنی تالیف میں مولف نے تفصیلی تذکرہ کیا ہے۔

صرف دو واقعات مولف کی زبان سے سن لیجئے۔ جنگ احد کے تذکرہ میں لکھتے ہیں :

16- With the group were also present two women who had busied themselves with carrying water to the Muslims and had now joined the Prophet
SWORD OF ALLAH

DECLINE AND FALL OF THE ROMAN EMPIRE

BY GIBBON. (Page 36).

سیدنا خالد بن الولید علیہ السلام

17 - Khalid nearly fell off his horse when he heard the reply of the masked rider for it was the voice of a girl!

O Commander I only turn away from you out of modesty. You are the glorious commander, and I am of those who stay behind the veil. I fight like this because my heart is on fire (P.360)

اسی جنگ میں سیدہ خولہؓ کے بھائی ضرار بن الازور کو عیسائیوں نے گرفتار کر لیا۔ اور سیدہ خولہؓ نے انہیں آزاد کرانے کے لئے جن مجاہدوں کا انتخاب کیا۔ ان میں خولہؓ بھی تھیں۔ چنانچہ وہ اپنے بھائی کو چھڑا لائیں۔

اگرچہ یہ درست ہے کہ عورت کی طبعی حالت کسی حد تک فرائضِ امامت کی عہد دہرائی سے قاصر ہے مگر اس قسم کی نصیحتات تک رہنی شواہدِ رہنمائی کمرے سے بھی قاصر ہیں کہ جنسِ لیلیٰ ہونے کے جرم میں اسے چار دیواری کے اندر قید کر دیا جائے۔ یہ قطعاً غلط استدلال ہے کہ کسی مسلمان عورت کو کسی حالت میں بھی سبک کی سیاسی زندگی یا فوجی زندگی سے متشغلی قرار دے دیا جائے۔ خصوصاً ایسی حالت میں جبکہ پوری ملت آتشِ فتنہ و فساد کی کپٹ میں آجائے۔ اور پھر حالات اس مقام تک پہنچ چکے ہوں کہ کوئی دوسرا اس فتنہ کی آگ کو بجھانے کے لئے آگے نہ بڑھے۔ بلکہ جو افراد اس قسم کی اہلیت کے حامل ہوں وہ خود کسی عورت کی رہنمائی میں کام کرنے کیلئے تیار ہوں۔

امام مالکؒ، طبری اور ایک روایت میں امام ابو حنیفہؒ اور بعض دوسرے ائمہ اس بات کے قائل ہیں کہ عورت کو امامت اور فضا کے مناسب تقویٰ کے لئے جائز ہے۔ (فتح الباری و تفسیر لانی باب کتاب رسول اللہ الی اکسری)

سیدنا فاروق اعظمؓ نے ایسے امور میں متشدد ہونے کے باوجود ایک بازار کا انتظام شفا عدویہ کے سپرد فرمایا کہ کتاب اسماء الرجال فی ذکر شفا عدویہ

صدیقیہ کائنات میں خود عورتوں کے درمیان کھڑے ہو کر ان کو نماز پڑھاتی تھیں۔

طبقات ابن سعد جز ثلثا صفحہ ۳۶۰) مگر صحابہ کرام میں سے کسی نے ان کے اس فعل پر گرفت نہ کی۔

ہمارے بعض علماء کو اس موضوع پر بڑا تسامح ہوا ہے۔ انہوں نے عورت اور مرد کے فطری وظائف کی آڑ میں اس قسم کی داشتگات تصریحات سے غصہ بصر کرتے ہوئے وقت فی بیوتکن تک ہی اپنی علمیت کو محدود کر کے رکھ دیا اور ولا تخرجن قیرج المجاہلۃ کو بالکل نظر انداز کر دیا۔ مفہوم تو یہ تھا کہ گھروں میں قرار پکڑو۔ اور دور جاہلیت کی طرح گھروں سے باہر نہ نکلو۔ جس طرح آج کل میک اپ کے سڑکوں پر ماری ماری پھرتی ہیں۔ دور جاہلیت کی قید نے مسکد حل کر دیا۔ جاہلیت کے دور میں کعبہ کا جنگے پر نطلات، عسکات کے میلے میں کھلے بندوں مرتبہ خوانی وغیرہ سب شامل تھے۔ در نہ جیسا کہ ہم مفصل لکھ چکے ہیں کہ نبی علیہ السلام خود اپنے ساتھ غزوات میں عورتوں کو لے جاتے تھے۔

در اصل اس موضوع پر کھینچا تانی کی اصل وجہ صدیقہ کائناتؑ کو رض کی مہنوائی میں خطا اجتہادی کی لم تراش کر سیدنا علیؑ کے موقف کو مبنی بر حق ثابت کرنا ہے۔ اور الامامة والسياسة کے رافضی مولف کے ان کلمات کی ترجمانی کا پورا پورا سزا ادا کیا۔ اور یہ نہ سوچا کہ ہم متاع ایمان کو ہی خیر باد کہنے کا سامان پیدا کر رہے ہیں۔

۱۔ الامامة والسياسة کا رافضی مولف سیدنا عبداللہ بن عمرؓ کی زبان سے یہ الفاظ کہلاتا ہے۔

ان بیت عائشة خیر لها
من ہودجھا۔
حضرت عائشہؓ کا گھرانہ کے ہودج سے بہتر تھا۔ (صفحہ ۵۶)

۲۔ سیدنا علیؑ کی زبان سے صدیقہ کائناتؑ کی طرف ان الفاظ میں ایک خط نقل کیا گیا ہے۔

امّا بعد فانک خرجت ما فیہ لنا ورسولنا الخ آپ اللہ اور رسول کی جمیت میں ایک ایسا مطالبہ لے کر اٹھتی ہیں جس کی ذمہ داری سے آپ

اللہ اور رسول کی طرف سے سبکدوش تھیں۔ عورتوں کو جنگ اور مردوں کے معاملات میں پڑنے سے کیا تعلق؟ آپ عثمانؓ کے خون کا مطالبہ لے کر اٹھی ہیں حالانکہ اللہ گواہ ہے کہ جن لوگوں نے آپ کو اس آزمائش میں مبتلا کیا اور اس غلطی پر آمادہ کیا ہے انہوں نے عثمانؓ کے قاتلوں سے بڑی برائی آپ کیساتھ کی آپ دوسروں کے اُبھارنے سے غصے میں آگئی ہیں اور دوسروں کی انجمنیت سے آپ میں اشتعال پیدا ہو گیا ہے اللہ سے خوف کیجئے اور گھر کو لوٹ جائیے (صفحہ ۶۴)

۱۵ ماہنامہ میثاق مارچ ۱۹۷۷ء میں مولانا امین احسن اصلاحی کا مقالہ بعنوان ”نظریہ مسادات مردوزن شریعت کی کسوٹی پر“ صفحہ ۵ تا ۲۶ شائع ہوا ہے۔ اس مقالہ کے باقی مبادیات سے قطع نظر ”صدیقہ کائنات“ کے متعلق اصلاحی صاحب کو صرف تسامح یا ذہول ہی نہیں ہوا بلکہ موصوف نے غضب سے کام لیتے ہوئے الامتہ وال سیاست کی اسی وضعی روایت کی آڑ میں رخصت کی وکالت کا حق ادا کرنے میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی۔

اصلاحی صاحب نے صفحہ ۱۳ پر پہلے صدیقہ کائنات کے متعلق یہ وضعی روایت نقل کی ہے۔ ان بیت عائشہ خیر لہا من ہودجھا پھر اسی صفحہ پر آگے چل کر اپنے خود ساختہ موقف کی تائید میں الامتہ وال سیاست کی مذکورہ روایت کا سہارا لیا ہے۔ یہ تحقیق مسلمات کا درجہ رکھتی ہے کہ الامتہ وال سیاست کسی غالی رافضی کی تالیف ہے۔ جو اس نے اہل سنت کے ہاں نقب لگانے کے لئے اپنے روحانی اب وجہ کی تقلید میں ابن قتیبہ کے نام منسوب کی ہے۔ ابن قتیبہ کے متعلق یہ بات پایہ تحقیق تک پہنچ چکی ہے کہ وہ کبھی مصر نہیں گئے۔ مگر مذکورہ تالیف میں مصر کے دو علماء سے اکثر روایتیں قلمبند کی گئی ہیں۔ اصلاحی صاحب بعد شوق اپنے نظریہ کی تائید میں طب وپالس کے انبار ذرا ہم کرتے چلے جاتے مگر جس بات کے متعلق ان کے تاریخی معلومات ہی رخصت کے تاریخی سرایکے زمین منت ہوں۔ اسے نظر انداز کر دیتے۔

اگر اصلاحی صاحب اسی وضعی منسوب الی العسلی مکتوب کے بین السطور میں ذرا بالغ نظری سے غور کرنے کی زحمت گوارہ فرماتے تو انہیں صاف نظر آتا کہ حضرت علیؓ ہرگز ہرگز اپنی ماں کی شان میں غصہ انجمنیت اور اشتعال جیسے سو قیامتہ الفاظ استعمال نہیں کر سکتے تھے۔

الامانۃ والسیاستہ کے رفعتی مواضع کے اس خط کے بین السطور سے جو بعض ٹیکے رہا ہے وہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ایسے کلمات سیدنا علیؑ کی زبان سے نہیں نکلے۔
 ۱۔ اگر صدیقہ کائناتؑ خون عثمانؓ کے قصاص کا مطالبہ لے کر نہ اٹھیں۔ تو سیدنا علیؑ یہ نشانہ ہی قرار دیتے کہ یہ مطالبہ لے کر کون اٹھتا۔ سیدنا فاروقؓ اعظمؓ کے مجوسی قاتل کی گردن اڑانے کے جرم میں عبید اللہؓ بن عمرؓ کو قتل کرنے پر آپؑ نے جس بے صبری کا اظہار کیا اور پھر اپنی برائے نام خلافت میں بارہ سال بعد سب سے

رفیقہ حاشیہ اور پھر سبائی یکسال سے نکلے ہوئے اس مکتوب کا یہ فقرہ کہ ”آپ عثمان کے خون کا مطالبہ لے کر اٹھیں“ اس تمام عمارت کو ہی پیوند خاک کرنے کے لئے کافی ہے۔
 موردی صاحب بھی کسی زمانہ میں فرماتے تھے کہ عورت کو دھڑ دینے کا بھی حق نہیں مگر بہت جلدی یہ بھی دیکھنے میں آیا کہ ایک عورت کو صدر مملکت بنانے کے لئے اپنی تمام تر صلاحیتیں صرف کر دیں اور پھر قومی اتحاد کی تحریک کے دوران ”صدقہ کائنات“ کے اسودہ حنہ میں ہی بڑے بڑے مسند نشینان محراب و منبر کی پر وہ نشیمان سرعفات باہر نکل آئیں۔

اصلاحی صاحب کے ذہن سے عجیب عجیب اختراعات کا ظہور ہوتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ نبی علیہ السلام کی انواع مطہرات اور صحابہ کرامؓ میں سے بعض کے متعلق آپؐ کا ذہن صاف نہیں۔ صرف حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق آپؐ کے خیالات پیش کئے جاتے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں رجم کا سب سے زیادہ مشہور واقعہ معاذ رضی اللہ عنہ کے رجم کا ہے اس شخص کے بارے میں کتابوں میں جو روایات ملتی ہیں۔ ان میں نہایت عجیب قسم کا تناقض ہے یعنی روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ (معاذ) بڑا بھلا مانس تھا۔ اور بعض سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک نہایت بد خصلت گنڈا تھا۔ میری رہنمائی کے لئے یہ بات کافی ہے کہ نبی صلی اللہ وسلم نے اس کو رجم کی نرا دلائی اس وجہ سے میں ان روایات کو ترجیح دیتا ہوں جن سے اس کا وہ کردار سامنے آتا ہے جس کی بنا پر یہ (معاذ) مستحق رجم ٹھہرا۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہ کسی غزوہ کے لئے نکلنے تو یہ چپکے سے دیک کر بیٹھ رہتا۔ اور مردوں کی عدم موجودگی سے فائدہ اٹھا کر شریف ہوؤں بیٹیوں کا تعاقب کرتا۔ بعض روایات سے اس تعاقب کی نوعیت بھی واضح ہوتی ہے کہ اس طرح تعاقب کرتا جس طرح بکریوں کا تعاقب کرتا ہے۔ بعض روایات

پہلا جو حکم جاری فرمایا وہ عبد اللہ بن عمر کی گرفتاری کا تھا۔ ادھر تو آپ کی لگہیت پورے عروج پر نظر آرہی ہے۔ مگر نبیؐ کا دوسرا داماد اور محسن اسلام چالیس چالیس دن بعد کا پیاسا محصور ہے اور اسے مسجد میں بھی آنے سے روک دیا جاتا ہے۔ یہاں آپ کی لگہیت اس سے ہزاروں مقام پر بھی نظر نہیں آتی۔ اور پھر شہادت عثمانؓ کے بعد آپ بالکل ٹالین عثمانؓ کے ہو کر رہ گئے۔ انہی لوگوں نے آپ کو اڑکے طور پر استعمال کرنے کے لئے خلیفہ منتخب کیا۔ انہی کے ایماء سے آپ نے "ثم لا یجاورونک" سے آنکھیں موندھ کر مدینہ چھوڑا اور کوفہ کو مستقر خلافت بنایا۔

رفیقہ حاشیہ) میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ یہ عورتوں کے پیچھے یَنْتَبِیْ التَّیْسِ (سانپ بکرے کی طرح آواز دو۔ بکرے عورتوں کا پیچھا کرتا۔ اصل کتاب میں یہ ترجمہ نہیں ہے)۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی شرارتوں کی خبر ملتی رہی۔ لیکن چونکہ کسی صریح قانون کی گرفت میں یہ نہیں آیا تھا۔ اس وجہ سے آپ نے کوئی اقدام نہیں کیا۔ بالآخر یہ قانون کی گرفت میں آگیا۔ آپ نے اس کو بلا کر نہایت تنکیے انداز میں پوچھ گچھ کی۔ وہ مار گیا کہ اب بات چھپانے سے نہیں چھپ سکتی اس وجہ سے اس نے جرم کا اقرار کر لیا۔ جب اقرار کر لیا تو آپ نے اس کے جرم کا حکم دے دیا۔ اس کے رجم کے بعد لوگوں کا عام تاثر جو روایات سے معلوم ہوتا ہے وہ یہ تھا کہ بہت سے لوگوں نے یہ کہا۔ کہ اس شخص کی شامت نے اس کا پیچھا نہیں چھوڑا۔ یہاں تک کہ یہ اپنے کبوتر دار کو پہنچ گیا۔ اگرچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کے بعد اس کے بارے میں کفتیان کی ہدایت فرمائی۔ لیکن عام تاثر لوگوں کا یہی تھا۔ تہذیب قرآن جلد ۵ صفحہ ۵۰۵۔

اس حوالہ میں تو سین میں الفاظ میرے اپنے ہیں۔

تاثرات۔ حضرت ماعزؓ کے متعلق یہ الفاظ نہایت بدخصلت گنڈا۔

۱۔ جنگ کے ایام میں چھپ کر بیٹھ رہتا۔ اور موقع ملنے پر گناہ کی گھات لگاتا۔

۲۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی شرارتوں کی رپورٹ ملتی رہتی۔

۳۔ وہ خود حاضر عدالت ہوئے کترتا رہا۔ جب قطعی حالات کھل گئے تو پھر کہیں

حاضر نہ ہوا۔ اقرار کر لیا۔

۴۔ عورتوں کا تاثر اس کے متعلق چھپتا تھا۔

ان حالات میں صدیقہ کائناتؑ نے جو کچھ کیا رہی حق تھا۔ آپ کو جنگ جمل میں شکست ہوئی یا لڑائی برابر رہی یا آپؐ کا میاب ہو جائیں نتیجہ تینوں صورتوں میں ایک ہی نکلتا۔ ذرا اصل حقیقت کی طرف رجوع کیجئے۔ جنگ جمل دراصل ان ”مجرس و ہود“ کے خون آشام جبروں میں آپؐ کی لگام تھکی۔ اگر صدیقہ کائناتؑ ”مبنی برحق موقف اختیار فرما کر یہ جرات نہ قرآن میں ترسیدنا علیؑ کے وہ لشکر کی جن کی باگ ڈور عید اللہ بن سبا کے چیلوں اور اثتر نخعی کے ہاتھوں میں تھی وہ مادر پدر آزاد گردود جو دو مہینے مدینہ النبیؐ کی گلیوں میں ڈکراتا رہا اور قطع نظر دیگر صحابہ کو ام سیدنا علیؑ خود کچھ نہ کر سکے۔ ————— عالم اسلام کے لئے ایک عظیم المیہ ثابت ہونا۔

(بقیہ حاشیہ) صحیح روایات میں اس کا چھپ جانا جنگ میں شمولیت سے کترانا۔ اور لوگوں کی عزتوں سے کھیلنے کا کوئی واضح ثبوت نہیں ہے۔ یہ محض اتفاقی بشری لغزش اور خطا تھی مگر اس کی ایک نفسی ادب پاک طیتی دیکھیے کہ گناہ کر چکنے کے بعد وہ خود ہی متاسف ہوا۔ اور اپنے آپ کو از خود قانون کے حوالے کر دیا۔

مگر صحابہؓ کے متعلق اس قسم کی رائے۔ اور اس کے بین السطور سے جو تاثرات ابھرتے ہیں وہ صحابہؓ کی عفت اور صالحیت کو انتہائی مجرد ادراک قابل اعتبار ٹھیراتی ہے۔ کاش کہ اصلاحی صحابہؓ کی نظر سے صحیح مسلم کی یہ روایت گزری ہوتی۔

حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ماعز بن مالک بنی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ مجھے پاک کیجئے۔ پس فرمایا بنی علیہ السلام نے افسوس ہے تجھ پر پس لوٹ جا اور استغفار کر اللہ تعالیٰ سے اور رجوع کر طرت اس کی۔ کہا رادی نے کہ ماعزؓ تھوڑی دُور گیا اور پھر لوٹ آیا۔ اور پھر عرض کیا یا رسول اللہ مجھے پاک کیجئے۔ پھر بنی علیہ السلام نے اسی طرح فرمایا۔ یہاں تک کہ چار بار ایسا ہوا۔ فرمایا بنی علیہ السلام نے اس کو مجھے بیچ کس چیز کے پاک کروں۔ کہا ماعزؓ نے زنا سے۔ فرمایا بنی علیہ السلام نے کیا اس کو جنون ہے پس خبر دیئے گئے آپؐ نہیں اس کو جنون۔ پھر فرمایا بنی علیہ السلام نے کیا پی ہے اس نے شراب پس کھڑا ہوا ایک آدمی اور سو گھسی اس نے یو اس کے منہ کی پس نہ پائی اس سے شراب کی۔ پھر فرمایا آپؐ نے کیا نہ کیا ہے تو نے کہا ہاں پس حکم

اور سیدنا علیؑ جس طرح سیدنا عثمانؓ کی شہادت کے معاملہ میں بے بس محسن ہے اب ان لوگوں کے سامنے جنہوں نے ان کو ناجِ خلافت پتایا تھا۔۔۔ بالکل مجبور ہو کر رہ جاتے۔ میں کہتا ہوں جنگ جمل صرف عالم اسلام کے لئے ہی باعثِ رحمت ثابت نہ ہوئی۔ بلکہ سیدنا علیؑ پر بھی صدیقہ کائنات کا احسان عظیم تھا۔ یعنی وہ سبائی اور مجوسی لوگ اسلامی قوت سے مرعوب ہو کر سیدنا علیؑ کو اپنا ملجا و مادی سمجھنے پر مجبور ہو گئے۔ اگر صدیقہ کائنات اس جنگ میں ان کی تخریب کارانہ سرگرمیوں کے سامنے بند نہ پانڈتیں۔ تو وہ سیدنا علیؑ کا بھی ساتھ چھوڑ دیتے آخر آپؑ کی شہادت خود اس بات پر گواہ ہے۔

۲۔ اگر صدیقہ کائنات خونِ عثمانؓ کا مطالبہ لے کر نہ اٹھتیں اور فاطمہؑ سیدنا علیؑ کے لشکر میں زندہ رہتے پھرتے تو نبی علیہ السلام کے ارشادات کی روشنی میں اللہ تعالیٰ کا غضب انہیں اس طرح اپنی گرفت میں لیتا کہ ان کے مسلمان ساتھی بھی نہ بچ سکتے۔ سیدہ صدیقہؑ کا یہ فعل سیدنا علیؑ اور ان کے مسلمان لشکریوں پر احسان عظیم ہے۔

۳۔ الامامت والسیاست کے رافضی مواف نے سیدنا علیؑ کے مفروضہ خط میں جو یہ فقرات قلمبند کئے ہیں کہ

آپ دوسروں کے ابھارنے سے غصے میں آ گئیں۔ یہ بہتان صرفہ کا تھا

(بقیہ حاشیہ) کیا آپؑ نے اس کے سنگسار کرنے کا پس منظر کیا کیا پس درتین دن گزر گئے پھر آئے نبی علیہ السلام اور فرمایا کہ استغفار کرو تم واسطے ماعز بن مالک کے تحقیقِ توبہ کی ماعزؓ نے ایسی توبہ کہ اگر تقسیم کنی درمیان امت کے البتہ کفایت کرے ان کو۔

یہ واقعہ معمولی سے تغیر لفظی کے ساتھ حضرت ابوہریرہؓ سے بھی مروی ہے۔ اس میں یہ لفظ زیادہ ہیں کہ جب صحابہ کرام نے ماعزؓ کو رحم کرنے کے بعد نبی علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ ماعزؓ پتھروں کی ایذا سے بھاگ نکلا تھا تو آپؑ نے فرمایا کہ تم نے اسے کیوں نہ چھوڑ دیا (توزیدی ابن ماجہ) اور ایک روایت میں ہے کہ کیوں نہ تم نے اسے چھوڑ دیا شاید کہ وہ توبہ کرتا اور اس شخص کی توبہ قبول کرتا۔

ابو داؤد میں یزید بن نعیم سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے ہزال کو فرمایا کہ اگر تو ماعزؓ کو

یہ نہیں باندھا گیا بلکہ سیدنا علیؑ جو حقیقت حال سے خوب واقف تھے ایسا ہرگز نہ کہہ سکتے تھے تو گویا مولف نے سیدنا علیؑ پر بھی بہتان باندھا ہے۔

”صدیقہ کائنات“ کے مقام سے بے سرو و لنگ ہی اس قسم کی بہتان تراشی کے ترکب ہو سکتے ہیں ایسے لوگوں کو ایسے غیر ذمہ دارانہ الفاظ زبان سے نکالنے سے پہلے یہ سوچنا چاہیے تھا کہ آیا صدیقہ کائنات کی تمام زندگی میں کہیں ایک آدمہ یا بھی ایسا مقام آیا ہے جس میں آپؐ نے جذبات میں بہہ کر کسی کی غلط بات کو تسلیم کیا ہو۔ صدیقہ کائنات کی یہ اپنی صوابدید تھی۔ اور یہ عظیم فیصلہ تھا جو اس وقت اگر آپؐ نہ فرمائیں تو یقیناً تمام عالم اسلام سبائیت کے پنجوں میں تڑپ تڑپ کر دم توڑ دیتا۔ آگے چل کر ان لوگوں کو مصر یا اودھ یا ایران میں جب حکومتیں ملیں تو ظلم کے عنوان سے وہ کون سا باب ہے جو اسلام کے خلاف انہوں نے قلمبند نہیں کیا۔ ہم قیامت تک صدیقہ کائناتؐ کے اس احسان عظیم سے سبکدوش نہیں ہو سکتے۔

۴۔ عورتوں کو جنگ اور مردوں کے معاملات میں پڑنے کا کیا تعلق ہے اس کے جواب میں میں شیعیان علیؑ سے چند باتیں دریافت کرنے کی جسارت کرتا ہوں :

بقول رد الفض سیدنا علیؑ بنی علیہ السلام کے حکم کے مطابق سیدنا حسنؑ کو فرماتے ہیں۔ ”اے حسنؑ میں تم کو وصیت کرتا ہوں جس طرح مجھے رسول خداؐ نے (بقیہ حاشیہ) اپنے پیڑ سے ڈھانکتا تو بہتر ہوتا۔ بنی علیہ السلام نے ہڑال کو اس لئے یہ فرمایا تھا کہ اس کے کہنے سے حضرت ماعزؓ نے بنی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر اعتراف گناہ کیا تھا۔ ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر سنگساری کے وقت ہی حضرت ماعزؓ اپنے اعتراف گناہ سے انکار کر دیتے یا ہڑال حضرت ماعزؓ کو خدمت نبویؐ میں حاضر ہو کر اعتراف زنا کا مشورہ نہ دیتے تو ان صورتوں میں بھی وہ سنگسار ہونے سے بچ جاتے۔ مگر اصلاحی صاحب نے حضرت ماعزؓ کے واقعہ پر کسی قدر خود ساختہ

روایات کے محل تیار کیے ہیں۔ عیب یبیب المیس کے الفاظ کے ساتھ مسلم میں ماعزؓ کا نام نہیں لکھا۔ ماعزؓ کے لفظ ہیں۔ پھر اصلاحی صاحب نے یہ الفاظ ماعزؓ پر حسیاں کر دیے ہیں۔

کی ہے۔ اے فرزندِ اہلبیت! دنیا سے منارت تہ کروں اور میرے اصحاب تہ سے
موافق نہ رہیں۔ اس وقت خانہ نشین رہنا۔ اور گناہیں پر رونا اور دنیا کو
مقصود بزرگ نہ بنانا۔ (جلال یعقوب اردو جلد اول صفحہ ۷۲ اسطر ۱ تا ۱۳)

مشکوٰۃ باب مناقب عشرہ عن علیؑ حدیث ۵۸۵۳

مگر آپؑ نے سیدہ فاطمہؑ کو گدھے پر سوار کر کے گھر گھر پھرایا اور آپ اس
حرکت سے اس قدر غمگین ہوئے کہ حضرت سیدہؑ کی زبان سے سیدنا علیؑ کے متعلق
اس نامہنجا رگروہ نے یہ کلمات بھی ادا کرانے میں غار محسوس نہ کی۔

یا ابن ابی طالب اشملت شملۃ الجنین وقعدت حجرۃ الطین (احتجاج طبری)
اس کا ترجمہ حق البیقین کے مولف کی زبان سے سنئے۔ یا ابن ابی طالب مانند جنین
در رحم پردہ نشین شدہ ای و مثل خاتیان در حانہ گرجیہ۔ (صفحہ ۲۳۳)
لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلیٰ العظیم۔ ہم مسلمان ایسے کلمات کے تصور سے
بھی کاتب اٹھتے ہیں جو کلمات اس بدناما کردہ نے سیدہ فاطمہؑ کی زبان سے سیدنا علیؑ
کے متعلق اپنی کتب میں درج کئے ہیں۔

اور پھر یہ بتائیے کہ سیدنا علیؑ کے ہاتھ پر بیعت کرنے والے صحابہ کرامؓ کی
تعداد کتنی تھی۔ بنی علیہ السلام تو پہلے ہی صحابہ کرامؓ کو مخاطب کر کے سیدنا علیؑ
کی خلافت کا فیصلہ فرما چکے تھے۔ ولاد مسکد فاعلمین مجھے امید ہے کہ تم علیؑ
کو خلیفہ منتخب نہیں کرو گے۔ پھر بنی علیہ السلام کے ارشاد اور صحابہ کرامؓ کی مرضی
کے خلاف فاطمین عثمانؓ کے کہنے سے یہ کانٹوں کا تاج سر پہ کیوں رکھا اور آپ
کی خلافت امت کے لئے کس قدر باعثِ رحمت ہوئی۔

یعنی انار کی ہی انار کی بد نظمی ہی بد نظمی۔

طبری رضی اللہ عنہ کہتا ہے کہ حضرت علیؑ کو چالیس یا دنا آدمی بھی نہ ملے چنانچہ
آپؑ فرمانے ہیں کہ اگر مجھے چالیس یا دنا آدمی مل جاتے تو میں ان غاصبین سے
بحکم رسالت جہاد کرتا (احتجاج طبری صفحہ ۴۷۷-۴۷۸)

روافض غاصبین سے مراد صدیقہ کائناتؑ کے ساتھی اور سیدنا معاویہؓ
کے ساتھی لیتے ہیں۔ مگر ان کے ساتھ جو کچھ ہوتا تھا ہو چکا تھا حقیقت میں غاصبین

سے مراد ہی سبالی گروہ تھا۔ ہر چالیس باونا آدمیوں کا ذکر تو وہ صحابہ کرام کا گروہ تھا۔ جن میں سے حضرت سعید بن ابی وقاصؓ، سعید بن یزید جو حضرت فاروق کے بہنوئی تھے وغیرہ آپ کی ٹکڑ کے لوگ بھی تھے۔ مگر انہوں نے خانہ نشینی اختیار کر لی تھی۔ اور بانی سب صدیقہ کائنات کے کرب میں تھے۔ اسی لئے شاہ ولی اللہ کو بھی لکھنا پڑا کہ علیؓ اپنی ذات میں خلیفہ تھے۔

اب ذرا ایک نظر سے صحیح بخاری کی ان روایات کو بھی دیکھ لیجئے۔

عبدان، عبداللہ، یونس، ابن شہاب، ثعلبہ بن ابی مالک سے روایت کرتے ہیں کہ عمر بن خطابؓ نے مدینہ کی عورتوں کو کچھ چادریں تقسیم کیں تھیں۔ تو ایک نہایت عمدہ چادر بیچ گئی۔ پاس بیٹھنے والوں میں سے کسی نے کہا کہ امیر المؤمنین یہ چادر آپ رسول اللہ کی صاحبزادی یعنی فاطمہؓ کی ام کلثومؓ جو علیؓ کی بیٹی ہے اور آپ کے نکاح میں ہے اسے دے دیجئے۔

عمرؓ نے کہا ام سلیمانؓ سے زیادہ مستحق ہے۔ ام سلیمان انصاری خواتین میں سے تھیں۔ جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی تھی۔ عمرؓ نے کہا۔ وہ ہمارے لئے احد کے روز مشکیں بھر کھیر لاتی تھیں۔

○ علی بن عبداللہ، مبشر بن مفضل، خالد بن ذکوان ربیع بنت معوذ سے روایت کرتے ہیں کہ ہم جہاد میں رسول اللہ کے ہمراہ جایا کرتے تھے اور پانی پلانے تھے اور زخمیوں کا علاج کرتے تھے اور زخمیوں اور مقتولوں کو اٹھا کر مدینہ لاتے تھے۔

جن لوگوں نے بخاری کی اس روایت کو اپنے استدلال کی سند میں پیش کیا کہ سیدہ عائشہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ یا رسول اللہ ہم جہاد کو سب سے افضل نیکی سمجھتی ہیں تو کیا ہم جہاد نہ کریں۔ آپؐ نے فرمایا نہیں بلکہ تمہارے لئے سب سے افضل نیکی حج مقبول ہے۔

مگر اس طرٹ توجہ کیوں نہ دی گئی کہ ان عورتوں کو جو نبی اکرمؐ کے ساتھ جہادی لشکر میں شامل گھروں سے نکلتی رہیں انہیں واپس گھروں میں کیوں نہ بھیج دیا۔ بات کے دونوں سرخ سامنے رکھیے اور خواہ مخواہ ایک طرح کی تائید میں

طب رباہستہم کے دلائل و ظاہر کو جمع نہ کیجئے۔ بلکہ دوسرے رخ کو بھی دیکھئے۔ کہ عورتوں کی جہاد میں شرکت کے حق میں کس قدر تفسیحات موجود ہیں۔ آپ کو صاف نظر آئے گا کہ موخر الذکر رخ کے حق میں دلائل زیادہ قوی ہیں۔ اسی لئے مودودی صاحب ہم کو اس مسئلہ میں رجوع کرنا پڑا۔

اور سچ یہ ہے کہ ان کی تمام زندگی میں صرف یہی ایک مسئلہ الیاس ہے جس سے انہوں نے رجوع کیا۔

وہ فرضنا ہم تسلیم کر لیتے ہیں کہ آپ نے عورتوں کو جہاد میں شامل ہونے سے منع فرمایا۔ تھا۔ تو ان احادیث کی کیا توجیہ ہوگی۔ جب ایک شخص نے حج کی اجازت طلب کی تو آپ نے پوچھا تمہارے ماں باپ زندہ ہیں۔ اس نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ تو آپ نے فرمایا جاؤ ان کی خدمت کرو۔ اور اس روایت کا کیا مفہوم اخذ کیا جائے گا۔ جب ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ میرا نام فلاں جہاد میں لکھ لیجئے اور میری بیوی حج کے لئے جا رہی ہے۔ فرمایا۔ لوٹ جاؤ اور اپنی بیوی کے ساتھ حج کرو۔

اب جن کے ماں باپ زندہ ہیں وہ ان کی اجازت سے بھی حج نہ کریں اور جن کی بیویاں حج کے لئے تیار ہو چکی ہیں اور دشمن سرحدوں پر موجود ہے وہ اپنی بیویوں کو لے کر حج کے لئے روانہ ہو جائیں۔ اللہ اللہ خیر

نبی اکرم کے ارشادات کی ایسی سمجھ سے اللہ اپنی پناہ میں رکھے۔
اب ہم نئی نقطہ نگاہ سے واقعہ حبل کا جائزہ لینا چاہتے ہیں۔

✓ فریقین ہیز صدیقہ کائنات اور سیدنا علیؑ۔ دیکھنا یہ ہے کہ ہر دو میں سے کس کا موقف قرین صواب ہے۔ ”صدیقہ کائنات“ کا موقف یہ ہے کہ سیدنا علیؑ تابعین عثمانؓ کی حمایت سے دستبردار ہو کر ان پر حد جاری کریں اور آپ اس موقف پر اس لئے ولی ہوئی ہیں کہ حدیبیہ کے مقام پر تمام امت خون عثمانؓ کے قصاص پر بیعت کر چکی تھی۔ اور وہ لوگ اس بیعت سے انحراف کو بہت بڑا گنا سمجھتے تھے۔ ”صدیقہ کائنات“ کا اگر یہ موقف تسلیم کر لیا جاتا تو لایب سیدنا علیؑ کی خلافت تسلیم کر لی جاتی اور صفین کا المیہ کبھی اپنی موت آپ مر جاتا۔ مگر سیدنا علیؑ کو معلوم اس فتنہ پر دائر گردہ نے کس طرح دھوکے دیئے کہ آپ کی نظروں سے دَاوْدَ اَحِبَّةِ اُمَّلَتْهُمْ کا لفظ سبھی

ادھبل ہو کر رہ گیا۔ آخر آپ کا اس جنگ میں موقف کیا تھا؟ آپ اپنی اس پیش رفت کو دین کی کس روشنی میں لے کر اٹھے۔ اگر یہ کہا جائے کہ آپ فتنہ کو مٹانا چاہتے تھے تو وہ کوئی فتنہ تھا جسے آپ مٹانا چاہتے تھے۔ فتنہ میں قزود و خرد گھرے ہوئے تھے اور فتنے کی وکالت میں وہ اپنی اس ماں سے اُلجھ گئے جن کے متعلق نبیؐ بار بار فرما چکے تھے کہ تم مجھے عائشہؓ کے معاملہ میں ایذا نہ دو۔

سیدنا علیؓ کے ساتھ کس قدر صحابہ کرامؓ موجود تھے۔ اس بات کا بھی کسی کے پاس کوئی جواب نہیں۔ بہتر طریقہ تو یہ تھا کہ ہم اس معاملہ میں بالکل خاموش رہتے مگر جب چند حواس باختہ لوگوں نے ”سیدہ صدیقہ“ کا موقف ہی سمجھ لیا کہ یہ کیا تو لا محالہ اصل صورت واضح کرنا ضروری ہو گئی۔ کہا جاتا ہے کہ سیدہ صدیقہؓ نے اپنے سے بصرہ کیوں گئیں۔ مگر یہ کیوں نہیں کہا جاتا کہ سیدنا علیؓ مدینہ سے کوفہ کیوں گئے۔ بیعت رضوان سے متعلق آدھی آیت تو بار بار سہرائی جاتی ہے مگر آدھی آیت فمن نکث فانما ينكث علی نفسه بخبر نظر نہ کر دی جاتی ہے آخر کیوں؟

واقعہ جواب

صدیقہ کائناتؓ کے سفر بصرہ کے متعلق ایک اور عجیب داستان تراشی گئی۔ اور پھر موقع محل کے مطابق ایک حدیث بھی تیار کر لی۔ یعنی علیؓ علیہ السلام نے ایک دفعہ از داج مطراتؓ کو مخاطب کر کے فرمایا

○ کان احدکم تنبھا الکلاب الحواب فایا ایہ ان تکوفی یا حمیرا۔

گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ تم میں سے ایک پر حواب کے کتے بھونکتے ہیں۔ اے حمیرا (حضرت صدیقہؓ) تو وہ نہ ہونا۔

○ عن ام سلمة قالت ذکرا النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام خروج

امہات المؤمنین فضحکت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فقال انظری یا حمیراء ان لا تکوفی انت حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ حضورؐ کے سامنے بعض ازواجؓ کے خروج کا ذکر کیا گیا تو حضرت عائشہؓ نے لگن تو آنحضرتؐ نے فرمایا۔ اے حمیرا (حضرت صدیقہؓ) تم ایسا نہ کرنا۔

اسی کتاب راوی نے لکھا ہے کہ حضرت عائشہؓ جب حواب کے مقام پر پہنچیں

اور کہنے لگے تو آپ نے اس مقام کا نام دریافت فرمایا۔ آپ کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ اس مقام کا نام جواب ہے۔ آپ یہ سن کر اسی مقام پر رک گئیں اور وہاں پہی کا ارادہ کر لیا۔ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ نے پچاس اہل طمع سے حلفہ گواہی دلوائی کہ اس مقام کا نام جواب نہیں۔ چنانچہ اسلام میں یہ پہلی جھوٹی گواہی ہے۔ ابن جریر طبری نے اس مذبذب روایت پر ایک خصوصی باب باندھا ہے۔ اور ابو مخنف لوط بن یحییٰ متوفی ۱۷۰ھ جیسے معروف کذاب کی اسناد ترک کر کے اپنی اسناد اس طرح لکھی ہیں :

حدثني اسماعيل بن مرمي الفزاري قال اخبرنا علي بن عيسى
الاذرق قال حدثنا ابو الخطاب الهجري عن صفوان بن قتيبة الاحمسي
قال حدثني العوفي صاحب الجمل (طبري ج ۱ صفحہ ۱۷۰)

ابن جریر طبرستان میں آل کے مقام پر ۲۲۴ھ میں پیدا ہوا اور ۳۱۰ ہجری میں بغداد میں فوت ہوا۔ اسماعیل ۲۴۵ھ میں کوفہ میں مرا۔ یعنی جب اسماعیل مرا اس وقت طبری کی عمر بیس اکیس سال تھی اور وہ ان دنوں ابھی آل سے ہی نہیں نکلا تھا۔ تو اس نے کس طرح اسماعیل سے اسناد اسماعیل کے متعلق امام ذہبی محدث ابن ندی کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ وہ غالی شیعہ تھا اور ایسا خبیث النفس تھا کہ صحابہ کرام پر سب دشتم کرتا تھا۔ میزان الاعتدال ص ۱۷۱
دوسرا راوی جس نے فزاری جیسے فاضل سے روایت کی ہے علی بن عیسیٰ بن بلکہ علی بن عباس ہے اس کے متعلق امام ذہبی کہتے ہیں۔ علی بن عباس المازنی الاسدی کوفی علامہ بن مسیب اور ابن سلیم وغیرہ سے روایت کرتا ہے اور عباس نے ابن معین سے بیان کیا ہے یہ علی بن عباس لیس پیشی تھا۔ علامہ جوزجانی، امام نسائی اور ازدی اس کو ضعیف کہتے ہیں اور امام ابن حبان لکھتے ہیں کہ یہ ایسی فاحش خطائیں کرتا تھا کہ جن کی وجہ سے چھوڑ دینے کا مستحق قرار دیا گیا۔
تیسرا راوی ابو الخطاب الهجری ہے جس کو تہذیب التہذیب میں ابن حجر نے مجہول کہا ہے۔ جو تھارادی صفوان بن قتیبة الاحمسی ابو الخطاب کی طرح مجہول ہے۔ میزان الاعتدال

پانچواں روئے عربیہ قبیلہ کا کوئی نام معلوم الا سم مجہول تقسم اونٹ والا ہے۔
جس سے حضرت صدیقہ کے لئے اونٹ خریدنا بیان کیا گیا ہے۔ طبری کی زبان
سے رفس کے مرد نے یہ کذب تخلیق کراتے وقت دروغ گورا حافظہ نباشد
کے مصداق اصل واقعہ جو اس سے پہلے وداپنی تاریخ میں لکھ چکا تھا اوجھل کر دیا۔
صدیقہ کائنات کے متعلق طبری نے یہ داستان بعد میں لکھی ہے ملاحظہ ہو
ترجمہ طبری حصہ سوم خلافت راشدہ حصہ سوم صفحہ ۸۶

اب اصل واقعہ اسی طبری کی زبان سے سنئے۔ جو اس کذب سے پہلے لکھ چکا تھا۔
سہیل اور یعقوب سے مروی ہے کہ غطفان نے شکست خوردہ اور مفرد لوگ
ظفر آئے۔ یہاں ام زمل سلمیٰ مالک بن حذیفہ بدر کی بیٹی جو اپنی ماں ام قرقہ بنت ربیعہ
بن خلال بن بدر کے بالکل مشابہ تھی رہا کرتی تھی۔ ام مالک بن حذیفہ کی بیوی تھی۔
اور اس کے لطن سے مالک کی اولاد قرقہ، حکمہ، جراحہ، زمل، حصین، شریک، عبد
زفر، معاویہ، حملہ، قیس اور لایہ پیدا ہوئے۔ ان میں سے حکمہ کو رسول اللہ نے
اس روز جبکہ عبیدہ بن حصین نے موشیوں پر غارت گری کی قتل کا حکم دیا۔ ابو قتادہ
نے حکمہ کو قتل کر دیا۔

غرضیکہ یہ تمام مفرد سلمہ کے پاس جو عزت میں اپنی ماں حبیبی تھی جمع ہوئے۔
اس نے ان لوگوں کو ان کی شکست پر غیرت دلائی۔ اور جنگ کا حکم دیا۔ اور پھر خود بھی
قبائل میں گھوم گھوم کر ان کو خالد کے مقابلہ پر اکسایا۔ اس طرح ایک بڑی جماعت
اس کے پاس جمع ہو گئی۔ اور اب وہ پھر جنگ کے لئے دلیر ہو گئے۔ ہر جانب سے
بچھڑے بھٹکے لوگ اس کے پاس آ گئے۔

ام قرقہ کی زندگی میں اس سے قبل یہ قید ہو کر سیدہ صدیقہ کو ملی تھی۔ انہوں
نے اُسے آزاد کر دیا تھا۔ وہ عرصہ تک ام المومنین کے پاس رہی پھر اپنی قوم میں
حبس کی گئی۔

ایک مرتبہ رسول اللہ حضرت صدیقہ کے پاس آئے اور فرمانے لگے تم میں
سے ایک جواب کے لئے بھونکا ہے گی۔ سلمہ نے مرتد ہو کر رسول اللہ کی اس بات کو
پورا کیا۔ اس نے اپنے مقتولین کا بدلہ لینے کے لئے ظفر سے جواب تک کئی چکر لگائے۔

عطفان بوازن سلیم۔ اس دور طے کے تمام وہ لوگ جو جنگ سے مفروز ہو کر بے بار و
مذرگہ مصیبت کے دن بسر کر رہے تھے۔ اس کے پاس ایک اور کوشش کرنے
کے لئے جمع ہو گئے۔

خالد کو اس کی اطلاع ہوئی وہ اس وقت مجرموں کی گرفتاری زکوٰۃ کی
تحصیل، دعوت اسلام اور لوگوں کی تسکین میں منہمک تھے۔ اس عودت کے
مقابلہ پر بڑھے۔ اب تک اس کی شوکت اور طاقت بہت بڑھ چکی تھی۔ اور اس
کا مقابلہ اب آسان کام نہیں رہا تھا۔ خالدؓ اس کے اور اس کی جمہیتوں کے
مقابلہ جنگ کے لئے ذرا کش ہو گئے۔ نہایت شدید اور خون ریز جنگ ہوئی وہ
جنگ کے وقت اپنی ماں کی طرح اس کے اونٹ پر اپنی فوج کو لٹا رہی تھی۔ اسی
روز غازی کے حجر بنی غصہ کا ایک خاندان اور حارثہ اور غنم کے خاندان کے خاندان
صاف ہو گئے۔ کامل کے کئی آدمی کام آئے۔ یہی بہت زیادہ جان باری سے
لڑے تھے آخر خالدؓ کے شہسواروں نے اس اونٹ پر پورش کر کے اسے
ذبح کر ڈالا اور سچی کو قتل کر دیا۔ اس کے اونٹ کے گرد تقریباً سو آدمی مارے
گئے۔ (ترجمہ تاریخ طبری حصہ دوم خلافت راشدہ صفحہ ۸۲-۸۳)

اس واقعہ میں طبری خود حوآب کا نام لکھتا ہے۔ مگر جب اسے فض کا مروڑا ٹھکانا تو مکہ
اور بصرہ کے درمیان "حوآب" کی تخلیق کر کے تمام واقعہ صدیقہ کائنات رض کی
طرت منسوب کر دیا۔

یہی واقعہ ذرا اختصار سے ابن خلدون نے بھی لکھا ہے (ملاحظہ ہو تاریخ ابن خلدون
حصہ اول رسول اور خلفائے رسول صفحہ ۲۲۰) اور تاریخ اکبر شاہ خاں نجیب آبادی حلد اول صفحہ ۲۹۲
مکہ سے بصرہ کے درمیان اکیس منزلیں پڑتی ہیں۔ قدیم مولف الحوالہ فرج قدامہ
بن جعفر متوفی ۲۹۰ھ نے اپنی تالیف الخراج و ضعة الکتابہ میں مکہ سے بصرہ
تک کی تمام منازل کے نام لکھے ہیں۔ ان میں حوآب نام کی کوئی منزل تو درکنار
کوئی معمولی بستی بھی نہیں۔ اب بھی جسے شوق ہو مکہ سے بصرہ تک کا سفر کر کے دیکھ لے
واقعہ حوآب کی روایت مسند جلد ۶ صفحہ ۵۲ میں اسماعیل بن ابی خالد کے واسطہ
سے قیس بن ابی حازم سے مروی ہے۔ قیس پر اکثر محدثین نے تنقید کی ہے اور

اُسے ضعیف منکر الروایۃ اور ساقط الحدیث کہا ہے اور جواب دہی روایت و صحت پر کلام کیا ہے۔ (تہذیب التہذیب)

مسند کا جامع اول ابو بکر رافضی تھا جو بطاہر شافعی تھا سدنیائے شیعیت کا مشہور علامہ شیخ علی اپنی تالیف خلاصۃ الاقوال میں لکھتا ہے: ابو بکر الشافعی مؤیدہ سنتہ احدی و ثمانین و مائتین الحسینیۃ و کان علی الظاہر یتفقہ علی مذہب الشافعی و یدعی دای الشیعۃ الامامیۃ فی الباطن و کان فقیہا علی مذہبین کتب (خلاصۃ الاقوال) (منک)

ابو بکر شافعی حسینی سال کے حساب سے ۲۸ھ میں پیدا ہوا۔ بطاہر شافعی فقہ پر چلتا تھا مگر باطن میں شیعہ امامیہ تھا۔ دونوں مذاہب کا فقیہ تھا اور دونوں زمہیوں پر اس کی کتابیں ہیں۔

ابو بکر شافعی اور اس کے شاگرد ابو بکر قطیبی نے امام احمد بن حنبل اور ان کے بیٹے عبد اللہ کی کچھ حدیثیں لے کر ان میں جا بجا اپنے مسلک کے مطابق قطع و برید کر کے مذہب شیعہ کی روایات تھوڑے رد و بدل کے ساتھ مناسب اسناد کی پیوند کاری کر کے یہ مجموعہ احادیث مدون کیا۔

مغازی و سیر کی تمام کتب میں مذکور ہے کہ نبی علیہ السلام نے ۶ھ میں حضرت زید بن حارثہؓ کو ایک سریہ پر متعین فرما کر بنو قزارہ کے سرکش قبیلہ کی طرف بھیجا۔ اس سریہ میں ام قرقہ نامی ایک عورت معہ اپنی بیٹی ام زحل گرفتار ہوئی۔ ام قرقہ پاداش جرم میں قتل ہو گئی۔ اور اس کی بیٹی زحل جنگی قیدیوں کی تقسیم میں صدیقہ کائنات کے حصے میں آئی۔ حضرت صدیقہ نے اسے آزاد کر دیا۔ اور وہ اپنے قبیلہ میں واپس چلی گئی۔

۱۵ھ بہا حسینی سال ایک معرکہ ہے۔ علامہ تمنا عمادی نے تاریخ مسند میں اس کا ذکر کیا ہے۔ بقول ردائش البعث بنوئی سے ۱۸ھ سال پہلے نبی علیہ السلام نے حضرت حسینؓ کے بارے میں ایک خواب دیکھا۔ اس سال سے یہ لوگ سن حسینی شمار کرتے ہیں۔

۱۶ھ تفصیل کے لئے تاریخ مسند احمد القصیدۃ الزہراء علامہ تمنا عمادی صفحہ ۵۹ تا ۵۵ دیکھیے

حواہ کے مقام پر باغیوں کو جمع کرنے والی یہی "ام زل سلمیٰ" تھی۔ جسے نبی
یہ اسلام نے اہمات المزمین کے پاس بیٹھے ہوئے دیکھ کر فرمایا تھا کہ تم میں سے
وہ کون ہوگی جس پر حواہ کے کئے بھونکیں گے۔

تاریخ کے حقائق سے دارالمصنفین اعظم گڑھ نے بھی بڑی بے خبری کا ثبوت
دیا ہے۔ سید سلیمان ندوی نے اپنی تالیف سیرت عائشہ میں "طبری وغیرہ تاریخ کی
کتاہوں" کو سند تسلیم کرتے ہوئے اس کذب و افتراء سے بھرپور داستان کو درج کیا ہے
وفات عائشہ کے رافضی مؤلف نے بھی اپنے روحانی ابدار طبری مولف
کتاب لائمانہ و اسبائتہ اور عظم کوئی کے حوالوں سے نثار خالی کی ہے۔

اس داستان کذب کے خالق نے اپنی خود تراشیدہ روایات میں "جمیرا"
کا لفظ بھی استعمال کیا ہے۔ اگر سیرت عائشہ کے مولف ذرا دقت نظری سے کام لیتے
تو انہیں خود بخود معلوم ہو جاتا کہ یہ روایت سراسر وضعی ہے۔

ایاک ان یکونی یا حبیوا کے مردود الفاظ معتبر کتب اہل سنت میں نہیں۔
اسی سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اگر نصف روایت وضعی ہے تو باقی نصف
کی صداقت کی کیا سند ہو سکتی ہے۔

۱۔ کل حدیث فیہ یا حبیوا فہو موضوع۔ ہر وہ روایت جس میں لفظ یا
جمیرا ہے موضوع ہے (موضوعات کیر حروت یا صلا)

۲۔ وکل حدیث فیہ یا حبیوا و ذکر الحبیوا فہو کذب۔ ہر وہ
روایت جس میں لفظ جمیرا ہے یا ذکر جمیرا ہے جھوٹی ہے۔

موضوعات کیر حروت

سہایت نے ایک داستان تراشی اس کے داستان گو اسے لے کر ہر تقریر
اور ہر سستی میں پہنچ گئے۔ بس پھر کیا تھا۔ اس کذب کی تکرار نے صداقت کی شکل اختیار
کر لی۔ کس کس کا ذکر کیا جائے۔ ہمارے

ع۔ "مہت قرآن در زبان ہسلوی"

کے خالق بھی کلینی یا حبیوا کلمتی پکار رکھے۔ کبرت کلمۃ تخرج من افواہہم

ان یقولون الا کذبا ۵

وفات عائشہ کا

رافضی مواضع لکھتا ہے کہ یحییٰ بن یوسف نے ایک گراں

قیمت ناقہ خرید کر بطور نذرانہ بی بی عائشہؓ کی خدمت میں پیش کیا۔ اور اس موقع پر آپ اسی ناقہ پر رونق افروز تھیں اور اسی کے نام سے اس بنگ کا نام جنگ جمل مشہور ہو گیا۔ جب یہ قافلہ قطع منازل اور طے مراحل کرتے ہوئے آپ حوآب کے قریب پہنچا تو وہاں کے کتوں نے اونٹ کے گرد جمع ہو کر بھونکنا شروع کر دیا۔

عائشہؓ نے دریافت کیا۔ اس پانی کا کیا نام ہے۔ دلیل قافلہ نے کہا اسے حوآب کہتے ہیں۔ یہ سن کر عائشہؓ نے سے ہو گئیں اور زور سے کہا انا لله وانا اليه راجعون مجھے واپس لے جاؤ۔ لوگوں نے کہا کیوں۔ عائشہؓ نے کہا۔ ایک دن ہم سب ایک جگہ بیٹھے تھے۔ آنحضرتؐ نے ہم سب سے خطاب کر کے ارشاد فرمایا کہ تم میرے کوئی عورت ہے جو ایک نیز رفتار اونٹ پر سوار ہوگی۔ اور حوآب کے گئے اس پر بھونکیں گے۔ حالانکہ وہ عورت باغیوں کے گروہ سے ہوگی۔ یہ

کہہ کر عائشہؓ نے اپنا اونٹ بٹھا دیا۔ اور کہا میں ہرگز نہ جاؤں گی۔ طلحہ و زبیرؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ نے کہا کہ دلیل راہ جھوٹ کہتا ہے۔ اس مقام کو حوآب نہیں کہتے۔ اس کے بعد پچاس آدمیوں سے انعام و اکرام کا وعدہ کر کے گواہی دلوائی کہ یہ مقام حوآب نہیں ہے۔ مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ اسلام میں یہ سب سے پہلا جڑوا علف ہے۔ جو عائشہؓ کے سامنے کیا گیا۔ اس واقعہ کے حوالے کے طور پر طبری، ابوالفداء، کتاب الامۃ والسیاست، روضۃ الصفاء اور عنتم کوئی کے نام لکھے۔

طبری، رافضی تھا۔ الامامت والسیاست کسی رافضی کی تالیف ہے جو ابن قتیبہ کے نام سے منسوب کی گئی ہے ابوالفداء بھی رافضی تھا کتاب التلبیس جلد ۲ صفحہ ۹۰-۱۰۰۔

روضۃ الصفاء محمد خاوند بہر دی رافضی کی تالیف ہے کتاب التلبیس جلد ۱ صفحہ ۷۰۔

عنتم کوئی بھی رافضی تھا رخصتہ اثنا عشریہ (۳۳۶) گویا واقعہ حوآب کے تمام راوی سبائی ہیں اور سببیوں نے سنت کو چھوڑ کر اپنے ذہنوں کو سن کر کے سبائی دنیا کے ہفتوں سن کر ان کی نشر و اشاعت کو ہی دین کی خدمت سمجھ بیٹھے۔

جنگِ حمل کا پس منظر

سیدنا ذوالنورینؑ کی بے کسانہ بے دردانہ اور مظلومانہ شہادت صدیقہ کائناتؑ کیلئے ایک عظیم المیہ تھی۔ آپ اس حقیقت سے بھی خوب باخبر تھیں کہ سوائے میرے اب قائلین سیدنا ذوالنورینؑ سے قصاص لینے والا کوئی نہیں۔

آپ فطرتاً شجاع، عالی عہدہ جوی اور باندہ محنت تھیں۔ اس سے پہلے جنگِ بدر میں شامل رہ چکی تھیں اور جنگِ احد میں عملاً حصہ لے چکی تھیں (بخاری)۔ غزوہ خندق میں بھی زمانہ قلعہ سے نکل کر میدانِ جنگ کی حالت دیکھتی رہی تھیں۔ (مسند احمد بن حنبل)

حضرت صدیقہ کی مکہ سے واپسی

حضراتِ طلحہ و زبیرؓ مدینہ سے خدمت میں پہنچ چکے تھے اور انہوں نے مدینہ کے حالات جو بیان کئے ان سے آپؐ بے قرار ہو گئیں۔ پہلے آپ کا خیال تھا کہ مدینہ کا رخ کیا جائے۔ مگر ایک مجلس میں فیصلہ ہوا کہ بغاوت کے جرائم بصرہ اور کوفہ سے پھولے ہیں پھر جو اطلاع ملی کہ سیدنا علیؓ قائلین سیدنا ذوالنورینؑ میں سے سات سو آدمی لے کر عازم کوفہ ہو چکے ہیں۔ کوفہ، بصرہ اور مصر کے باغیوں کی تعداد اٹھارہ سو تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ بصری اور مصری باغیوں نے مدینہ سے ہی سیدنا علیؓ کا ساتھ چھوڑ دیا تھا۔ صرف کوئی باقی تھے۔

صدیقہ کائناتؑ نے عازم بصرہ ہونے کا اعلان فرمایا تو ابن عامر اور ابن مہبہ عرب کے دورانیوں نے کئی لاکھ درہم اور سواری کے اونٹ پیش کئے۔ حرمین کے چھ ہزار آدمیوں نے آپؐ کا ساتھ دیا۔

اہلِ المؤمنین اور عام لوگوں نے دوزخکِ مخالفت کی عجب دردناک منظر دکھایا۔ خلیفہ اسلامؓ شہید ہو چکے تھے مدینہ النبیؐ میں دو مہینے تک باغی دندنا پھرتے رہے۔ سیدنا علیؓ نے مدینہ چھوڑ دیا۔ صدیقہ کائناتؑ مکہ سے رخصت ہو رہی ہیں۔ ہر آدمی جسے آپؐ کے سفر کے متعلق معلوم ہوتا ہے اپنی جگہ سہا کھڑا ہے۔

عثمان بن حنیف سیدنا علیؑ کی طرف سے بصرہ کا عامل تھا۔ اس نے ابوالاسود اور عمران کو اپنا سفیر بنا کر صدیقہ کائناتؑ کے حضور میں آمد کا سبب دریافت کرنے کے لئے بھیجا۔ سیدہ صدیقہؑ نے جواب میں ایک طویل تقریر فرمائی۔

صدیقہ کائناتؑ کا پہلا خطبہ :

سیدہ صدیقہؑ کی یہ تقریر آپ کے موقف کو واضح کرتی ہے :

خدا کی قسم میرے رتبہ کے اشخاص کسی بات کو چھپا کر گھر سے نہیں نکل سکتے۔ اور نہ کوئی ماں اپنے بیٹوں سے اصل حقیقت چھپا سکتی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ قبائل کے ادارہ گردوں نے حرم محترم مدینہ پر حملہ کیا۔ اور وہاں فتنے برپا کئے۔ اور بعض نے ان فتنہ پردازوں کو پناہ دینے رکھی ہے۔ اس بنا پر فتنہ پرداز خدا اور رسولؐ کی لعنت کے مستحق ہیں۔ اور اس سے بڑھ کر یہ کہ انہوں نے بے گناہ خلیفہ اسلام کو قتل کیا۔ خلیفہ کے معصوم خون کو حلال جان کر بہایا۔ جس مال کا لینا ان کو جائز نہ تھا اس کو لوٹا۔ حرم محترم نبویؐ کی بے حرمتی کی۔ مادہ مقدس کی توہین کی۔ لوگوں کی آب و رہبری کی مسلمانوں کو بے گناہ مارا پیٹا۔ اور ان کے گھروں میں زبردستی گھس گئے رواقعہ حرہ کے فرضی مظالم کے خالق غور کریں۔ المولف) جو کسی بات کے رادار نہ تھے۔ ان فتنہ پردازوں کا دجڑ سرِ نقصان نہ تھا نیکدل مسلمانوں کو ان سے بچنے کی قدرت نہیں اور نہ ان کے شر سے مامون رہنے کی طاقت ان حالات میں سیدہ صدیقہؑ پر فرض تھا کہ وہ ان کے خلاف اقدام کریں۔ المولف) یہیں مسلمانوں کو لے کر اس لئے نکلی ہوں تاکہ لوگوں کو بتاؤں کہ عام مسلمانوں کو چہیں ہیں۔ جیسے چھوڑ آئی ہوں وہ اپنے آپ کو کس قدر خطرات میں گھرا ہوا پاتے ہیں یہ حقیقت ہے کہ اگر سیدہ صدیقہؑ یہ اقدام فرما کر ان مادرِ پدر آزاد لوگوں کے منہ میں لگام دینے کا سبب نہ بنتیں تو وہ خود سر ہو کر عالم اسلام کو تہ و بالا کر دیتے المولف)

یہ لوگ کن کن جرائم کے مرتکب ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ لاخیر
فی کثیر من نجوٰ ہم الامن امر لصدقۃ او معروفۃ او
اصلاح بین الناس۔ یعنی ان کی سرگوشی میں کوئی زیادہ فائدہ نہیں
لیکن یہ کہ خیرات یا عام نیکی یا لوگوں کے درمیان اصلاح کرائیں۔
ہم اصلاح کی دعوت لے کر کھڑے ہوئے ہیں جس کا خدا اور رسولؐ
نے ہر چھوٹے بڑے اور زن و مرد کو حکم دیا ہے۔ یہ ہے ہمارا
مقصد جس کی نیکی پر ہم تمہیں آمادہ کر رہے ہیں۔ اور جس کی بُرائی
سے تمہیں روکنا چاہتے ہیں۔“

ابوالاسود اور عمران نے نہایت توجہ سے سیدہ صدیقہؓ کی تقریر سنی۔
پھر اٹھ کر سیدنا طلحہؓ اور سیدنا زبیرؓ کے پاس گئے اور بارہ حضرت صدیقہؓ کی خدمت
میں حاضر ہوئے۔ آپؐ نے فرمایا۔ ابوالاسود دیکھتا۔ تمہارا نفس تم کو دوزخ کی طرف نہ
لے چلے۔ پھر یہ آیت پڑھی۔ کو ذوا قوامین للہ شہداء بالقسط۔ خدا کے
کام کے لئے آمادہ رہو اور انصاف کے گواہ بنو۔
اس وفد کا ایک رکن عمران جنگ سے کنارہ کش ہو گیا۔ اور عثمان بن حنیف
کو بھی مشورہ دیا۔ مگر وہ یاد نہ آیا۔

عثمان بن حنیف کا غدر { جمعہ کے دن اس کے ایمان سے قیاس نے مغالطہ آمیز
منطقی استدلال سے اہل بصرہ کو ورغلانا چاہا مگر
ایک اور آدمی نے کہا کہ یہ لوگ عثمانؓ کے قاتلوں کو سزا دینے کے معاملہ میں ہم سے
مرد کے طالب کار ہیں۔ سیدنا طلحہؓ و زبیرؓ بھی پہنچ گئے۔ اور ایک ہنگامہ کی سی کیفیت
پیدا ہو گئی۔ یہ دیکھ کر صدیقہؓ کا ثناتؓ نے خود موقع پر پہنچ گئیں اور نہایت پر جلال
انداز میں حمد و نعت کے بعد سہرا بایا۔

صدیقہ کا ثنات کا دوسرا خطبہ

لوگ عثمانؓ پر اعتراض کیا کرتے تھے اور ان کے عہد داروں کی برائیاں بیان
کرتے تھے، مدینہ میں اگر اصلاح و مشورہ ہو چھتے تھے۔ ہم ان کو صلح و دوستی کے

کے متعلق جو رائے دیتے تھے وہ سمجھتے تھے عثمانؓ کے متعلق ان کو جو نکائیتیں تھیں۔
 ان پر جبے کرتے تھے تو وہ عثمانؓ کو بے گناہ پر سزا کا راستہ گفٹا دیتے تھے۔
 اور غدر کرنے والوں کو غدار، مکار، گنہگار اور دروغ گو پکارتے تھے مگر غدر کرنے
 والے بلا سبب عثمانؓ کے گھر میں گھس گئے اور جس کا خون بہانا جائز نہ تھا، اس کو
 بہایا، جس کا مال لینا جائز نہ تھا۔ اُسے لوٹا۔ جس سرزمین کا احترام ان پر فرض
 تھا اس کی بے حرمتی کی۔

ہاں ہشیار! وہ کام جو کرنا ہے اور جس کے خلاف کرنا زیبا ہے وہ عثمانؓ
 کے قانون کی گرفتاری اور کلام الہی کے احکام کا مضبوطی سے اجرا ہے۔ اللہ تعالیٰ
 نے فرمایا ہے:

المدثر الی الذین الخ (آل عمران-۳) کیا تم ان لوگوں کو نہیں دیکھتے جن کو کتاب
 الہی کا ایک حصہ دیا گیا کہ کتاب الہی کی طرف ان کو دعوت دی جاتی ہے کہ وہ فیصلہ کرے
 پھر یہ حال ہے کہ ان کا ایک فرقہ اعراضا نہ اس سے منحرف ہوتا ہے۔
 بعض کتب میں صدیقہ کائناتؓ کی جانب اس موقع کا ایک اور خطبہ
 منسوب کیا گیا ہے۔ جو فصاحت و بلاغت، استدلال اور زور بیان میں
 اس سے بھی بہت زیادہ اہم ہے۔

صدیقہ کائناتؓ کا تیسرا خطبہ

لوگو! خاموش!! خاموش!!! ام المؤمنینؓ کے اس مخاطب پر
 مکمل طور پر خاموشی چھا گئی۔

تم پر میرا داری حق ہے۔ اور مجھے نصیحت کرنے کی عزت حاصل ہے۔
 ایسے لوگوں کے سوا جو اپنے رب کے فرمایا نہ ہیں کوئی شخص الزام نہیں دے
 سکتا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حالت میں وفات پائی سرہم حضرتؓ
 کا فرق انور میرے سینہ پر تھا۔ میں آپؐ کی چہیتی بیویوں میں سے ہوں۔ اللہ تعالیٰ
 نے مجھے دوسروں سے ہر طرح محفوظ رکھا۔ میری ذات سے مومن و منافق میں

تیمتر ہوئی۔ اور میرے ہی سبب سے آیت تمیم نازل ہوئی۔ پھر میرا باپ دنیا میں
حضرت خدیجہؓ اور حضرت زیدؓ کے بعد تیسرا مسلمان تھا اور غار ثور میں
روکا دوسرا تھا۔ وہ پہلا شخص تھا جسے صدیق کے لفظ سے مخاطب کیا گیا۔
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رخصت ہوئے تو اس سے خوش ہو کر۔ اور اسے
خلافت کا ہار پہنا کر۔ اس کے بعد جب دین اسلام کی رسی پلنے لگی۔ تو
میرے باپ نے اس کے دونوں سرے مضبوطی سے تھام لئے اور نفاق کی
باگ روک لی۔ ارتداد کا حشر چمہ خشک کر دیا۔ یہودیوں کی آتش افروزی ختم کر دی۔
تم لوگ اس وقت آنکھیں بند کیے غدر و فتنہ کے منتظر تھے اور شور و
غوغا پر گوش بر آواز تھے۔ میرے باپ نے اس شگات کو پڑ کیا۔ بیمار
کو درست کیا۔ گرتوں کو بٹھالا۔ دلوں کے اندر جو مدفون بیماریاں تھیں انہیں
دور کیا۔ جو پانی سے سیراب ہو چکے تھے انہیں تھان تک پہنچایا۔ پیاسوں
کو گھاٹ پر لایا۔ جو ایک بار سیراب ہو چکے تھے۔ انہیں دوبارہ سیراب کیا۔
اور جب وہ نفاق کا سر کھل چکا۔ اہل شر کے لئے لڑائی کی آگ مشتعل کر چکا۔
تمہارے سامان کی گٹھڑی ڈوری سے باندھ چکا تو اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے پاس
بلا لیا۔ وہ اپنے بعد ایک ایسے شخص کو جانشین بنا گیا۔ جس کی طرف اگر
جھکے تو محافظ بن جاتا۔

..... دشمنوں کی گوشمالی اور جاہلوں سے درگزر کرتا، اسلام کی نصرت
میں لاتوں کو جاگا کرتا۔ اپنے پیشرو کے قدم بقدم چلا۔ فتنہ و فساد کے شیرازہ
کو درمہ برہم کیا۔ قرآن میں جو کچھ تھا۔ اس کی ایک ایک چول میدان عمل
میں اچھی طرح بٹھادی۔

ہاں میں بعض لوگوں کے سوال کا نشانہ بن گئی ہوں۔ کہ کیوں فوج لیکر
نکلی۔ میرا مقصد اس سے گناہ کی تلاش اور فتنہ کی جستجو نہیں جس کو میں پایال
کرنا چاہتی ہوں جو کچھ کہہ رہی ہوں سچائی اور انصاف کے ساتھ۔ انعام محبت اور
تنبیہ کے لئے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اپنے پیغمبر محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم
پر درود نازل کرے اور اس کا جانشین پیغمبروں کی جانشینی کے ساتھ تم پر

مقرر کرے۔ (باب الخطیب اور ذکر واقعہ حمل کے تحت در عقد الفریڈ بلاغات انس
احمد بن ابی طاہر المولود ۲۰۴ھ بر دایت محمد بن حسن معجم طبرانی)

توضیحات :

ا : ان ہر سہ خطبات میں سیدہ صدیقہ کائناتؓ کے بظاہر مخاطب اہل
بصرہ تھے۔ مگر حقیقت میں مخاطب سیدنا علیؓ اور ان کے ساتھی
تھے۔ ان خطبات کے جواب میں سیدنا علیؓ کی طرف سے کسی قسم
کی وضاحت نہیں کی گئی۔ اس صورت میں یہ بات بہن طور پر ان حقائق
و شواہد پر دلالت کرتی ہے کہ سیدہ صدیقہ کائناتؓ کا یہ
استدام سراسر مبنی بر حق تھا۔

ب : سیدنا علیؓ کے موقف کو مبنی بر حق سمجھنے والوں کی زبان سے
بھی بے اختیار یہ کلمات نکلے کہ خدا کی قسم آپ سچ فرماتی ہیں۔ اور
اپنی صفوں سے نکل کر دیوانہ وار سیدہ صدیقہؓ کی اصلاح طلب
فوج کے پہلو میں جا کھڑے ہوئے اور کھینچا تانی شروع ہو گئی۔ آپ
نے یہ رنگ دیکھا تو اپنے لشکر کو حکم دیا کہ اپنی قیام گاہ کو لوٹ
جاؤ۔ دوسرے روز اہل بصرہ نے حکیم نامی ایک فتنہ انگیز شخص کی
قیادت میں اہل من مبارزہ کا نعرہ لگایا۔ ایک آدمی نے حکم کو ٹوکا۔
تو اس نے اسے قتل کر دیا۔ ایک عورت نے سمجھانے کی کوشش
کی تو اس نے اسے بھی قتل کر دیا۔ ام المؤمنینؓ کی ذات مطہرہ کے لئے
اس کی زبان پر بے ہودہ کلمات آئے۔ لڑائی شروع ہو گئی۔
مگر جلد ہی امان امان کی آوازیں بلند ہوتی شروع ہو گئیں۔ اور
لڑائی روک گئی۔

حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ کی بیعت

اہل بصرہ نے حضرت ام المؤمنینؓ کی خدمت میں عرض کی کہ آج حضرت طلحہؓ
زبیرؓ آپ کے ساتھ ہیں۔ مگر وہ حضرت علیؓ کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کر چکے ہیں۔

انہیں جواب دیا گیا کہ ان سے جبراً بیعت لی گئی تھی۔
 آخر اس شرط پر صلح ہوئی کہ بصرہ سے ایک سفیر مدینہ بھیجا جائے۔
 اور وہ اصل حالات دریافت کر کے واپس آئے۔

طلحہ و زبیر کی جبراً بیعت پر اہل مدینہ کی گواہی

سفیر جس روز مدینہ پہنچا اتفاق سے وہ جمعہ کا دن تھا۔ تمام صحابہؓ اور عام
 مسلمان مسجد نبویؐ میں موجود تھے۔ سفیر نے بلند آواز سے سب کو مخاطب کر کے
 کہا اے اہل مدینہ! میں اہل بصرہ کی طرف سے سفیر بن کر آیا ہوں اور یہ دریافت
 کرنے کے لئے آیا ہوں کہ حضرات طلحہؓ و زبیرؓ نے حضرت علیؓ کے ہاتھ پر
 برضا و رغبت بیعت کی تھی یا وہ مجبور کئے گئے تھے۔ تمام مجمع پر خاموشی طاری
 ہو گئی۔ دفعۃً اس خاموشی میں ایک آواز گونجی۔ یہ آواز حضرت اسامہؓ بن زیدؓ
 کی تھی۔ انہوں نے بآواز بلند کہا۔ یہ بیعت ان سے بھیری گئی تھی۔ انہوں نے بخوشی
 بیعت نہیں کی تھی۔ حضرت سہیل بن حنیف انصاریؓ (حضرت علیؓ کے اسلامی بھائی
 تہذیب اصحابہ ابن سعد) نے حضرت اسامہؓ کی تردید کی۔ مگر حضرت صہیبؓ حضرت
 ابوالثمنؓ اور حضرت محمد بن مسلمہؓ اور دیگر صحابہؓ نے کہا اسامہؓ نے جھیک کہا ہے۔
 حضرت صہیبؓ نے حضرت اسامہؓ کو گھر پہنچایا اور کہا کہ ہماری طرح تمہیں بھی
 چاہیے کہ اپنے گھر میں خاموش بیٹھے رہو۔

حضرت علیؓ کو جب معلوم ہوا کہ سفیر مدینہ سے یہ جواب لے کر آیا ہے تو
 انہوں نے بصرہ کے عامل کو لکھا کہ ان لوگوں سے یہ جبر صرف اس لئے بیعت
 لی گئی تھی کہ مسلمانوں میں افتراق اور جماعت بندی نہ پیدا ہو جائے۔ اہل بصرہ
 کے سامنے ایک طرف سفیر کا بیان تھا اور دوسری طرف حضرت علیؓ کا خط جو
 انہوں نے بصرہ کے عامل کو لکھا تھا۔

حضرت علیؓ کے خط اور مدینے سے سفیر کی واپسی سے پہلے دونوں فریق
 ایک ہی امام کے پیچھے نمازیں پڑھتے تھے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ والی بصرہ ان
 متقاتل سے آگاہ ہونے کے بعد اپنے رویہ میں اصلاح کرتا۔ بجائے اس کے عامل بصرہ

کے وہیں تشدد کی کیفیت پیدا ہو گئی۔ حضرت ام المؤمنینؓ کے شکریوں نے اپنا امام الگ کھڑا کر لیا۔

بصریوں نے مسجد میں قتل عام شروع کر دیا

جیالیں عجمی نژاد تلواریں علم کر کے مدینہ کاٹنا شروع کر دیں۔ شکریوں پر پلے پلے نتیجہ لکھا گیا۔ بصریوں نے واپسی بصرہ کو کرنا شروع کیا۔ حضرت ام المؤمنینؓ کو فرمایا اُسے آزاد کر دیا جائے اور فرمایا "وہاں قاتلین عثمانؓ کے کسی سے تعرض نہ کیا جائے۔ یہاں اس بات کو بھی ذہن سے فراموش نہ کیا جائے کہ قاتلین عثمانؓ چھ سو مصر کے چھ سو کوفہ کے اور چھ سو بصرہ کے شراب پند تھے۔ حضرت علیؓ جب مدینہ سے رخصت ہوئے تو ان کے ساتھ صرف سات سو آدمی تھے۔ یعنی چھ سو کوفہ کے اور سو کے لگ بھگ ان کے قریبی عزیز۔ بصرہ اور مصر کے شراب پند اپنے اپنے شہروں میں واپس پہنچ چکے تھے۔

ان شراب پندوں کے سرغنہ حکیم نے منصوبہ بنایا کہ رات کو حضرت ام المؤمنینؓ کی منزل گاہ پر شب خون مارا جائے مگر راز فاش ہو گیا اور اصلاح طلب افواج نے بصرہ پر قبضہ کر لیا۔

حضرت ام المؤمنینؓ کو اب ایک مستقر مل گیا۔ بصرہ کے خزانہ سے افواج میں تنخواہیں تقسیم کی گئیں۔ کوفہ، دمشق اور مدینہ وغیرہ میں ہدایت نامہ بھیجے گئے۔

مدینہ کاٹنا کا کوفہ کے امراء کے نام خط

- اما بعد میں تمہیں اللہ عزوجل اور اسلام کی یاد دلاتی ہوں۔
- کتاب اللہ کو اس کے احکام کے اجراء سے قائم رکھو۔
- خدا سے ڈرو۔

• اس کی رسی کو مضبوطی سے پکڑے رہو۔

• اس کی کتاب کا ساتھ نہ چھوڑو ہم نے بصرہ پہنچا اہل بصرہ کو کتاب الہی کی

اقامت کی دعوت دی۔ صلحائے امت نے ہماری دعوت قبول کی۔ اور جن میں بہتری نہ تھی انہوں نے تلوار سے ہمارا مقابلہ کیا۔ اور کہا کہ تمہیں بھی ہم عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ روانہ کر دیتے ہیں۔ عناد سے انہوں نے ہم کو کافر بتایا۔ اور ہماری نسبت نازیبا باتیں کہیں ہم نے ان کو قرآن کی آیت پڑھ کر سنائی المستدریٰ الذین (حضرت ام المؤمنینؓ کی سابقہ تقریر میں یہ آیت گزر چکی ہے)۔

یہ سن کر کچھ لوگوں نے ہماری اطاعت قبول کر لی۔ اور بعضوں نے اختلاف کیا۔ ہم نے ان کو چھوڑ دیا۔ لیکن باوجود اس کے انہوں نے ہمارے ساتھ بیٹوں پر تلواں چلائی۔ عثمان بن حنیف والی بصرہ نے انہیں قسمیں دیں کہ وہ مجھ سے لڑیں لیکن خدائے پاک نے اپنے نیک بندوں کے ذریعے میری مدد کی۔ اور ان کی سازشیں تہذیبیں انہی پر لوٹا دیں۔ ہم نے ۲۶ روز تک ان کو کتاب الہی کے احکام کی دعوت دی یعنی یہ کہ مجرموں کے علاوہ دوسرے بے گناہوں کی خون ریزی سے احتراز کیا جائے۔ انہوں نے ہمارے خلاف دلائل قائم کئے تاہم ہم نے صلح کر لی لیکن انہوں نے بد عہدی اور خیانت کی اور فوج جمع کی۔ اللہ نے عثمانؓ کے قصاص کا سامان کر دیا۔ ایک شخص کے سوا ان شورش پسندوں میں سے کوئی نہیں بچا۔ اللہ تعالیٰ نے قیس رباب اور ازد کے قبیلوں کے ذریعہ ہماری اعانت فرمائی۔ اب دیکھو قاتلین عثمانؓ کے سوا جب تک اللہ تعالیٰ ان سے اپنا حق نہ لے لے دوسروں سے اچھی طرح سے پیش آؤ لیکن ان خیانت کاروں کی طرفداری نہ کرنا۔ نہ ان کی حفاظت کرنا۔ نہ ان لوگوں سے جو سرائے الہی کے مستوجب ہیں رضامندی ظاہر کرنا تا کہ ایسا نہ ہو کہ تمہارا شمار ان ظالموں میں ہو جائے۔

دوبارہ اس خط کو ایک بار پڑھیے اور اس کے بین السطور پر غور کیجئے۔ جہاں یہ خط عبارت اور معنوں کے لحاظ سے فصاحت و بلاغت کا ایک بحر ہے کراں سے مفہوم اور مقصد بیت کے لحاظ سے اپنی مثال آپ ہے۔ ام المؤمنینؓ صدیقہ کائنات کسی لگی لپٹی رکھے بغیر کتنی سادگی اور سچائی سے اصل حالات کے چہرے سے نقاب کشائی فرما رہی ہیں۔

ہم نے اس خط کے سترہ فقرات پر پڑھنے والوں کی آسانی کے لئے نشانات

لگا دیئے ہیں۔ نمبر ۹۔ سے واضح ہوتا ہے بصرہ میں ایسے لوگ بھی موجود تھے جنہوں نے ام المومنینؓ کو صرف قتل کی دھمکی ہی نہ دی بلکہ نعوذ باللہ آپ کو کافر تک کہنے میں پاک نہ سمجھا۔


نمبر ۱۰۔ اسے معلوم ہوا کہ حملہ میں پہلے سیدنا علیؓ کے شکر نے لگا

نمبر ۱۱۔ سے واضح ہوتا ہے کہ عثمان بن حنیف نہایت ترسید انسان تھا۔ آج جو لوگ اس کی مظلومیت کی ڈھنڈی مارتے ہوئے نہیں تھکتے انہیں عثمان بن حنیف کے اس فعل پر غور کرنا چاہیئے۔ کہ وہ کس گستاخی کا مرتکب ہوا۔

نمبر ۱۲۔ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ام المومنینؓ ہرگز جنگ کی خواہشمند نہ تھیں اور آپ نے ان سے صلح کر لی تھی۔ مگر وہ لوگ بد عہد اور خائن ثابت ہوئے اس بات کے باوجود آپ ہی ہدایت فرما رہی ہیں کہ سوائے قاتلین عثمانؓ کے ہر ایک سے اچھے سلوک سے پیش آؤ۔

دوسرا خط کوفہ کے مخصوص افراد کے نام


۲۔ امالعبد۔ لوگوں کو ان کی مدد اور حفاظت سے باز رکھو۔ اپنے اپنے گھروں میں گوشہ نشین ہو جاؤ۔ اس جماعت نے عثمان بن عفانؓ کے ساتھ جو کچھ کیا امت کے باہمی اتحاد کو جس طرح پر اگندہ کیا کتاب الہی اور سنت نبویؐ کی جیسی مخالفت کی اس پر بس نہیں کی بلکہ احکام دینی اور کتاب الہی پر لوگوں کو آمادہ کرنے کے سبب اس نے ہم کو کافر بنایا۔ اور ہماری نسبت نازیبا باتیں کہیں۔ صلحائے امت نے ان کی مخالفت کی اور ان کے فعل کو بڑا گناہ سمجھا اور ان کو خطاب کر کے کہا۔ تم امام کے قتل پر فائز نہیں ہو جو اپنے پیغمبرؐ کی بیوی سے اس لئے بغاوت کرتے ہو کہ وہ تم کو حق کا فرمان دیتی ہیں۔ اور چاہتے ہو کہ ان کو اور پیغمبرؐ کے ساتھیوں اور اسلام کے رہبروں کو قتل کر ڈالو لیکن وہ اور عثمان بن حنیف جابل عوام اور عجم زادوں کی جمعیت لے کر لڑنے پر آمادہ ہوا۔۔۔۔۔ طلحہ اور زبیرؓ کے بیعت کر لینے کا بہانہ کرتے تھے۔ آخر ایک سفیر مدینے بھیجا گیا وہ اصل واقعات دریافت کر کے آیا یعنی طلحہ اور زبیرؓ سے جبراً

ہویت لی گئی ہے) انہوں نے پھر بھی حق کو نہ پہچانا۔ بلکہ ایک شب میرے قیام گاہ میں گھس آئے کہ مجھے قتل کر ڈالیں۔ وہ دہلیز تک پہنچ چکے تھے اور ایک آدمی آگے آگے انہیں راستہ بتا رہا تھا۔ کہ قیس، رہ باب اور ازاد کے جو افراد پہرہ پر تھے انہوں نے شیخون مارنے والوں کو قتل کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے تمام اہل بصیرت کو طلحہ اور زہیرہ کی رائے پر متفق کر دیا ہے۔ قصاص لینے کے بعد ہم معاف کر دیں گے یہ واقعہ ۲۶ ربیع الآخر ۱۳۶ھ کو واقع ہوا۔ گویا حضرت ذوالنورینؑ کی شہادت کو چار مہینے سے زیادہ عرصہ گزر گیا تھا۔ اور قاتلین عثمانؓ حضرت علیؑ کے لشکر میں کرا دھرتا بنے پھرے تھے۔  فاریں کرام کی سہولت کے لئے ہم نے اس خط کے بارہ اہم ترین مقامات کی نشاندہی کر دی ہے۔

نمبر ۱: اگر حضرت ام المومنینؑ کو حضرت علیؑ سے کوئی ذاتی پرغاش ہوئی تو وہ ضرور اس کی نشاندہی فرمائیں اور اپنے مخاطبین کو یہ نہ فرمائیں کہ تم اپنے گھروں میں گوشہ نشین رہو صرف ان لوگوں کی حفاظت کرتے رہو جو اپنی حفاظت کی پوزیشن میں نہیں۔

نمبر ۲: آپؑ واضح طور پر فرما رہی ہیں کہ میل کام صرف اصلاح احوال ہے۔ مگر اصلاح احوال کا بدلہ یہ مل رہا ہے کہ وہ شیطان صفت لوگ آپ کو بھی کافر کہنے میں ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتے۔ آج بھی جو لوگ حضرت ام المومنینؑ کی نشان افدس میں گستاخی کے ترکیب ہو رہے ہیں یہ انہی ابد باطن، خبیث صفت لوگوں کی رُوحانی ذریت ہیں۔

نمبر ۳-۵: اس دُشمن کے تمام صلحائے اُمت ان فلاحوں کو بیت بڑا گنہ گار سمجھتے تھے۔ اور ان خائن لوگوں کا سب سے بڑا جرم ان صلحائے اُمت کی نظروں میں قتل عثمانؓ کے بعد حضرت ام المومنینؑ کے حضور میں گستاخی تھی۔

نمبر ۶: عثمان بن حنیف کے ساتھ صرف ہاہل عوام یا عجمی یعنی مجوسی زائے تھے۔ جو شخص ہاہل عوام اور مجوسی زادوں کو ساتھ لے کر ام المومنینؑ کے صفا بلے میں نکلا وہ واجب القتل تھا۔ 

نمبر ۹: طلحہ زبیر کی بیعت کو فریق مخالف اور جاہل سنی ہر موقع پر درمیان میں لاتے ہیں۔ مگر ان شواہد کی موجودگی میں ان کی جبری بیعت، بیعت لینے والوں کے لئے جرم ثابت ہوتی ہے۔

نمبر ۱۰: اس ماں کو قتل کرنے کے لئے اس کے مستقر پر شہنشاہ مارنا خدا نخواستہ اگر ایسا ہو جاتا تو خون عثمانؓ کے قصاص میں تو کارکنانِ قصاص وقتِ سر کو اس وقت تک چین نہ آیا جب تک ہزاروں کا خون نہ بہہ نکلا۔ مگر صدیقہ کائناتؓ کے لئے تمام عالم نہ دیالا ہو جاتا تب بھی شہداء کم نہ تھا۔

نمبر ۱۱: طلحہ اور زبیرؓ کا فیصلہ مبنی بر حق تھا۔ یہی وجہ تھی کہ تمام عالم اسلام نے ان کے فیصلہ کو مبنی بر حق قرار دیا۔

نمبر ۱۲: اللہ سے حضرت ام المؤمنینؓ کی سیرتِ شعیفہ عفو و درگزر، قراح و صلگی اور اعلیٰ ظرفی۔ فرمائی ہیں خون عثمانؓ کے قصاص کے بعد ہم ان تمام لوگوں کو معاف کر دیں گے جو منافقین عثمانؓ کے شریک کار ہیں مگر قتل عثمانؓ میں شریک نہ تھے۔

حضرت علیؓ مدینہ سے رخصت ہوئے تو ان کے ساتھ صرف سات سو آدمی تھے۔ کوئٹہ سے سات ہزار آدمی اور ان کے لشکر میں شامل ہو گئے۔ بصرہ پہنچتے پہنچتے تعداد بیس ہزار تک پہنچ گئی۔ صدیقہ کائناتؓ کے ساتھ تیس ہزار کا لشکر تھا۔

کتنا درد انگیز منظر تھا۔ ایک ہی ماں کے جگر پائے ایک دوسرے کے ساتھ گھٹم گھٹا ہونے کے لئے ایک دوسرے کے سامنے صف آرا ہیں مضر کے مقابل مضر از د کے مقابل از د اور یمنیوں کے مقابل یمنی۔ یہاں یہ کہہ کر گزر جانے والے کہ ہر دو لشکروں پر حق پرستی کا جوش تھا اور ہر دو لشکروں میں صحابہ کرامؓ موجود تھے۔ صریحاً حقائق سے انماض ہے صدیقہ کائناتؓ کے لشکر میں صحابہ کرامؓ کا معتد بہ حصہ موجود تھا۔ آپ مکہ سے چھ ہزار کا لشکر لے کر روانہ ہوئی تھیں۔ ان میں اکثریت صحابہ کرامؓ کی تھی۔ حضرت علیؓ سات سو آدمی لیکر مدینہ سے روانہ ہوئے تھے ان میں سے چھ سو تو کوئٹہ کے باغی تھے اور باقی ایک سو میں سے بھی اکثریت بصری اور مصری

نسل لکھنا ہے۔
 بلوائیوں کی تھی۔ آپ کے لشکر میں صحابہ کرامؓ کی موجودگی ظاہر کرنے کے لئے حضرت
 عمار بن یاسرؓ کا نام ہر موقع پر پیش کیا جاتا ہے۔ مگر عمار بن یاسرؓ کو مصر سے واپسی
 کے وقت بلوائیوں نے راستہ میں ہی شہید کر دیا تھا۔ مصر میں میرے کے بعد وہ حمل میں تھیں۔
 حضرت زبیرؓ نے یہ منتظر دیکھا تو فرمایا مسلمان جب زور و قوت میں بہاؤ بن گئے تو
 تو خود مکر کر محو پر چور ہو جانا چاہتے ہیں۔ کوفہ کے بعض رؤسا بصرہ کی مساجد میں ہجرت
 بصری لوگوں کو درغلانے لگے۔ اور ان کی اس کارروائی نے بصریوں پر اچھا خاصہ اثر کیا
 ایک قبیلہ کارئیس حضرت علیؓ کی خدمت میں پہنچا اور کہا آپ کیا کر رہے ہیں۔ اپنے اس
 اقدام پر غور کیجئے۔ انہوں نے فرمایا طلحہ اور زبیرؓ سے بات کرو۔ پھر وہ ان حضرات

امہ عمار بن یاسرؓ کے متعلق میں نے سب سے پہلے صحیفۃ المحدث کراچی کے شمارہ ۸۰ جون ۱۳۳۷ء میں ایک
 تفصیلی مضمون لکھا تھا اس کے بعد شہادت ذوالنورینؓ اور حضرت رسولؐ میں بھی ضمناً عمار بن یاسرؓ کے قتل
 کے واقعات ضمناً زیر بحث آئے۔ انہیں ایام میں مترجم مشکوٰۃ المصابیح کی تیسری چوتھی جلد نظر سے گزری
 جس پر ”فوائد غریبہ“ کے حاشی میں اچھی خاصی رضی کی ترجمانی نظر سے گزری اور چند ایک مقامات تعاقب
 کیا گیا۔ ۸ صفحات کا وہ کتابچہ شمس الدیکڑ پوٹو گڑی کھانا تہ حیدر آباد سے شوال ۱۳۹۶ھ میں شائع ہو چکا ہے
 سیدنا ذوالنورینؓ نے شورش پسندوں کے ہتھکنڈوں سے متاثر ہو کر کوفہ بصرہ اور مصر میں دریافت
 حال کے لئے وفد بھیجے۔ کوفہ اور بصرہ سے تو وفد واپس آگئے مگر مصر سے حضرت عمارؓ واپس نہ پہنچے۔
 آگے طبری کی زبان سے سنئے استمالہ قوم بصرو قد اقطعوا الیہ متہم عبد اللہ بن السودا
 خالد بن ملجم وغیرہم طبری جلد ۷ یعنی سیائیوں نے انہیں مصر میں پھنسا لیا اور حضرت عمارؓ با
 اور خالد بن ملجم کے ساتھ مل گئے۔ ابن خلدون بھی اس کی تصدیق کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ حضرت عمارؓ کو سیائیوں
 نے پھنسا کر مصر میں رک لیا ابن خلدون جزء ۲ صفحہ ۱۹-۲۱۸ طبری آگے چل کر لکھتا ہے کہ حضرت عمارؓ
 جب مصر سے روانہ ہوئے (یعنی سیائیوں کا ساتھ چھوڑ کر) تو مصریوں نے انہیں راز کے خوف سے
 انہیں راستہ ہی میں قتل کر دیا (طبری جلد ۷ صفحہ ۱۰۴)

وغار الوفا للسمہودی میں بھی حضرت عمارؓ کا قاتل سیائیوں کو ہی بیان کیا گیا ہے۔ ان لوگوں
 کی نظر سے عمارؓ کے متعلق نبی علیہ السلام کے یہ کلمات تو گزرے کہ تقتلک ذمتہ الباغیہ یعنی اے عمارؓ
 تجھے ایک باغی گروہ قتل کرے گا مگر یہ الفاظ نہ گزرے یا عمارؓ لا یقتلک صحابی۔ (بقیہ صفحہ ۱۰۴)

کی معیت میں حضرت ام المومنینؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا
 ام المومنینؓ! اس قسم سے آپ کی عرض کیا ہے ؟
 آپ نے فرمایا۔ عثمانؓ کے قاتلوں کی سزا اور
 اصلاح کی دعوت اور ~~اور~~

وہ پھر حضرت علیؓ کی خدمت میں پہنچا۔ سب نے صلح پر رضامندی
 ظاہر کی۔ اب ہر فریق مطمئن ہو گیا۔ اور جنگ کا خیال دلوں سے محو ہو گیا۔ اب صلح کی
 شرائط پر گفتگو کا آغاز ہونے والا تھا۔ مگر قاتلین عثمانؓ کے لئے یہ صورت مرگ ناگہاں
 تھی۔ ان لوگوں کی کثیر تعداد حضرت علیؓ کے لشکر میں تھی۔ انہوں نے سوچا کہ اس سے
 پہلے علیؓ اس پوزیشن میں نہ تھے کہ ہماری گرفت پر قادر ہوتے۔ بلکہ ہم نے ہی ان کے
 فرقہ انور پر خلافت کا تاج سجایا ہے۔ اب علیؓ اور ام المومنینؓ میں صلح ہو گئی تو ہمارا
 کوئی ٹھکانا نہیں۔ انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ قاتلین عثمانؓ کے متعلق فیصلے کے بعد
 حضرت علیؓ کی خلافت پر کسی کو اعتراض نہیں ہو گا۔

یہ بات بھی بعید از امکان نہیں کہ شورش پسندوں میں سے چند ایک جاسوئی
 کے لئے حضرت ام المومنینؓ کے لشکر میں بھی موجود ہوں۔ طبری کے قول کے مطابق
 حضرت ام المومنینؓ کے لشکر پر شجون مارا گیا۔ طبری جلد ۳ صفحہ ۱۸۲-۱۸۳ اور ایک ہنگامہ
 پیدا ہو گیا۔ حضرت ام المومنینؓ کے لشکریوں نے حضرت علیؓ کے لشکر پر تلے بول دیا۔
 ام المومنینؓ اور ان کے لشکری یہ سمجھ رہے تھے کہ حضرت علیؓ نے بد عہدی کی اور حضرت
 علیؓ کا خیال تھا کہ حضرت ام المومنینؓ کے لشکر نے بد عہدی کی ہے۔ قاضی بصرہ
 حضرت کعب بن سور نے سیدہ صدیقہؓ کا ثنات کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا آپ سوار
 ہو کر نکلیں ہو سکتا ہے آپ کی وجہ سے جنگ رک جائے (طبری جلد ۶ صفحہ ۱۸۳) آپ نے

(بغیہ حاشیہ) آج روانہ ہو کر حضرت عمارؓ بن یاسرؓ سے بڑی ہمدی ہے مگر ان کے پیران طریقت کا عمارؓ
 کے متعلق کیا فتوے تھا۔ پڑھیے اور لطفت اٹھائیے۔ ابو جعفر باقرؓ نے فرمایا کہ سب لوگ مرتد ہو گئے۔
 بحر ثقیں ثقفوں کے سلمان فارسیؓ ابوذرؓ اور مقدادؓ (اردی یعنی ابوبکرؓ حضری نے پوچھا) تو پھر عمارؓ آپ نے فرمایا۔

کان حاض حیضۃ تدریج اس کو ایک حیض آیا پھر لٹا لیا گیا (علامہ کشی)

حضرت علیؓ طلحہ اور زبیرؓ کو بلا بھیجا مگر لڑائی نہ رک سکی۔

حضرت ام المومنینؓ نے اپنے اونٹ پر ایک آہنی ہونج رکھوا کر میدان جنگ میں بھجوا دیا۔ اسی کیفیت میں سورج نصف النہار پر پہنچ گیا۔ اہل کونہ کا تمام زور صدیقہؓ کا ثبات کے ناطہ کی طرف تھا۔ وہ لوگ چاہتے تھے کہ آپؐ کی تحقیر کی جائے۔ مگر انہیں یہ معلوم نہیں تھا کہ حضرت صدیقہؓ ہونج میں موجود نہیں ہیں۔

صدیقہؓ کا ثبات کے اونٹ کے چاروں طرف جان نثاروں کا حلقہ تھا۔ آپ کے دائیں طرف بکر بن دائل، بائیں طرف تبیلہ ازد کے جانباز، سامنے بنو ناجیہ مادر اسلام کی عزت و احترام کے تحفظ کے جذبات سے سرشار پروانہ دار نثار ہو رہے تھے۔

بنو ازد کا نعرہ رجز تھا کہ

یا اُمّنا یا خیرام نعلہ امانتین کم شجاع یکلہ

وتحتلی ہامة والمصر

اے ہماری ماں! اے ہماری بہتر ماں جس کو ہم جانتے ہیں، آپ نہیں دیکھتیں کہ کتنے بہادر رزمی کیے گئے۔ اور ان کے سر اور ہاتھ کاٹ ڈالے گئے۔ بنو ضبہ اونٹ کو اپنے حلقہ میں لیے ہوئے تھے۔

یہاں یہ کہے بغیر آگے نہیں بڑھا جانا کہ نبی علیہ السلام کی حیثیتِ زوجہ پر حملہ کرنے والے کون تھے؟ آپ کا جرم کیا تھا؟ کیا آپ نے کسی قاتل کو پناہ دی تھی؟ کیا آپ حصول خلافت کے لئے کوشاں تھیں؟ حملہ آور بڑھ بڑھ کر حملہ کرتے تھے اور کٹ کٹ کر گرتے تھے۔

آل ضبہ کے ان سعادت مند لوگوں کے رجز کا ترجمہ سنئے۔ اور کلیجہ ٹھام کر سنئے۔ وہ لوگ کس قدر خوش نصیب تھے جنہیں نبی علیہ السلام کی محبوب ترین زوجہ کی عزت و احترام کے تحفظ کے لئے اپنی جانوں کے نذرانے پیش

لے آگے چل کر انہیں میں سے جو لوگ خوارج کی شکل میں ہمارے لیوانوں نے حضرت علیؓ کو کینا شروع کیا کہ تم دی ہو جو اپنی ماں کو لونڈی بنانا چاہتے تھے۔

کرنے کی سعادت ملی۔

ہم ضیہ کے فرزند ہیں بھاگنے والے نہیں ہیں۔ جب تک سروں کو گرتے اور ان سے سرخ خون بہتے ہوئے نہ دیکھ لیں۔

اے ہماری ماں! اے عائشہؓ! گھبرا بیٹے نہیں آپ کے بیٹے بہادر و دلیر ہیں
اے ہماری ماں! اے پیغمبرؐ کی بیوی اے یارِ کت اور ہدایت یابِ توبہ کی بیوی
ہم ضیہ کے بیٹے ہیں اور اس اونٹ کے پاسبان ہیں۔ موت ہمارے
نزدیک شہر سے زیادہ شیریں ہے۔

ہم موت کے آغوش میں پلے ہیں۔ جب موت اترتی ہے۔

ہم عفان کے بیٹے عثمانؓ کی موت کی خبر کا اعلان یزیدوں کی لوگوں سے
کرتے ہیں۔

ہمارے اس سردار کو واپس کر دو پھر کوئی رچھکڑے کی بات نہیں۔

یا للعجب! حیرت پر حیرت! افسوس پر افسوس۔ وہ لوگ کس قماش کے ہیں۔
کس فطرت کے ہیں۔ جن کے علم و فضل کی نان اس بات پر آکر ٹوٹتی ہے کہ صدیقہ
کائنات کے لشکرِ فسطیہ الباغیہ تھے۔ جن کا مطالبہ صرف اس قدر تھا کہ

فائزین عثمانؓ سے قصاص لیا جائے اور وہ دیکھ رہے تھے کہ چار مہینے قاتلین
عثمانؓ، علیؓ کے لشکر میں کھلم کھلا ڈکراتے ہی نہیں پھر رہے بلکہ آپؐ کے لشکر
کا تمام نظم و نسق ان کے ہاتھوں میں ہے۔ اور آپؐ انہی کو ساتھ لے کر تمام امت
کی ماں کے خلاف برد آ رہا ہیں۔ تاریخ عالم ایسی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔

بنو ضیہ کی قوتِ ایمانی کے جوش کا یہ عالم تھا کہ بلوائیوں کے ہاتھوں
اگر ایک گرتا تو دوسرا جھپٹ کر اونٹ کی جہار نکھام لیتا۔ ستر سے زیادہ آدمی اسی
طرح اپنی ماں پر نشانہ ہو کر حنبت الفردوس کو سدھار گئے۔ عبد اللہ بن زبیرؓ پاس
کھڑے تھے جس نے ہاتھ آگے بڑھایا اس کا ہاتھ اڑا کر رکھ دیا۔

حضرت علیؓ کے لشکر کا مشہور مجاہد سردار اشتر بن حنی جس کا اصل نام مالک
تھا۔ حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ سے گھمٹا گھمٹا ہو گیا۔ ابن زبیرؓ چلائے لوگوں کو دوڑو۔ مالک
کو قتل کر دو۔ اس کے ساتھ مجھے بھی مار دو۔ آپؐ کے کہنے کا مطلب یہ تھا

کہ اگر اسے قتل کرتے ہوئے میرے بچانے کی کوشش کرو اور اس کوشش میں وہ بھی بچ جائے تو اس بات کی کوئی پروا نہیں کہ اس کے ساتھ میں بھی مارا جاؤں۔

اشتر بعد میں کہا کرتا تھا کہ لوگ مجھے اشتر کے نام سے جانتے تھے۔ انہیں معلوم نہیں تھا کہ مالک کون ہے ورنہ وہ مجھے قیمہ کر دیتے۔

حضرت علیؑ نے صورت حال دیکھ کر کہا جیتا تک اونٹ کھڑا ہے ہماری کامیابی مشکل ہے۔ حکم دیا کہ اونٹ کی ٹانگیں کاٹ دو۔ ایک بلوائی نے پیچھے سے حملہ کر کے اونٹ کے پچھلے پاؤں پر تلوار ماری اونٹ گر پڑا۔ اونٹ گرنے ہی لڑائی کا پالسنہ پلٹ گیا۔

کیا سیدہ صدیقہ کائنات میدان جنگ میں موجود تھیں؟

داستان گو نے حضرت صدیقہ کائنات کو محل میں سوار ثابت کرنے کے لئے

۱۔ سورہ شمس کی تفسیر میں امام عید الدین فراہیؒ سے ایک بڑا عجیب لطیفہ مرزد ہوا ہے۔
 ”امت مرحومہ میں ناثۃ اللہ کی مثال“ کے تحت لکھتے ہیں: بعینہ اسی کے مشابہ واقعہ امت مرحومہ میں پیش آیا۔ اس امت میں ناثۃ کی مثال حضرت علیؑ تھے چنانچہ ان کے قتل کے بعد اس امت سے خلافت چھین لی گئی اور خلفاء کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ (مجموعہ تفسیر فراہی صفحہ ۲۹۸) حقیقت یہ ہے کہ سبائیت کے زہریلے پروپیگنڈے کے جراثیم نے اہل سنت کی بڑی بڑی قیادتوں کے اذہان کو متغض کر کے رکھ دیا۔ امام صوت اگر اس قسم کی مثال پیش کئے بغیر اپنی تفسیر کو نامکمل سمجھتے تھے تو ناثۃ کا تعلق صدیقہ کائنات سے تھا۔ اور اسی کی کوئی نہیں کافی گئی تھیں۔ اور اگر آپ کا مطالب ناثۃ سے حضرت علیؑ کی ذات تھی تو کم از کم اپنے ماتخذ کی طرف نشاندہی کر دیتے۔ رہا حضرت علیؑ کی خلافت کا مسئلہ تو آپ کو کس نے خلیفہ بتایا تھا مسلمانوں یا سبائیوں نے۔ محققین کا فیصلہ علیؑ کی خلافت برائے نام تھی۔ تفصیل کے لئے دیکھیے میری تالیفات مقام صحابہ، مشکوٰۃ کے فوائد غزنویہ پر ایک نظر وغیرہ۔ حقیقت یہ ہے کہ ناثۃ اللہ کی مثال سیدنا ذوالنورینؑ کی ذات اقدس پر صادق آتی ہے۔ جن کی شہادت کے بعد امت میں خوریزی کا سلسلہ شروع ہوا اور حضرت علیؑ کی شہادت کے بعد تمام شورشیں یک لخت ختم ہو گئیں اور امت نے

محمد اور آپ کی گفتگو بڑی چابکدستی سے ٹیپ ریکارڈ میں محفوظ کرنے کی کوشش کی ہے لاشوں پر لاشے گر رہے ہیں۔ انزال قریٰ شور و غوغا اور قتل و خون ریزی کا بازار گرم ہے۔ کسی کو کسی کا ہوش نہیں۔ نافہ گرتا ہے اور محمد قریٰ موقع پر ہتھکے ہوئے ج میں ہاتھ ڈال دیتا ہے۔ اور یہ صاحب بن کا آج تک نام و نشان کسی تاریخ میں موجود نہیں نوراً ٹیپ ریکارڈ لے کر پہنچ جاتے ہیں اور بڑی چابکدستی سے اس کا بین آن کر کے تمام معاملہ محفوظ کرتے ہیں صدیقہ کائنات کے سامنے در تمام مناظر موجود تھے کہ ان لوگوں نے کس طرح نئی اکرم کے زہرے داماد کو کس شہادت اور سنگدلی سے چالیس روز کے محاصرے کے بعد شہید کیا۔ عشر مبشر میں سے دو صحابیوں کو ابھی شہید کر چکے ہیں۔ ام المومنین حضرت ام حبیبہ جب عثمان کے پیاس سے تڑپتے ہوئے نیم جان اہل بیت کے لئے پانی لے کر نکلیں تو ان سے انہوں نے کیا سلوک کیا۔ ان شواہد کی موجودگی میں وہ قطعاً مہربان سمجھتی تھیں کہ ایسے مادر پدر آزاد اشفیاء کے سامنے جاتیں۔

محمد پہلے آواز دیتا ہے مگر جواب نہ ملنے پر محمل میں ہاتھ ڈالتا ہے۔ محمد آپ کو بھاتی تھا۔ اس کی آواز پر آپ نے کیوں جواب نہ دیا۔ آپ محمل میں موجود ہوتیں تو جواب دیتیں۔ مگر آپ موجود ہی نہ تھیں تھیں محمد کو ہاتھ ڈال کر دیکھنا پڑا۔

ٹیپ ریکارڈ والے صاحب کا ٹیپ سینے :

آپ پر چھتی ہیں من انت ؟ تو کون ہے۔ محمد جواب دیتا ہے بعض اہلک الیل یعنی آپ کے گھر والوں میں سے وہ جو آپ کے نزدیک سب سے برا ہے۔ پھر فرماتی ہیں ابن الخثیمہ یعنی تم خثیمہ کے بیٹے ہو۔ محمد نے کہا۔ ہاں تو انہوں نے فرمایا۔ تم پر میرے ماں باپ قربان اللہ کا شکر جس نے تمہیں عافیت سے رکھا عجیب ٹھیک ہے۔ محمد خود تسلیم کرتا ہے کہ میں آپ کے خاندان کا برا آدمی

ہوں اور سیدہ صدیقہ اسے پہچان بھی نہیں سکتیں اور پر چھتی ہیں کہ تم خثیمہ کے بیٹے ہو تو اس کے جواب پر فوراً کہہ اٹھتی ہیں تم پر میرے ماں باپ قربان اور اللہ کا شکر کرتی ہیں اس بات پر کہ در قاتلین عثمان کا سرغنہ ہے۔ جس عثمان کے خون کے فساد کے لئے آپ یہاں پہنچتی ہیں۔ اس کی عافیت پر اللہ کا شکر جس کا خون مبارک سمجھتی ہیں۔ ایک مہنوز، بائنی نہیں بلکہ باغیوں کا سرغنہ جو باغیوں کو ساتھ لے کر

میں کا ہوتا ہے اور اس کے ساتھ

ہن کا مقابلہ کرنے آیا اس کے لئے یہ جہت کرم کی دعائیں۔ کچھ نہ سمجھے خدا کے کوئی۔

حضرت طلحہؓ و زبیرؓ کی شہادت

جب بلوائیوں نے شیخون مارا ان کا اولین بدت حضرت طلحہؓ و زبیرؓ تھے۔ حضرت علیؓ شہیدہ صدیقہؓ کا سنات کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے نکلے۔ انہیں یقین تھا کہ حضرت طلحہؓ و زبیرؓ بھی آپؐ کی خدمت میں موجود ہوں گے۔ مگر وہ صحابہؓ اس سے پہلے ہی مرتبہ شہادت پر فائز ہو چکے تھے۔

یہاں بھی ایک سبائی کا الہام ہماری روایات کے ذخیروں میں آگھسا ہے۔ حضرت علیؓ، حضرت زبیرؓ کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں: ۱۔ اے زبیر! یاد کرو اس دن کو کہ میں نبی علیہ السلام کے ساتھ بنی غنم کے محلہ میں سے گزر رہا تھا تو آنحضرتؐ نے میری طرف دیکھا اور منہ سے میں نے بھی آپؐ کی طرف منہ ہوئے دیکھا۔ تو تم نے کہا کہ ابوطالبؓ کے بیٹے کو اس کا تکبر کبھی نہیں چھوڑے گا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم سے کہا۔ کہ چپ رہ تو ضرور اس سے قتال کرے گا اور اس کے ساتھ ظلم کرنے والا ہوگا۔ تو حضرت زبیرؓ نے کہا۔ ہاں قسم اللہ کی کہ اگر مجھ کو یاد رہتا تو میں اس موقع پر کبھی نہ آتا۔ قسم ہے اللہ کی قسم سے کبھی قتال نہ کروں گا۔ تو حضرت علیؓ وہاں سے اپنے ساتھیوں کے پاس گئے۔ اور یہ خوشخبری سنائی کہ زبیرؓ نے اللہ تعالیٰ سے عہد کیا اور الگ ہو گئے۔ مکھی پر مکھی مارنے والوں کو اگر اللہ تعالیٰ بات سمجھنے کا شعور دیتا اور وہ اس کذب کے من السطوہ میں پوشیدہ رفس کی عیاری پر غور کرنے تو صاف نظر آتا کہ یہ ایک من گھڑت داستان ہے۔

۱۔ نبی علیہ السلام صرف علیؓ کو ہمراہ لے کر بنی غنم کے محلہ سے گزر کر کہاں تشریف لے جا رہے تھے نہ اس طرف حضرت علیؓ کا مکان نہ نبی علیہ السلام کی کسی نے دعوت کی آخر یہ گزر کیوں ہو رہا تھا۔

۲۔ نبی علیہ السلام حضرت علیؓ کی طرف دیکھ کر کیوں مسکرائے۔ اور اس وقت

تیسرا کون تھا جو آنحضرتؐ کی مسکراہٹ دیکھ رہا تھا۔

۳۔ حضرت علیؑ بھی جواب میں مسکرا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان مسخروں سے پناہ میں رکھے۔ اس روایت کا مسخرہ راوی یوں لفظیہ کھینچ رہا ہے کہ گویا دو دیوانے ایک دوسرے کے ہمراہ کسی راستہ سے گزر رہے ہیں اور بلاوجہ ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر مسکرا رہے ہیں۔

۴۔ اچانک وہاں حضرت زبیرؓ آ موجود ہوتے ہیں۔ گویا وہ پہلے ہی اس ڈرامہ کے تیسرے کردار کی طرح اس مقام پر موجود تھے۔

۵۔ اور انہوں نے سامنے آنے ہی حضرت علیؑ کو مخاطب کر کے کہدیا کہ ابوطالب کے بیٹے کو یہ تکبر نہیں چھوڑے گا۔ یہ مسخرہ اپنی ٹھک بازی میں یہ کہتا بھول گیا کہ علیؑ نے کوئی ایسی غرور کی حرکت کی تو زبیرؓ نے یہ کلمات کہے۔ اور پھر ابوطالب کو ان ایام میں لوگ بوجہ اس کے کفر کے نفرت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ علیؑ کو کسی اور نام سے بھی مخاطب کیا جاسکتا تھا۔

۶۔ نبی علیہ السلام نے زبیرؓ کو جھارٹ پلانے ہوئے کہا تم ضرور علیؑ سے قتال کرو گے۔ اگر اس واقعہ کو نبی علیہ السلام کے سال وفات کا ہی سمجھا جائے تب بھی تیس پینتیس سال کے عرصہ میں نہ ہی حضرت علیؑ نے کسی سے ذکر کیا اور نہ ہی حضرت زبیرؓ نے اور نہ ہی نبی علیہ السلام نے کسی سے فرمایا کہ زبیرؓ علیؑ کے خلاف قتال کرتے گا۔

اچانک یہ سب کچھ عین معرکہ قتال میں یاد آیا۔ ایسی اہم پیشگوئی حضرت علیؑ اس سے پہلے ضرور کسی سے بیان کرتے حقیقت یہ ہے کہ یہ سب کچھ بہت بعد میں تیار کیا گیا۔ اس قسم کی تمام خرافات کا جامع حاکم ہے۔ جس کے متعلق میں اپنی متعدد تالیفات میں بدلائل و شواہد واضح کر چکا ہوں کہ وہ غالی رافضی تھا۔ اپنی مستدرک میں اُس نے بڑی چابک دستی سے اس قسم کا بدبودار مواد فراہم کیا ہے۔ اس قسم کی روایات کی تخلیق کا اہم ترین مقصد یہ تھا کہ حضرت علیؑ کے موقف کو مبنی برحق ثابت کیا جائے۔

امام بخاریؒ نے باب برکتہ العازی فی مالہ حیاً و میتاً میں روایت کی ہے کہ حضرت زبیرؓ اپنے بیٹے عبد اللہ کو عین میدان جنگ میں فرماتے ہیں کہ میں سمجھتا

ہوں کہ آج میں مظلومانہ حیثیت میں مقتول ہو گیا۔ اس روایت سے حضرت علیؓ اور قاتلین عثمانؓ ظالم قرار پاتے ہیں۔ مگر ان کا ظالم قرار دیا جانا سب سے معروفہ سب سے بدنامہ ہے۔ لہذا کبھی نبی علیہ السلام کی زبان سے زبیرؓ کو تنبیہ کرائی جاتی ہے۔ کبھی اور کوئے کھدرے تلاش کر کے حضرت علیؓ کے موقف کو مبنی برحق ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

یہاں پھر ایک اور عیاری ملاحظہ ہو کہ حضرت زبیرؓ کو میدان جنگ سے الگ ہو جانے والا بیان کر کے حضرت امیرؓ کو ان کا قاتل بنا دیا گیا۔ مگر آج تک یہ سوچنے کی ہمت کسی کو نہ ملی کہ زبیرؓ تنہا اپنے لشکر سے الگ ہو کر عازم مدینہ ہوتے ہیں۔ مروانؓ کو پہلے ہی علم ہوتا ہے کہ وہ اس راستے سے گزر رہے ہیں۔ لہذا وہ گھات میں بیٹھے ہوا تھا۔ تاک کہ زبیرؓ مارا اور پھر وہ تیر بھی زہراؓ لود تھا۔ دیکھا آپ نے اس کذاب داستان کو نے ایک تیر سے کتنے شکار کیے۔

۱۔ امیرؓ مروانؓ صدیقہ کائناتؓ کے لشکر میں ہیں اور وہی اپنے ایک ساتھی کو قتل کرتے ہیں۔

۲۔ حضرت علیؓ کو قتل طلحہؓ زبیرؓ سے کس چابک دستی سے بچا لیا گیا۔

اسی طرح حضرت طلحہؓ کا قاتل جر موز نامی کوئی مجہول الاسم بیان کیا جاتا ہے۔ یہاں بھی اسی قسم کے سوالات پیدا ہوتے ہیں کہ جر موز کون تھا؟ اسے حضرت طلحہؓ سے کیا دشمنی تھی۔ وہ آپؐ کے پیچھے پیچھے میدان جنگ سے نکلا تھا یا پہلے ہی گھات میں بیٹھا تھا اور اس ڈرامہ کا نقشہ کھینچنے والا کون تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ عین میدان جنگ میں حضرت علیؓ کی فوج کے ہاتھوں شہید ہوئے تھے اور یہ روایت بخاری مظلوم شہید ہوئے تھے صرف زبیرؓ ہی مظلوم شہید نہیں ہوئے بلکہ ان کے ساتھ شہید ہونے والے بھی مظلوم شہید ہوئے۔ وفات عائشہؓ کے صفحہ ۶۰ پر ایک عنوان ہے خدا کا شیر طلحہؓ و زبیرؓ۔ جنگ جمل میں واقعی علیؓ شیر ثابت ہوئے جس کے لشکر کے ہاتھوں سنیوں کا مظلوم شہید ہوئے۔ شیر خدا اپنے متعلق اور اپنے متعلقین کے متعلق اپنی زبان سے نام خلافت کے زمانہ میں جو کچھ فرماتے رہے وہ گزشتہ صفحات میں ان کی

زبان سے ہی بیان ہو چکا ہے۔

صفحہ ۷۲ پر وفات عائشہ کے موصوفے نے عثم کوئی کے حوالہ سے جو تراثر خانی کی ہے وہ شبی جہالت کی منہ بولتی تصویر ہے۔

لکھتا ہے کہ بی بی عائشہؓ بصرہ سے مدینہ جانے کے لئے کسی طرح آمادہ نہ ہوتی تھیں حضرت علیؓ نے حضرت حسنؓ کے کان میں کچھ کہہ کر بی بی عائشہؓ کے پاس بھیجا۔ وہ جب پہنچے تو عائشہؓ کنگھی کر رہی تھیں۔ آپؓ نے آگے بڑھ کر کان میں کچھ کہا تو وہ ادھی کنگھی چھوڑ کر فوراً روانہ ہونے پر آمادہ ہو گئیں۔ حسنؓ و اس نے عورتوں نے بی بی عائشہؓ سے پوچھا کہ حسنؓ نے آپؓ کے کان میں کیا کہا ہے۔ عائشہؓ نے کہا نبی علیہ السلام نے اپنی زندگی میں علیؓ کو اپنے ازواج کی طلاق کا اختیار دیا تھا۔ یہ اسی بات کا ذکر تھا۔

تنبیہ مذہب کی بنیاد ہی ایسے پدوں پر رکھی گئی ہے۔ کوئی ان بدحواس افضیول سے پوچھے کہ بلکہ ابو بکرؓ، عمرؓ، فاروقؓ، غلط باتوں پر فرمایا۔

۱۔ نبی علیہ السلام کی زندگی میں علیؓ کی پوزیشن کیا تھی؟ اور کتنی بار نبی علیہ السلام کو منبر پر چڑھ کر مجمع عام میں علیؓ کو تنبیہ کرنا پڑی۔

۲۔ کیا دنیا کے کسی مذہب میں ایسی کوئی مثال موجود ہے کہ خاوند کے مرنے کے بعد عورت کو طلاق دی جائے۔

۳۔ ازواج مطہرات قرآنی زبان میں مومنوں کی باتیں ہیں۔ کیسا عجیب تھادہ بیٹا جسے اپنی ماں کو طلاق دینے کا فریضہ تفویض کیا گیا۔ علیؓ سے پہلے کونسا

۴۔ خود نبی علیہ السلام کو بھی قرآنی ارشاد کے مطابق ازواج مطہرات کو طلاق دینے کا حق نہ تھا۔

حضور صادق و صدیق اور حضرت صدیقہ ایک نکتہ

جو لوگ انبیاء کرام کی عصمت و عفت اور طہارت مآب ذاتوں کو بھی بخشنے پر

آمادہ نہ ہو سکے صحابہ کرام کی فوات قدسیہ پر تنقید سے اپنے آپ کو باز نہ رکھ سکے نبی علیہ السلام

علیؓ
نبی صادق و صدیق

کی ازواج مطہرات کی زندگی کے پوشیدہ گوشوں پر صفحات سیاہ کرتے چلے گئے۔ مگر جنہی حضرت علیؑ کا نام آیا ان کو تذبذب کا ایسا مڑاٹھا کہ حقائق سے بھی اعراض کرنے سے نہ چو گئے۔ اور فوراً فتنوں سے داغے پر آمادہ ہو گئے۔ کہ یہ تو خارجیت ہے۔ الوہیت مجروح ہو رسالت داغدار ہو، عصمت انبیاء پران کی پذیرانیوں کے چھینٹے پڑیں۔ اجل صحابہ کرام کے لیوانی مدارج مایہ پتے پھریں مگر حضرت علیؑ کی زندگی کے صحیح واقعات بیان کرنے سے بھی انہیں اپنے ایمان میں خلل آنے کا خطرہ محسوس ہو۔

اس کائنات ارضی پر اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

کی ذات اقدس ہی وہ واحد ذات ہے جسے اقبال نے

وہ دانائے سبب ختم الرسل مولائے کل حصے

غبار راہ کو بخشا فروغ وادی سینا

کے الفاظ میں مدیحہ عقیدت پیش کیا جسے خود اللہ تعالیٰ نے رحمتہ للعالمین کے لقب

سے لقب فرمایا۔ تمام مخلوقات میں بلند ترین اعلیٰ ترین مقدس ترین مقام نبی اکرم صلی اللہ

علیہ وسلم کو بخشا۔ اور آپ کے بعد تمام مخلوق میں بلند ترین مقام ان ہستیوں کے حصے

میں حصے ہیں آیا۔ جن کے سانس نبی کی سانس کے ساتھ، جن کا لب نبی کے لبوں کے

ساتھ جن کے جسم نبی کے جسم کے ساتھ پیوست ہو کر یکجان ہونے کے ثمر سے

مشترف ہوئے۔ انہ واج مطہرات اس مادہ شب چہار دم کے گرد ستاروں کی مانند

تھیں۔ مگر ان میں سے بھی جسے مقام ثریا پر چمکا کر چارہ دانگ عالم کو منور کرنے

کی سعادت حاصل ہوئی وہ صدیقہ کائنات کی ذات تھی۔ ذرا اس طرف بھی غور کیجئے۔

ام المؤمنین خدیجۃ الکبریٰ کے بعد جن ذوات مطہرہ کو حرم نبوی میں داخل ہونے کا ثمر

حاصل ہوا ان کے پس نظر میں کوئی نہ کوئی سبب مقرر تھا۔

مگر صدیقہ کائنات کا حرم نبوی کے لئے چراغ خانہ بنا صرف اور صرف بحیثیت

زوجہ کے تھا۔ یہاں کوئی پس نظر نہ تھا نہ وجہ اگر کچھ تھا تو یہی کہ آپ کو کائنات نبوی میں

زینت افزا ہونا تھا۔ اور نبی علیہ السلام کے نبوتانہ فرائض میں آپ کا ہاتھ بٹانا تھا۔ آج

دنیا کے سامنے موجود ہے کہ ہمارے پاس دین کا جو سرمایہ ہے اس میں غیر سے زیادہ حصہ

مگر صدیقہ کائنات کا ہے۔

اب میں اس باب کو "وفات عائشہ" کے مولف کے کلمات پر ہی ختم کرتا ہوں۔ صفحہ ۵۳ پر زیر عنوان "حضرت علیؑ کا فتح بصرہ کی طرف" سورہ حجرات کی نوں آیت الیٰ امر اللہ تک لکھ کر سید کائنات رضا اور حضرات طلحہ و زبیرؓ کو باغی ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اور اپنے اس موقف کو صحیح باور کرانے کے لئے پوری آیت نہیں لکھتا اور لطف یہ کہ نصف آیت بھی صحیح نہیں لکھ سکتا۔ اس میں بھی پوسے چھ لفظ غلط لکھتا ہے۔

چنانچہ لکھتا ہے کہ جب حضرت علیؑ کو خبر ملی کہ بی بی عائشہؓ طلحہ

و زبیرؓ ایک جم غفیر کے ساتھ خون عثمان کے دعویٰ کے ساتھ بصرہ پہنچ گئے اور وہاں تسلط حاصل کر کے حملہ کرنے پر آمادہ ہیں تو آپ نے حکم مقتضائے باری

وَأِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا
فَأَصْلَحُوا بَيْنَهُمَا جَاءَ فَإِنْ بَغَتْ أَحَدُهُمَا
عَلَى الْآخَرَىٰ فَقاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّىٰ
تَفِيءَ إِلَىٰ أَمْرِ اللَّهِ فَإِنْ فَاءَتْ فَأَصْلَحُوا
بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَأَقْسِطُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ
الْمُقْسِطِينَ ۝

وان طائفتان من المؤمنين
اقتتلانا صلحا بينهما فان
احداها على لاخرى فقاتلوا
التي تنبغي حتى تقىء الى امر الله
(سورہ منافات عائشہ کا ترجمہ دان)

۔ آیت کا پورا ترجمہ یہ ہے :

اگر دو جماعتیں مسلمانوں میں سے آپس میں لڑیں پس
صلح کرو ان دونوں کے درمیان۔ پس اگر ان میں سے ایک
سرخشی کرے اور دوسری کے پس لڑوان سے جو سرکشی
کرتے ہیں بیان تک کہ پھر آدیں طرف حکم خدا کے پس اگر
پھر آدیں پس صلح کرو درمیان ان کے ساتھ عدل کے اور
انصاف کیا کرو تحقیق اللہ دوست رکھتا ہے انصاف
کرنے والوں کو۔ ⑨

اس جہل مرکب کے مریض نے تو یہ آیت حضرت علیؓ کا موقف یعنی برحق ہونے کی تائید میں پیش کی۔ مگر اسے یہ عقل کون سکھاتا :

۱۔ کہ اس آیت میں طائفتین من المؤمنین یعنی مومنوں کے دو گروہوں

کا ذکر آیا ہے اور اہلسنت کا عقیدہ ہے کہ صدیقہ کائناتؓ کے تمام شکری اور حضرت علیؓ کے وراثت کبریٰ جو قتل عثمانؓ میں شامل نہ تھے مومن تھے۔

۲۔ سرکشی کرنے والے قاتلین عثمانؓ تھے اور وہی علیؓ کے لشکر کے سربراہ اور وہ تھے۔

۳۔ آگے ارشاد ہوتا ہے کہ اگر وہ پھر آویں۔ مگر قاتلین عثمانؓ آخر تک اپنے موقف پر ڈٹے رہے اور خود حضرت علیؓ کے لئے بلائے لے دربان بنے رہے۔

۴۔ ”صلح کرو درمیان ان کے ساتھ انصاف کے“ پر غور کیجئے۔ واقعہ جہل کے بعد حضرت علیؓ ہی سب کچھ تھے۔ پھر انہوں نے انصاف کے کن تقاضوں کو پورا کیا۔

یہ تو تھی لفظی بحث مگر بقول عولفت وفات عائشہؓ اگر حضرت علیؓ نے بصرہ کی طرف کوچ کرتے وقت اپنے لشکر کے سامنے بمقتضائے رتبہ ادبی تعالیٰ یہ آیت پیش کی تو اس کا صاف مفہوم یہ ہے کہ حضرت علیؓ ہر دو لشکروں کو مومن سمجھتے تھے۔ پھر یہ لگوں بچوان ذواتِ قدسیہ پر اعتراض کر نیوالے کون ہوتے ہیں۔

جنگ کے خاتمہ کے بعد حضرت صدیقہ کائناتؓ نے ایک بصری رئیس کے گھر نزول اجلال فرمایا۔ تمام زمینداروں کو بھی وہاں پہنچا دیا۔ حضرت علیؓ نے محمد بن ابی بکرؓ کو آپ کے ہمراہ کیا۔ اور آپ کے روانہ ہو گئیں۔

نصرد سے رخصت ہونے کے وقت آپ نے ایک بار پھر فرمایا۔ مجھ کو علیؓ سے نہ کسی قسم کی کدورت تھی اور نہ اب ہے۔ حج تک آپ مکہ معظمہ میں قیام فرما رہے ہیں۔ اس کے بعد مدینہ منورہ میں آئے لیکن اور باقی تمام زندگی بوضوئے نبوتیؐ کی مجاورت میں گزار دی۔

یہاں سید سلیمان ندوی کو ایک اور الہام ہوا ہے کہ آپ تمام زندگی اپنی اس
اجتہادی غلطی پر افسوس کرتے رہیں (میرت عائشہ ص ۱۳۲)
جبرانی اس بات کی ہے کہ موتی طور پر اتنی قیمتی و ضخیم شخصیتیں بھی کس طرح بغیر
سوچے سمجھے اس قسم کے فتوے بازی پر تڑپتی ہیں جن کا سر سے انبیل علم
ہی نہیں ہوتا۔

صدیقہ کائنات کے موقف کی صحت پر ان کے خطوط اور خطبات گزشتہ صفحہ
میں بیان ہو چکے ہیں۔ آخر نئی کے دوہرے داماد اسلام کے محسن اور پیرِ حقیقت
خلیفہ اسلام کو بے گناہ قتل کرنے والوں سے قصاص طلب کرنے میں سید صاحب اور
ان کے ہمنواؤں کو کونسی اجتہادی غلطی کا الہام ہوا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب پر رحم فرمائیں
علیہ السلام

حضرت علی کا موقف

مفسر علیؑ

خلیفہ مظلوم کی شہادت کے بعد بلوایچوں نے حضرت علیؑ کو خلیفہ بنایا حضرات
طلحہ و زبیر کی بیعت کا ذکر گزر چکا ہے۔ بلوایچے حضرت سعد بن وقاص کو بکڑ لائے
آپ نے کہا جب سب لوگ بیعت کریں گے میں بھی کروں گا۔ اس کے بعد حضرت
عبد اللہ بن عمرؓ کو بکڑ لائے۔ انہوں نے بھی حضرت سعد بن وقاصؓ کی طرح جواب
دیا۔ اس پر حضرت علیؑ نے کہا اپنا کوئی ضامن پیش کرو۔ حضرت ابن عمرؓ نے
کہا میرا کوئی ضامن نہیں۔ اشتر نخعی نے تلوار بلند کر کے حضرت علیؑ سے کہا مجھے
حکم دیجئے کہ میں اس کی گردن اڑا دوں۔ (طبری ص ۲۵۱ ج ۴)

صحیح تو یہ ہے کہ سیدنا علیؑ کا اپنا کوئی موقف نہ تھا۔ وہ ان سیانیوں کے
ہاتھوں جن کی آپؑ نے سرپرستی قبول فرمائی تھی اور جن کے کہنے پر آپؑ نے خلافت
قبول فرمائی تھی آپؑ نے ان بد طبیعتوں کے موقف کی حمایت میں بصرفہ کا غم کیا
تھا۔ شرح مبسوط میں آپ کا قول ان الفاظ میں مرقوم ہے۔

ولكن كيف لي بقوة والقوم المجلبون علي عبد مشركتهم يملكوننا ولا نملكهم
اور لیکن مجھ میں قوت کہاں ہے اور بلوہ کرنے والی جماعت اپنی قوت پر ہے وہ ہم پر

قابور رکھتے ہیں اور محمد بن ہر قافلو نہیں رکھتے۔
 حضرت علیؓ نے ہاتھ پر خلافت کی بیعت نہ کرنے کی صریح بیوی و بیہ بیان
 کی جاتی ہے کہ انہیں بلوایوں نے خلیفہ بنایا تھا۔ مگر اس کے علاوہ ایک اور وجہ بھی
 تھی۔ حضرت علیؓ کو تحین سے اس عمر تک جلتے والے صحابہ کرامؓ کی انجھی خاصی تولد
 موجود تھی۔ حضرت علیؓ کا بچپن، جوانی اور کبریت کا تمام زمانہ ان کی نظروں کے
 سامنے تھا۔ وہ جانتے تھے کہ آپؐ امور خلافت سے عہدہ برائیں ہو سکیں گے
 اور ان کی قیامتہ شناسی آخر صحیح ثابت ہوئی۔ وہ دراصل آپؐ کے حقیقی خیر خواہ
 تھے۔ وہ آپؐ کو خلافت کی مشکلات و مصائب سے بچانا چاہتے تھے۔ اور ان
 حالات میں جبکہ ملک ایک انار کی شکل اختیار کر چکا تھا۔ کسی طاقت ور ہاتھ
 کی ضرورت تھی۔ فتنہ انگیز گروہ جب چاہتا تھا حضرت علیؓ کو اپنی مرضی کے سامنے
 جھکنے پر مجبور کر دیتا۔ طبری کہتا ہے :

سب بائیت فرقہ حضرت علیؓ کے کوچ کرنے سے پہلے ہی

بلا اجازت بصرہ سے چل دیا۔ حضرت علیؓ نے فوراً ان کے
 پیچھے کوچ کیا۔ تاکہ آگے جا کر لوگوں میں وہ فتنہ نہ پھیلا دیں۔
 حالانکہ حضرت علیؓ ابھی بصرہ میں ہی قیام کرنا چاہتے تھے۔

(تاریخ طبری جلد ۴ صفحہ ۲۴۱)

قتل عثمانؓ کے بعد یہ لوگ اس حد تک سرکش ہو چکے تھے کہ جب چاہتے
 بڑے بڑے جلیل القدر صحابہؓ کی بے عزتی کرنے پر آمادہ ہو جاتے حضرت
 علیؓ جب مدینہ سے رخصت ہونے لگے تو حضرت عبداللہ بن سلامؓ نے ان کے
 گھوڑے کی لگام کا پڑ لی اور عرض کیا اے امیر المومنین آپ مدینہ سے ہرگز باہر نہ جائیے
 خدا کی قسم اگر آپ مدینہ چھوڑ کر چلے گئے تو آپ کبھی واپس نہیں آ سکیں گے اور
 نہ کبھی آئندہ مدینہ دار السلطنت بن سکے گا۔ یہ سن کر سبلی حضرت عبداللہ بن سلامؓ
 کو گالیاں دینے لگے۔

(تاریخ طبری جلد ۴ صفحہ ۱۸۲)

کیا ان حالات میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ حضرت علیؓ کا مدینہ سے نکلنا اصلاح
 احوال کے لئے تھا۔ آپؐ کو تو قاتلین عثمانؓ نے ایک دھال کے طور پر استعمال کرنے

کے لئے مدینہ سے نکالا تھا۔ وہ لوگ مدینہ میں نہیں رہ سکتے تھے۔ اور اگر حضرت علیؓ کے بغیر کوفہ یا بصرہ میں پہنچتے تو ان کے خیموں سے سرالگ ہو جاتے۔ حضرت علیؓ کا مدینہ سے نکلنا صرف قاتلین عثمانؓ کے بچاؤ کے لئے تھا۔

حضرت زبیرؓ سے روایت ہے کہ فتح مکہ کے روز نبی علیہ السلام نے ایک کافر کو باندھ کر قتل کرایا اور اس کے بعد فرمایا آج کے بعد سے کوئی قریشی باندھ کر قتل نہ کیا جائے۔ بجز اس شخص کے جو عثمانؓ بن عفان کو شہید کرے دیکھو اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو پھر تم بھیڑ بکریوں کی طرح ذبح کیے جاؤ گے۔

جمع الفوائد بحوالہ تحفہ کربلا ص ۳

✓ عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ارشاد ہے کہ اگر لوگوں نے خون عثمانؓ کا مطالبہ نہ کیا تو ضرور ان پر آسمان سے پتھر برسائے جائیں گے۔

طبقات ابن سعد جلد ۴ صفحہ ۴۰۰

مگر یہ عجیب تک ہے کہ عثمانؓ کے خون کا قصاص طلب کرنے والوں کو فتنۃ الباغیہ کہا جاتا ہے اور عثمانؓ کے قاتلوں کے موقف کو مہینی برحق ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

یہ وہی عبداللہ بن عمرؓ ہیں جنہوں نے آگے چل کر بخوشی امیر بنیہ کی خلافت پر بیعت کی تھی۔ اور جب واقعہ حرہ میں چند لوگوں نے امیر بنیہ کی دستِ رضی برائیاں بیان کیں تو آپ نے اپنے کنبہ کے لوگوں کو کہا ہم امیر بنیہ کے ہاتھ پر بیعت کر چکے ہیں ہمیں اب ان کے خلاف غدر کا کوئی حق نہیں۔

طبری کہتا ہے کہ حضرات طلحہؓ و زبیرؓ اور بعض دوسرے صحابہؓ نے یہ جبری بیعت بھی اقامتِ حدودِ الہی کی شرط پر کی تھی۔ لیکن بیعت ہو جانے کے بعد جب انہوں نے قصاص کا مطالبہ پیش کیا۔ تو حضرت علیؓ نے بے بسی اور معذوری کا اظہار کرتے ہوئے کہا :

✓ اے میرے بھائیو! میں تمہاری طرح ان امور سے

ناواقف نہیں لیکن ہم اس قوم کا کیا کر سکتے ہیں جو ہماری مالک بنی ہوئی ہے۔ اور ہم ان کے مالک

نہیں۔

تاریخ طبری اردو جلد ۴ صفحہ ۴۴

یہ تھی حضرت علیؑ کی خلافت جسے سید سلیمان ندوی اور مولانا فراہی
بہ حق قرار دیتے ہیں۔ حضرت علیؑ کے جواب سے صاف ظاہر ہے کہ حکومت
میں ان کی حیثیت محض برائے نام تھی۔
خود دنیائے شیعیت آپؑ کی خلافت کا کیسا پوسٹ مارکم کرتی ہے۔

ومن کلامہ علیہ السلام بعد ما یوید بالخلافة وقال لہ قوم
من الصحابة لو عاقبت قوما قوما من اجل علی عثمان فقال یا
اخوانی لست اجهل ما تعلمون۔ وکن کیف لی بقوة والقوم المجلبون
علی جد شوکتہم یمکنونا ولا نملکہم۔ (نہج البلاغت)

اور جناب امیر علیہ السلام کا کلام ہے اس وقت کا جبکہ ان سے خلافت
کی بیعت کی گئی اور ان سے صحابہؓ کی ایک جماعت نے کہا تھا کہ جن لوگوں نے عثمانؓ
پر یلہ کیا تھا اگر ان میں سے ایک ایک گروہ کو سزا دو تو بہتر ہے۔ تو جناب امیر
نے فرمایا کہ اے میرے بھائیو میں ناواقف نہیں ہوں اس سے جو تم جانتے ہو
اور لیکن مجھ میں قوت کہاں ہے اور یلہ کرنے والی جماعت اپنی پوری قوت
پر ہے وہ تم پر قابو رکھتے ہیں اور ہم ان پر قابو نہیں رکھتے۔

(حضرت علیؑ کے اس ارشاد کی تفصیل کیلئے شرح مسیم جلد ۲ دیکھیے)
شرح مسیم میں یہ بھی لکھا ہے کہ جناب امیر کی رائے بدلنے کی وجہ یہ ہوئی۔
کہ اصحاب جناب امیر میں سے ایک گروہ ثالثی مقرر کرنے پر اصرار کرتا تھا کہ اس نے
جناب امیر سے یہ کہا کہ اگر تم ثالث مقرر نہیں کرو گے تو ہم تم کو اسی طرح قتل کر دیں گے۔
جیسے ہم نے عثمانؓ کو قتل کر دیا۔ پس جناب امیر نے اپنی رائے چھوڑ کر انہیں
کی رائے اختیار کی۔

اقول : جب خلیفہ چند مفسدوں کی دھمکیوں سے ایسا ڈرجائے تو اس
سے خلافت کا انتظام کیا ہو سکے گا۔ کثرت فضائل و مناقب دوسری

چیز اور تدبیر جاننا ہی دوسری چیز !

وفات عائشہ کے مولف نے جنگ جمل کے عنوان کے تحت

طبری، ابوالفداء، الامامہ والبیادۃ، روضۃ الصفا، اعظم کوئی، روضۃ الاحباب، شرح ابن ابی الحدید، تاریخ خمیس، استیعاب، مطالب السؤل اور تاریخ الخلفاء کے حوالوں سے جی بھر کر بے پر کی اڑائی ہیں مولف کشف البلیس اسے رفعتی کہتے ہیں۔ ان میں سے تاریخ خمیس، استیعاب اور تاریخ الخلفاء اہلسنت کی کتب ہیں۔ باقی سب کی سب رد و فض کی کتب ہیں۔ تاریخ خمیس کا مولف شیخ حسین بن محمد بن حسن دیاربکری ہے اصل کتاب نایاب ہے۔ رد و فض نے حسب مضمون اس میں حکم و اضافہ سے اپنے مسلک کے مطابق اس کے بعض ابواب سے حوالے دیئے ہیں۔ مولف غیر محقق قسم کا انسان تھا۔

ابوالفداء کتاب کا نام کتاب المختصر فی اخبار البشر ہے دو جلدوں میں بیروت سے طبع ہوئی ہے طب و یالس کا پلندہ ہے۔

استیعاب: مالکی عالم ابن عبدالبر کی تالیف ہے۔ تاریخ میں مولف کا مقام نہایت گھٹیا تھا۔ حافظ صلاح الدین یوسف نے اس پر بڑا جائزہ تحریر کیا ہے۔ تاریخ الخلفاء: جلال الدین سیوطی کی تالیف ہے اور نہایت ذوقی کتاب ہے مجموعی طور پر بیسویں کی تاریخی کتب پر مولانا شبلی نے سیرۃ النبی کے مقدمہ میں بحث کی ہے۔

وفات عائشہ کے ناخذ پر اس سرسری سے تعاریف کے بعد کچھ بیان کرنا محض تبصیح اوقات ہے۔ مگر حیدر باتیں جو اپنے اندر لطافت کی سی کیفیت رکھتی ہیں اور شیعہ ذہنیت کی ترجمان ہیں۔ انہیں بطور تفنن طبع بیان کرنا ضروری ہے۔

۱۔ اس کتاب کا مولف مزار یوسف حسین ہے جسے تمام زندگی ہر طرف سے سوائے دھتکار کے کچھ نہیں ملا۔ اس کی علمی قلیا تریوں اور بار بار منہ کی کھانے کے حادثات کیلئے افادات انگش کا مطالعہ کیجیے۔ خان زادہ غلام احمد مرحوم اپنی زندگی میں اسکی گوشمالی کرتے رہے مگر ان کے مرنے کے بعد اس کے منہ میں لگام دینے والا ابھی تک کوئی سامنے نہیں آیا اور یہ وہی تباہی بکنا چلا جا رہا ہے۔

سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ نے غزوہ احد میں فرمایا تھا کہ تم پر میرے باپ
قرآن۔ ان کے متعلق لکھتا ہے۔ طلحہؓ کی موت یا نکل فرعون کی موت کی تصویر ہے۔
صرف فرق اتنا ہے کہ اس وقت جبرائیل امین نہ تھے ورنہ جواب دیتے۔

جواب بخاری میں موجود ہے جو نبی علیہ السلام نے حضرت زبیرؓ کو مخاطب
کر کے فرمایا تھا کہ تم مظلوم ہاں سے جاؤ گے۔

حضرت علیؓ اور حضرت صدیقہ کائناتؓ کے درمیان کوئی جنگ نہیں ہوئی
تھی یہ چند سبائی منافقین کا بلوہ تھا۔ صحابہؓ ہرگز بلوہ میں شریک نہیں ہوئے
مورخین نے بغیر جرح و تعدیل کے اسے نقل کیا ہے۔ اور ان کا کوئی اعتبار نہیں
ہے۔ صحابہؓ کا لڑنا قرآن کے خلاف ہے۔

اشداء علی الکفار رحماء بینہم (الفتر)

الزمہد کلمۃ التقویٰ وکانوا حتی بہا و آہلہا (الفتر)

جمل و صفین پر تبصرہ

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَمَنْ قَتَلَ
مَظْلُومًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِرَبِّهِ سُلْطٰنًا فَلَا يُصْرِفُ فِي الْقَتْلِ
إِنَّهُ كَانَ مَنصُورًا ۝۵

اور جس جاندار کا مارنا اللہ نے حرام کیا ہے اسے قتل نہ کرنا۔ مگر جائزہ طور پر یعنی
بفتوائے شرعیہ (اور جو شخص ظلم سے قتل کیا جائے ہم نے اس کے وارث کو اختیار
دیا ہے کہ ظالم قاتل سے بدلہ لے) تو اس کو چاہیے کہ قتل کے قصاص میں زیادتی
نہ کرے کہ وہ منصور و فحیاب ہے۔

تمام مفسرین اس بات پر متفق ہیں۔ معاویہؓ ولی عثمان و هو الحق و مع
برہان و حجتہ فی مقابل علیؓ لعدم السلاطۃ المتکمن القہر و الغلبۃ کما
قال اللہ تعالیٰ و لکن اللہ یساط علی من یشاء یکن ان یکن معارۃ
سلطاناً منہ خلافتہ ملوکیۃ۔

مفسرین کے اس قول کو سمجھنے کے لئے کہ امیر المؤمنین سیدنا معاویہؓ سیدنا ذوالنورینؓ کے ولی الدم تھے ان کا شجرہ نسب ملاحظہ کیجئے :

عبد مناف

عبد الشمس

ہاشم

امیہ

عبد المطلب

ابو العاص

حرب

عبد اللہ

سیدنا عفانؓ

سیدنا ابوسفیانؓ

حضرت نبی اکرمؐ

سیدنا ذوالنورینؓ

امیر المؤمنین امیر معاویہؓ

اس مقام پر یہ اعتراض کیا جاسکتا ہے کہ سیدنا علیؓ خلیفہ وقت تھے اور سیدنا معاویہؓ ایک جویہ کے عامل تھے۔ ایک عامل کس طرح خلیفہ وقت سے اس بات کا تقاضا کر سکتا تھا کہ قاتلین عثمانؓ میرے حوالے کیے جائیں۔ مگر اس اعتراض کے جواب میں اس بات پر غور کرنا اشد ضروری ہو جاتا ہے کہ سیدنا علیؓ کی خلافت کا انعقاد بھی ہوا تھا یا نہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ انعقاد خلافت کا حق صرف اہل مدینہ کو حاصل تھا تو اس بات کو بھی پیش نظر رکھنا بھی ضروری ہے کہ اس وقت مدینہ میں صحابہ کرامؓ کی کس قدر تعداد موجود تھی جنہوں نے سیدنا علیؓ کے ہاتھ پر بیعت خلافت کی تھی۔ سیدنا علیؓ کی خلافت کے متعلق ہیں ”مشکوۃ المصابیح جلد ۳“ کے فوائد غزنویہ پر ایک نظر میں بدلائل و ثبوت اس امر پر بحث کر چکا ہوں کہ سیدنا علیؓ کے ہاتھ پر انعقاد خلافت سرے سے ہوا ہی نہیں تھا۔ سیدنا علیؓ اور سیدنا حسنؓ کی برائے نام خلافت کا دور ایک عبوری دور تھا اور حدیث کے یہ کلمات الخلافة بالمدينة والملك بالشام اس پر ثبوت عادل ہیں۔ سیدنا علیؓ نے اپنا مستقر حکومت کو فہ کو قرار دیا تھا۔ حدیث کے کلمات کی روشنی میں آپ کو نہ تو خلیفہ کہا جائے گا اور نہ ہی ملک۔ اس لئے محققین نے سیدنا علیؓ کے دور خلافت کو عبوری دور کہا ہے۔ ان حالات میں جبکہ سیدنا علیؓ خود قاتلین عثمانؓ کے

گھیرے میں تھے اور قاتلین عثمانؓ نے آپ کو اپنی حفاظت کے لئے آڑ کے طور پر خلیفہ بنایا تھا۔
 مگر بائیس صدیقہ کائناتؓ یا سیدنا معاویہؓ نے کسی مقام پر بھی سیدنا علیؓ کی اس رائے نام
 خلافت کے متعلق کوئی ذکر نہیں کیا۔ دینی ثروت و مجد، قیامت و برتری، معادیت و محابیت
 اپنی جگہ مسلم اور لایب اس سے انکار متزاد و بکفر سمجھا جائے گا۔ مگر منصب خلافت کیلئے
 اجماع امت لایب اور لازمی چیز ہے۔ کہا جاتا ہے کہ دلی الدم ہوئے کا حق سیدنا
 ذوالنورینؓ کی اولاد یا ازواج کو حاصل تھا۔ مگر وہ کس عدالت میں اپنا استغاثہ دائر
 کرتے جبکہ سامنے صورت یہ تھی کہ قاتلین نے اپنے بچاؤ کے لئے سیدنا علیؓ کو اپنا
 خلیفہ منتخب کر لیا تھا اور آپ ان کے سامنے بے بس ہو کر رہ گئے تھے۔ ان حالات
 میں طلب قصاص کے لئے کسی قدر اور شخصیت کی ضرورت تھی اور وہ سوائے سیدنا
 معاویہؓ کے اور کوئی شخصیت نہ تھی۔ اور لحاظ برشتہ داری کے انہیں بدرجہ اولیٰ
 یہ حق بھی حاصل تھا اور سیدنا معاویہؓ سے بڑھ کر اہل اہل بیتؓ کو یہ حق پہنچتا تھا۔
 چونکہ وہ صرف تمام امت کی مائیں ہی نہ تھیں بلکہ شہید مظلوم ان کے داماد بھی تھے۔
 واقعات نے ایک گورکھ دھندے کی صورت اختیار کر لی تھی۔ ہر شخص
 اپنے مقام پر ساکت و صامت ہو کر رہ گیا تھا۔

جو نہی حالات میں کچھ ٹھہرا دیا یا اجل صحابہ کرامؓ کی قریب ایمانی نے انہیں جو
 راستہ دکھایا وہی عین اقرب الی الصواب تھا۔ اسی ایمانی بصیرت نے حضرات طلحہؓ و
 زبیرؓ کو سیدہ کائناتؓ کے حضور میں پہنچایا۔ صلح حدیبیہ میں شامل صحابہ کرامؓ کو جو نہی
 خون عثمانؓ کے قصاص کے لئے بیعت رضوان کا واقعہ یاد آیا انہوں نے اس بیعت
 سے عہدہ برائی کے لئے سیدہ صدیقہ کائناتؓ کے حضور میں حاضری کو اولیت دی۔
 معرکہ جمل میں سیدہ صدیقہ کائناتؓ کا موقف بیبی برحق ہی نہیں تھا بلکہ فریضہ تھا۔
 اور اگر یہ اقدام نہ کیا جاتا تو جمہور صحابہ کرامؓ جو ابده ہونے لے بیٹھ جہلائے ج یہ کہتے بھی سننے
 جاتے ہیں کہ حضرت صدیقہ تمام عمر واقعہ جمل پر تاسف کرتی رہیں یہم اس لئے تراشی گئی کہ
 آپ کا موقف غلط ثابت کیا جاسکے مگر اس قسم کے مغویات و سرسجائ کذب کی دانتیاں ہیں۔
 قاتلین عثمانؓ میں چھ سولہ کے چھ سو کو فک کے اور چھ سو مصر کے بلوائی تھے اس تفصیل
 کے لئے میں شہادت ذوالنورینؓ میں تفصیلی بحث کر چکا ہوں سیدنا علیؓ کو خلیفہ بنانے کے بعد

بصری بسرہ پہنچ چکے تھے۔ مسری مسر کا راستہ لے چکے تھے مگر کوئی آپ کے کپ میں موجود
تھے سیدہ صدیقہ کائناتؓ اس حقیقت سے خوب واقف تھیں کہ سیدنا علیؓ بلوائیوں کے
درمیان بے لیس ہو کر رہ گئے ہیں۔ آپ کی مومتانہ فرست نے دیکھ لیا تھا کہ جنگ
سیدنا علیؓ کے ہاتھ نہ مضبوط کیے جائیں گے۔ وہ قاتلین عثمانؓ سے قتل خاص نہیں لے سکیں گے
اور اس کا ایک ہی طریقہ تھا کہ بسرہ کے بلوائیوں کو بے لیس کر دیا جائے اس کے بعد کوئی
بلوائیوں کے گھیرے سے سیدنا علیؓ کو آزاد کرایا جائے یہی وجہ تھی کہ آپ نے بسرہ کا غزوہ
کو سیدنا علیؓ کے ہاتھ پر انعقاد خلافت نہ ہوا تھا مگر سیدہ صدیقہ کائناتؓ سیدنا معاویہؓ
یا حضرات طلحہؓ زبیرؓ یا دیگر صحابہ کرامؓ میں سے کسی ایک کا کسی تاریخ یا سیرت کی کتاب میں
ایک ہلکا سا اشارہ بھی نہیں ملتا کہ ان ذوات قدسیہ کو سیدنا علیؓ کی خلافت سے اختلاف
تھا۔ وہ سب صرف یہ جانتے تھے کہ سیدنا علیؓ کو بلوائیوں کے گھیرے سے نکال کر خون عثمانؓ
کے قتل خاص کے لئے فضا سازگار کی جائے۔ اور سیدنا علیؓ بھی ان حقائق کو خوب سمجھتے
تھے جیسا کہ ان کے اکثر خطابات سے مترشح ہوتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ بسرہ میں فریقین
کی گفت گو فیصلہ کن مراحل میں داخل ہو چکی تھی۔ بلکہ یوں سمجھیے کہ فیصلہ ہو چکا تھا
اور فریقین نہایت امن و سکون سے اپنے اپنے کمپوں میں آرام کی نیند میں تھے۔
قاتلین عثمانؓ نے فریقین کے فیصلہ میں ان کی تلواروں کی دھار اپنے گلوں پر محسوس کر کے
حکے سے صدیقہ کائناتؓ کے کپ پر ملہ بول دیا جس میں حضرت طلحہؓ الخیرؓ اور
خواریؓ رسول حضرت زبیرؓ کے علاوہ سینکڑوں صحابہؓ جنت الفردوس کو سدھار گئے
سیدنا علیؓ نے یہ منظر دیکھا تو بکا رہ گئے۔ کاشکہ میں آج سے بیس سال پہلے مر گیا ہوتا
بائی مفسدہ پر دازہ گردہ کے اس شیخون کو تاریخ و سیرت کی کتب میں جنگ جمل
کا نام سے کرہزاروں صفحات سیاہ کیے جا چکے ہیں حالانکہ یہ سب بکیر فہ کار والی
تھی اور قرآنی ارشادِ اِنہ کان منصوٰراً کی تفسیر کے عملی مفسر ہونے کے
شرف سیدنا حسنؓ کو حاصل ہوا۔ جب انہوں نے سیدنا معاویہؓ کے ہاتھ پر بیعت
کر کے ان کے ہاتھ مضبوط کیے۔

سوال کا جواب صدیقہ کائنات سیدنا ذوالنورینؑ

وفات عائشہؓ کا ۔ مولف اپنی تالیف کے صفحہ ۳۶ پر اپنے روحانی آباؤ
ابدا و مولف کتاب الامتہ والسیاستہ ابن ابی الحدید اعظم کوئی، بدعتہ الصفا اور
روضۃ الاحباب کے حوالوں سے اپنے باطنی سند اس کو صدیقہ کائنات کی زبان یوں
اگلتا ہے: انتہا لغشلا قتل اللہ بغشلا فانتہا قتل کفر۔ اس لغشلا ہیڑی کو قتل
کردنہ اسے قتل کرے یہ کافر ہو گیا ہے۔

”حوالے میں نہایت ابن اثیرؒ بھی لکھا ہے۔ اس جہل کو اس قدر علوم نہیں کہ ابن اثیرؒ
کی کوئی تالیف نہایت نام کی نہیں بلکہ نہایت نام کی کوئی تالیف مرے سے دنیا میں موجود
ہی نہیں۔ اگر اس عجیب نے سفینوں کو دھوکا دینے کے لئے یا اپنی جہالت کی وجہ سے
البدایۃ والہدایۃ کو نہایت لکھا ہو تو وہ حافظ ابن کثیر کی تالیف ہے۔

پھر یہ کلمات کس کے لئے ہیں اس بات کا کوئی سرپرست نہیں۔ اور حجب سیدنا
ذوالنورینؑ شہید ہوئے اس وقت صدیقہ کائنات مکہ میں تھیں۔

صدیقہ کائنات سیدنا ذوالنورینؑ کے مقام سے واقف تھیں۔ آپ نے جو کچھ
وقتاً وقتاً سیدنا ذوالنورینؑ کی شان اقدس میں فرمایا۔ وہ مسلمانوں کی منیر کتب
میں موجود ہے۔

۱۔ صدیقہ کائنات فرماتی ہیں کہ چار دن رسول اللہؐ کے گھر والوں پر بے آب و بارانہ
گذر گئے۔ نبی اکرمؐ نے مجھ سے پوچھا اے عائشہؓ کہ میں سے کچھ آیا۔ میں نے
عرض کیا کہ : اللہ تعالیٰ آپ کے ہاتھ سے نہ دوائے تو کہاں سے آئے گا۔
اس کے بعد حضورؐ نے حضورؐ فرمایا اور اللہ کی تسبیح کہتے ہوئے باہر تشریف لیگئے۔
کبھی یہاں نماز پڑھتے اور کبھی وہاں اور اللہ سے دعا کرتے۔ صدیقہ کائنات
فرماتی ہیں کہ غیسرے پر حضرت عثمانؓ آئے اور پوچھا اے ماں! رسول اللہؐ کہاں
ہیں؟ میں نے کہا بیٹے! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں نے چار
دن سے کچھ نہیں کھایا اور آنحضرتؐ اسی پریشانی میں باہر تشریف لے گئے ہیں۔ یہ

سُن کر حضرت عثمانؓ نے بڑے فوراً واپس گئے اور آگاہوں خرے خرے دانتوں پر لڑائے اور کھال
 ازی ہوئی بکری اور ایک تھیلی میں تین سو درہم لے کر آئے۔ اور مجھے قسم دلائی کہ جب کبھی
 ضرورت پیش آئے مجھے خبر دیجئے۔ کچھ دیر بعد حضورؐ تشریف لائے اور پوچھا میرے بعد
 تم کو کچھ بلا ہے میں نے کہا اے اللہ کے رسولؐ آپ اپنے اللہ سے دعا کرنے لگے تھے اور
 اللہ آپؐ کی دعا رد نہیں کرتا۔ میں نے اس کے بعد تمام واقعہ عرض کر دیا۔ آپؐ یہ سُن کر پھر
 مسجد میں تشریف لیگے اور میں نے سنا کہ حضورؐ اٹھ اٹھا کر دعا کرتے ہیں اے اللہ! میں
 عثمانؓ سے راضی ہو گیا۔ تو بھی اس سے راضی ہو جا۔ اے اللہ! میں عثمانؓ سے راضی ہو گیا۔
 تو بھی اس سے راضی ہو جا۔ (ازالۃ الخفا)

۲۔ صدیقہ کائناتؓ کبیدنا ذوالنورینؑ کے جہا کے متعلق فرماتی ہیں۔ ایک مرتبہ
 حضرت صادقؑ و مصدوقؑ میرے حجرے میں ایک گدی لے پر استراحت فرماتے۔ اور
 بے تکلفانہ کیفیت تھی اپنے حجرے میں جہاں صرٹ مہیاں بیوی ہوں اور حجرہ بھی مختصر ہو۔
 وہاں کی بے تکلفانہ کیفیت تھی اپنے حجرے میں جہاں صرٹ مہیاں بیوی ہوں۔ اور
 حجرہ بھی مختصر ہو وہاں کی بے تکلفانہ کیفیت سے یہی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ شاید نبی
 علیہ السلام کی ساق مبارک کھلی ہو یا پورا جسم اطر و ٹھکا ہوا نہ ہو (موقوف، اطلاع ملی کہ
 صدیق اکبرؑ اذن باریابی کے خواہاں ہیں۔ اجازت ملنے پر صدیق اکبرؑ تشریف لائے۔
 اور نبی علیہ السلام اسی حالت میں استراحت فرما رہے۔ صدیق اکبرؑ نے جو عرض کرنا تھا کیا
 اور رخصت ہو گئے۔ پھر اطلاع ملی کہ فاروق اعظمؑ اذن باریابی کے خواہاں ہیں۔ انہیں بھی
 اجازت ملی تو صدیقہ کائناتؓ نے پیٹھ ایک طرف پھیر لی اور چادر کو درست کر لیا۔ وہ بھی
 تشریف لے گئے تو اطلاع ملی کہ حضرت ذوالنورینؑ حاضر ہوئے ہیں اور اذن باریابی
 چاہتے ہیں۔ حضرت صادقؑ و مصدوقؑ یہ سنتے ہی سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔ کپڑے
 درست کر لئے۔ ساق مبارک ڈھانپ لی اور ساتھ ہی حضرت صدیقہ کائناتؓ کو فرمایا اپنے کپڑے
 اپنے جسم پر اچھی طرح درست کر لو۔ اور دیوار کی طرف منہ کر کے بیٹھ جاؤ۔ اس اہتمام کے
 بعد حضرت ذوالنورینؑ کو اذن باریابی ملا۔ انہوں نے جو کچھ عرض کرنا تھا کر کے
 رخصت ہو گئے۔ تو میں نے حضورؐ سے دریافت کیا کہ صدیق اکبرؑ آئے آپؐ نے
 کوئی اہتمام نہ فرمایا۔ فاروق اعظمؑ آئے آپؐ نے کوئی اہتمام نہ فرمایا۔ مگر یہ کیا خاص

بات تھی کہ حضرت عثمانؓ کے آنے پر اس قدر اہتمام فرمایا۔ حضرت صادق و مسدقؓ نے فرمایا نہ میں معلوم نہیں کہ عثمانؓ غنیؓ زیادہ روں میں سب سے زیادہ حیا دار ہیں۔ مجھے اندیشہ ہوا کہ اگر میں اسی طرح بے تکلفانہ کیفیت میں لیٹا رہا۔ تو وہ اپنے حیا کی وجہ سے جو کچھ کہنے کے لئے آئے ہیں نہیں کہہ سکیں گے۔

عثمانؓ کی وہ شخصیت ہے کہ فرشتے بھی ان سے حیا کرتے ہیں۔ (صحیح مسلم)

۳۔ صدیقہ کائناتؓ فرماتی ہیں کہ حضرت صادق و مسدقؓ نے وفات سے

پہلے ایک دن سیدنا ذوالنورینؓ کو تخلیہ میں طلب فرما کر ان سے چند باتیں کہیں۔ آپؓ کا چہرہ متغیر ہوتا چلا گیا۔ آپؓ کے غلام ابوہریرہؓ نے بیان کیا کہ شہادت سے پہلے سیدنا ذوالنورینؓ نے مجھ سے فرمایا۔ کہ

حضرت صادق و مسدقؓ نے مجھ سے عہد لیا تھا کہ میں صابر رہوں (ابن ماجہ)

۴۔ صدیقہ کائناتؓ فرماتی ہیں کہ حضرت صادق و مسدقؓ نے ایک روز سیدنا

ذوالنورینؓ سے فرمایا کہ اے عثمانؓ اگر اللہ تعالیٰ تم کو اس امت پر خلیفہ مقرر

کرے اور منافق اس بات کی کوشش کریں کہ اللہ تعالیٰ کے ہمتے ہوئے

کرتے کو اتار دو تو تم ہرگز اسے نہ اتارنا۔ یہ کلمات آنحضرتؐ نے تین

بار ارشاد فرمائے۔

۵۔ صدیقہ کائناتؓ کا اثناء ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قسم حضرت عثمانؓ آنحضرتؐ

کے پاس تشریف فرما ہوتے اور آپؐ پر اس حالت میں وحی نازل

ہوتی کہ حضور میرے اوپر اپنی پشت سے مہارا لگائے ہوئے ہوتے

اور حضرت عثمانؓ سے فرماتے لکھو۔

میں اس مقام پر صرف ان پانچ واقعات پر اکتفا کرتا ہوں۔ ورنہ

اس قسم کے بیسیوں واقعات پیش کئے جاسکتے ہیں ان سے اندازہ لگایے کہ

سیدنا ذوالنورینؓ کا مقام صدیقہ کائناتؓ کی نظروں میں کس قدر بلند تھا اور

صدیقہ کائناتؓ سیدنا ذوالنورینؓ کی کس قدر مداح تھیں۔ پہلی روایت سے

کس قدر محبت، خلوص اور صداقت کے جذبات منترشح ہوئے ہیں دوسری روایت

ان روایات کی تائید کرتی ہے۔ جن میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ نبی علیہ السلام کے

کے بعد صدیق اکبرؓ ان کے بعد فاروق اعظمؓ اور ان کے بعد عثمان غنیؓ کا مرتبہ تھا۔ اور اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ حدیث اسی قسم کی دوسری حدیثوں کی طرح خلافت نبوت کی تفسیر ہے جس کا خاتمہ سیدنا ذوالنورینؓ کی شہادت پر ہو گیا۔ اور اس کے بعد بموجب روایت محمد بن علیؓ تمام صحابہ کرامؓ ایک جیسے مقام کے حامل تھے۔ تیسری چوتھی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ صدیقہ کائناتؓ سیدنا ذوالنورینؓ کی شہادت سے باخبر تھیں۔ پانچویں روایت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ صدیقہ کائناتؓ سیدنا ذوالنورینؓ کو کتاب وحی فرما رہی ہیں۔ ان روایات کی موجودگی میں کسی خبیث کے بکواس کی کیا وقعت رہ جاتی ہے۔ بصرہ کے مقام پر سیدہ صدیقہؓ کائناتؓ کا پہلا خطاب اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ سیدہ صدیقہؓ سیدنا ذوالنورینؓ کو شہید مظلوم سمجھتی تھیں۔

وفات وزندگین

”وفات حضرت عائشہؓ کا مولف کسی محمول

رافضی کی کتاب ”حبیب السیر“ کے حوالے سے لکھتا ہے کہ ایک دن معاویہؓ نے عائشہؓ سے کہلا بھیجا کہ آج آپ کی دعوت ہے اور دعوت کا سامان یہ کیا کہ اپنی قیام گاہ میں خفیہ طور پر ایک کنواں کھدوایا۔ اور اس کا منہ نحس دھانسا کہ سے بھر دیا۔ اور اس پر آنسو کی کرسی ڈال دی۔ جب بی بی عائشہؓ اس مکان میں تشریف لائیں تو معاویہؓ نے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ کہ اس پر تشریف رکھیں۔ عائشہؓ قدم رکھتے ہی کنوئیں میں گر پڑیں۔ معاویہؓ نے اس کنوئیں کو چونے سے بھر دیا اور بند کر دیا۔

اس کتاب و داستان کو کائنات بھی معلوم نہیں کہ صدیقہ کائناتؓ کی

وفات ۱۷ رمضان ۵۸ھ مطابق ۱۳ جون ۶۷۸ء کو ہوئی۔

۱۔ امیر معاویہؓ کے متعلق کسی کتاب میں یہ مرقوم نہیں کہ انہوں نے ۵۸ھ کے رمضان میں مدینہ کا سفر کیا تھا۔

۲۔ صدیقہ کائناتؓ کے متعلق کہیں یہ مرقوم نہیں کہ وہ کسی کی دعوت پر

جائیدہ (حبیب السیر کا مولف رافضی تھا رکتشفت ابلیس جلد ۱ صفحہ ۴۴)

کسی کے ہاں بھی تشریف لے گئی ہوں۔

۳۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا کنواں کھدوانا اور اسے خس و خاشاک سے ڈھانک کر اس پر آبنوس و کرسی بچھا کر حضرت صدیقہؓ کو اس پر بیٹھنے کا اشارہ کرنا ایسی ہولناکی ہے جسے معمولی سی عقل کا آدمی بھی تسلیم کرنے کو تیار نہیں۔ معاویہؓ کنواں کھدوا رہے ہیں اور اس پر خس و خاشاک بچھا رہے ہیں یہ باتیں پوشیدہ رہنے والی نہ تھیں۔

۴۔ صدیقہؓ کا اثبات ایک ہی کیوں تشریف لے گئیں۔

۵۔ تشریف لے گئیں تو کیا وہاں صرف امیر معاویہؓ تھے یا اور انسان بھی موجود تھے۔

۶۔ کیا وہ مردوں کے سامنے جا کر کرسی پر بیٹھ گئیں اور امیر معاویہؓ کے ساتھ مستورات نہ تھیں۔ جن کے پاس سیدہ صدیقہؓ جا کر تشریف لے گئیں۔

۷۔ اس زمانہ میں چونا اور آبنوس یہ کذاب داستان کو کہاں سے لایا۔

۸۔ اتنے عظیم واقعہ پر کسی طرف سے کوئی آواز نہ اٹھی۔ لعنة الله

على الكاذبين۔

صحیح واقعات یہ ہیں کہ آپؐ نے مرض الموت میں وصیت فرمائی۔ کہ مجھے جنت البقیع میں دفن کرنا۔ بخاری اور کتاب الجنائز، بخاری الاعتصام بالسنۃ ابن سعد جز ثلثا صفحہ ۵۱)

یہ بھی فرمایا کہ مجھے رات کو ہی دفن کر دینا اور صبح کا انتظار نہ کرنا۔ کسی نے عرض کیا کہ آپؐ بنی علیہ السلام اور حضرت صدیق اکبرؓ کے ساتھ دفن ہوتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا انی اذا لانا المبتدئة لعلى (مولا امام محمد

باب النوادر) اگر ایسا ہو تو پھلا عمل جاتا رہے اور نیا شروع کروں۔ لوگ خیریت پوچھنے کے لئے حاضر ہوتے تو آپؐ فرماتے الحمد للہ

ابھی ہوں (طبقات جلد ۸)

جس رات آپؐ نے وفات پائی۔ مشعلیں روشن کر دی گئیں اور عورتوں کو

اس قدر کثرت تھی کہ عید کا گمان ہوتا تھا طبقات ۱۵) جنازہ میں اتنا جھوم تھا کہ لوگوں کا بیان ہے کہ اس سے پہلے رات کے وقت اتنا مجمع کبھی دیکھنے میں نہ آیا تھا آپ کے انتقال سے لوگوں کو بہت صدمہ ہوا۔ لوگ بے اختیار روتے تھے۔ ام المومنین حضرت ام سلمہؓ کے کانوں میں لوگوں کے گریہ کی آواز پہنچی تو فرمایا عائشہؓ کے لئے جنت واجب ہے۔ وہ رسول اللہ کی سب سے پیاری بیوی تھیں۔ عید کا طیالسی میں ہے کہ ام المومنین حضرت ام سلمہؓ نے فرمایا۔ خدا ان پر رحمت فرمائے کہ اپنے باپ کے سوا وہ آپ کو سب سے زیادہ محبوب تھیں طیالسی مسند ام سلمہ ص ۱۴۷ حضرت ابو ہریرہؓ ان دنوں مدینہ کے گورنر تھے۔ انہوں نے نمازہ جنازہ پڑھا اور قاسم بن محمد بن ابوبکرؓ، عبداللہ بن عبدالرحمن بن ابوبکرؓ، عبداللہ بن عقیق، عروہ بن عبداللہ بن زبیرؓ، محمد بن عبدالرحمنؓ، بھتیجیوں اور بھانجیوں نے قبر میں اتارا۔

(متدرک حاکم علی شرط الصحیح، طبقات ابن سعد ۲۵)
مدینہ میں قیامت برپا تھی کہ آج حرم نبوت کی ایک اور شمع بجھ گئی۔ مسروق تابعی کہتے تھے کہ اگر بعض مصالح مانع نہ ہوتے تو میں ام المومنینؓ کے لئے حلقہ ماتم قائم کرتا (ابن سعد ۲۵)

عید بن عمیر نے ایک شخص سے پوچھا کہ حضرت عائشہؓ کی وفات کا غم اہل مدینہ کتنا کیا۔ اس نے جواب دیا۔ جس جس کی وہ ماں تھیں (یعنی تمام مسلمان) اسی کو ان کا غم تھا (ابن سعد ۲۵)

صدیقہ کائناتؓ کے ترکہ میں ایک جنگل تھا۔ جو سیدہ اسماءؓ کے حصہ میں آیا۔ امیر معاویہؓ نے وہ جنگل تبرکاً ایک لاکھ درہم میں خریدا۔ حضرت اسماءؓ نے وہ رقم عزیز میں تقسیم کر دی (صحیح بخاری ہیئۃ الواحد للجماعۃ)

جن خلیفہ طبع لوگوں نے یہ داستان تراشی ہے کہ امیر معاویہؓ نے حضرت صدیق اکبرؓ میں گرا کر قتل کیا۔ وہ اس بات پر غور کریں کہ سیدہ صدیقہؓ کا ترکہ اگرچہ وہ ایک جنگل تھا۔ امیر معاویہؓ نے تبرکاً خریدا۔

رفض کی کوئی کل سیدھی نہیں۔ وفات عائشہؓ کے مولف سے پہلے اس

ہم تمام علی نقوی جسے اس کے حواری سید العلماء کہتے ہیں اپنی تالیف قبہ وقبور میں
ت عائشہؓ کے مولف کے منہ پر ان الفاظ میں ایک زمانے دار پھر سید
مے جنت البقیع وہ مقام ہے جہاں اصحاب رسولؐ ازواج رسولؐ، اولاد رسولؐ، اقرباۓ
ن، آئیم علم، آئیم دین غرض ہر وہ گروہ جو اسلامی نظر سے معزز ہے اور جس کی عظمت
انوں کے لوح دل پر نقش ہے مدفون ہے (صفحہ ۳۴۴)۔

چند صفحات آگے چل کر ایسے گستاخوں کے لئے جو تا تھام لیتا ہے :-
بالمؤمنین یعنی ازواج رسولؐ کی قبریں اسی بقیع میں تھیں چنانچہ دفن و فوات
ت عائشہؓ نے فرمایا کہ مجھ کو وہیں بقیع میں دفن کرنا جہاں میری اور سہیلیں
آج النبیؐ دفن ہیں۔ چنانچہ اسی وصیت کی بنا پر جناب عائشہؓ بھی عالم وایت
مطابق جنت البقیع میں دفن ہیں (قبہ وقبور صفحہ ۴۶)۔

اس عبارت سے واضح ہوتا ہے کہ صدیقہ کائناتؓ نے وفات سے پہلے اپنی
کی متعلق باقاعدہ وصیت فرمائی اور آپؐ کی اس وصیت پر عمل کیا گیا۔
اور اگر امیر معاویہؓ کے کنوئیں والی بکواس کو صحیح تسلیم کیا جائے۔ تو
ت کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

سوال باب

حضور سید کائناتؐ کی ذات اندس و اطہر کے دامن تقدیس طہارت کو دافدار
ہے انوں کے ازالہ کا منظر تو آپؐ نے دیکھ لیا اور آپؐ کی سیرت مقدسہ کے متعلق چند
اثر پر بھی ایک نظر ڈالتے جائیے۔ آپؐ کی ذات اندس زمانہ بھر کے لئے منفع جو دوسرا
ہے نور ہدی، معدن صدق و صفا، مخزن حکمت و عدالت، مکر عفت و طہارت تھا۔ آپؐ ایک
محبوب حسن انسانیت تھیں تو دوسری طرف جاں نثار فخر انسانیت۔ غرض آپؐ کی کس
فیصلت کو گنا جاسکتا ہے۔

دوسرے | رنگ سرخ و سفید تھا اور خوش رو و صاحب جمال تھیں اسناد احمد ابو اور صبح بخاری
نیک بعدی خالق عظیم کے "لباس" کی سعادت اس بات
ان و عادات | کی منتفی تھی کہ آپؐ کا اخلاقی مرتبہ بھی خلق عظیم کا پر تو ہو۔

سواپ حاصل اخلاق حسنہ، نہایت متجدد، فیاض، قانع، عبادت گزار اور سارے رحم و کرم اور محبت و عفو و ایثار تھیں جب بھی کوئی خاتون نبی اکرم کی خدمت میں کوئی حاجت لکھ کر حاضر ہوتی تو حضرت صدیقہ رضوان کی اعانت اور ستائش کے لئے حضور کی خدمت میں حاضر ہو جاتیں (مسند صحیح بخاری)

غیبت و بدگوئی سے احتراز | آپ سے زیادہ دو ہزار روایات منقول ہیں مگر کسی ایک روایت میں اس قسم کا ہلکا سا اشارہ نہیں ملتا کہ آپ نے کسی کی غیبت یا بدگوئی کی ہو۔

قبول احسان و احتراز | تمام زندگی کسی کا احسان قبول نہیں فرمایا۔ اگر کسی کوئی اتحقہ پیش کیا تو اس کے بدلے میں ضرور کچھ عطا فرمائیں۔

تشیع و دلیری | نہایت شجاع، باحوصلہ، باہمت اور پردہ دل تھیں۔ میدان میں کھڑی ہو جاتی تھیں۔ غزوہ احد کے معرکہ میں جب افراتفری نے دوست دشمن کی تفریق مٹا دی تھی آپ اپنی پیٹھ پر پانی کی مٹیاں لاد کر زخمیوں کو پلاتی تھیں۔ غزوہ خندق میں بے خطر قلعہ سے نکل کر جنگ میں پہنچ جاتی تھیں (مسلم، بخاری، مسند)

جو دو کرم اور سخاوت فیاضی | حضرت عبداللہ بن زبیر کہتے ہیں کہ میں نے اپنے ماں حضرت اسماءؓ اور اپنی خالہ سیدہ عائشہؓ سے

بڑھ کر کسی کو صاحب کرم، فیاض اور سخاوت نہیں دیکھا (عروذ کا بیان ہے کہ ایک بار ستر ہزار کھڑے کھڑے لٹا دی (طبقات ابن سعد) امیر معاویہؓ نے ایک لاکھ درم بھیجا آپ نے تمام سے پہلے سب اللہ کے نام لٹا دیا خود روزے سے تھیں اور روکھی سوکھی رولی سے قطار کیا (مسند شاکر حاکم) کوئی سائل بھی آپ کے دروازے سے خالی ہاتھ نہیں گیا۔

وقت قلبی و خشیت الہی | نہایت رفیق القلب تھیں۔ خوف کے مقام پر معمولی باتوں پر رونے لگتی تھیں دل خشیت الہی اور خ

سے لبریز تھا۔ پردہ کی سختی سے پابند تھیں۔ (صحیح بخاری)

عبادات | تہجد گزار، چاشت کی نماز کی پابند اور اکثر صائم رہیں (طو بخاری)

حج کی شدت سے پابند تھیں (صحیح بخاری)

✓ **علم و فضل** | علم و فضل میں عام عورتوں کا تو ذکر ہی کیا۔ دیگر اہمات المؤمنین بلکہ صحابہ کرام میں سے کسی کو آپ پر فوقیت حاصل نہ تھی امام زہریؒ کہتے ہیں آپ تمام لوگوں میں سے سب سے زیادہ عالم تھیں بڑے بڑے صحابہ آپ سے مسائل پوچھا کرتے تھے۔ عردہ کہتے ہیں میں نے حلال و حرام، عام شاعری اور طب میں آپ سے بڑھ کر کسی کو نہیں۔ زرقانی میں مرقوم ہے کہ قرآن، فرائض، حلال حرام، فقہ، شاعری، طب، تاریخ عرب اور نسب کے فنون میں آپ سے بڑھ کر کوئی عالم دیکھنے میں نہیں آیا۔ زہریؒ کا قول ہے کہ تمام مردوں کا علم اور اہمات المؤمنین کا علم اگر ایک جگہ جمع کیا جائے تب بھی آپ کا علم ان سب سے زیادہ تھا۔

✓ **علم قرآن حدیث** | علم قرآن حدیث میں تمام صحابہ کرام کے مقابلہ میں اپنے سرعت فہم اور ذکا کی خداداد صلاحیتوں کی بنا پر انہیں ہم مقام رکھتی تھیں آپ فی الفور مغرب و صبح تک پہنچ کر جو فیصلے فرماتے ان کے تذکروں سے دینی کتب کے ہزاروں صفحات بھرے پڑے ہیں یہ بات مسلمات کا درجہ رکھتی ہے کہ ایک محرم اسرار سے اس کے احباب کی نسبت اس کی بیوی زیادہ جاننے والی ہوتی ہے۔ نبی اکرم صلیا خداوند معلم اور صدیقہ کائنات جیسی نابغہ دوران بیوی مشغلہ ہو تو اس سے علم اسرار الدین کا کونسا گوشہ نشین رہ سکتا تھا اور پھر اس صوت میں جبکہ قوت حافظہ سے بدجہانم حصہ فر عطا ہوا ہو یہی وجہ تھی کہ آپ نے اکابر صحابہ کرام سے اکثر مقامات پر اختلاف کیا اور حق یہ ہے کہ حق ہمیشہ آپ کے ساتھ رہا۔

ارباب علم و فن سے یہ پوشیدہ نہیں کہ بوسہ سے وضو کا ٹوٹنا، ہتھارہ اٹھانے سے وضو کا ٹوٹنا، عورتوں کا بال کھول کر غسل کرنا، غسل النقا، قروہ کا صحیح مفہوم، عورت کی میت کا غسل، نماز کے وقت عورت کا سامنے آنا، صبح، عصر اور مغرب کی نماز کے اوقات بحالت جنابت روزہ، انظار میں جلدی، قربانی کا گوشت حج میں یاں منڈا کر خوشبو ملنا، حج کے دوران وادی محصب کا قیام۔ بال کا طواف زیور میں زکوٰۃ، یتیم و نابالغ کے مال پر زکوٰۃ، حاملہ کی عدت، بلوغ کے زمانہ میں کسی عورت کا دودھ پینا، رضاغت کی شرط، چوری کے مال کی حد، بیوہ کی عدت وغیرہ مسائل کے اختلاف ہیں آخری فتوے صدیقہ کائنات کے حکم پر ہی دیا جاتا ہے۔

علم کلام و عقائد | اللہ تعالیٰ کے اعضاء اور ربوبیت کے متعلق سیدہ صدیقہ کائنات کا اجتہاد نہایت نکھرا ہوا اور واضح ہے۔ آپ کا مسلک یہ تھا۔

کہ ان امور میں قبل و قال کی گنجائش نہیں۔ جیسا کہ پھر قرآن نے بیان کیا ہے اس پر ایمان لایا جائے اور کیفیت کو اسی حال پر چھوڑ دیا جائے۔

تاریخ عرب جاہلیت کے معاشرتی حالات اور رسم و رواج کے متعلق حدیث کی کتابوں میں جو ذخیرہ موجود ہے ان کا اکثر حصہ سیدہ صدیقہ کائنات کی زبان سے ہی منقول ہے۔ جنگ یثرب کا تذکرہ، آغاز وحی، ابتدائے نبوت، ہجرت کے حالات۔ واقعہ معراج۔ قرآن کی نزول اور کس ترتیب سے نازل ہوا۔ نماز کی صورت، نبی ص کے مرض الموت کی تفصیلی کیفیت، آنحضرت کے کفن کے کپڑے، تدفین کے حالات حضرت صدیقہ کے ذریعے ہی ہم تک پہنچے ہیں بلکہ کما حقہ صدیقہ کائنات کی چھ سال کی عمر کے قابل غور ہیں یہ تو اندرون خانہ کے حالات تھے میدان جنگ کے حالات یعنی غزوہ بدر، غزوہ احد، غزوہ خندق، غزوہ بنو قریظہ کی بعض جزئیات غزوہ ذات الرقاع، فتح مکہ میں عورتوں کی معیت، حجۃ الوداع کے بعض حالات، نبی علیہ السلام کی نشاۃ عبادت اور خانگی مشاغل، آنحضرت کے ذاتی اخلاق کا نقشہ، آنحضرت پر رب سب سخت دن کو نسا گزرا، صدیق اکبر اور فاروق اعظم کی خلافت، سیدنا علی کا لال خاطر آپ کے ذریعے ہی بڑا بات صحیحہ ہم تک پہنچا۔ (بخاری، مسلم)

ادب و خطابت گذشتہ ابواب میں جنگ جمل کے موقع پر حضرت صدیقہ کے خطبات آپ کی نظر سے گزر چکے ہیں آپ نہایت شیریں بیان، فصیح اللسان اور قادر الکلام خطیب تھیں موسیٰ بن طلحہ کا قول ہے کہ آپ سے زیادہ فصیح اللسان میری نظروں سے نہیں گزرا! حنف بن قیس سے روایت ہے کہ میں نے حسن بیان اور متانت میں کسی کو حضرت صدیقہ سے بڑھ کر نہیں دیکھا جس کا گفتار اور فصاحت لسانی کے ساتھ لہجہ میں خشکی، رفعت، طنطنہ اور جلالت ہوتی تھی۔ چنانچہ طبری جیسا رافضی بھی کہتا ہے کہ آپ ایک صاحب جلال خاتون تھیں۔

شاعری سیدنا صدیق اکبر شعر و سخن کے نقاد تھے (مسند مسند رک عالم، اہتمام اصحاب) یہ فن حضرت صدیقہ کو گویا اپنے والد بزرگوار کی طرف سے ورثہ میں ملا تھا۔ نبی علیہ السلام کی خدمت میں ایک بار ابو بکر ندوی کے دو شعر پڑھ کر عرض کیا کہ خفیفی معنوں میں آپ ان شعروں کے مصداق ہیں آپ یہ سن کر مسرور ہوئے۔ ایک دفعہ آنحضرت کی خدمت میں دو شعر پڑھے تو آپ نے آپ کا ماتھا چوم لیا۔ غزوات کے موقع پر صحابہ کرام جو رجزیہ اشعار پڑھتے تھے اور جنگ جمل کے موقع پر آپ کے لشکریوں نے جو رجزیہ اشعار پڑھے سب آپ کو یاد تھے۔ اکثر اوقات بر محل اور ہر موقع جاہلیت کے شعراء کا کلام سند کے طور پر پیش فرمایا کرتے تھے۔

تعلیم آپؐ، نبی اکرمؐ کے ارشاد فیبلغ الشاہد الغائب کی مجسم تصویر تھیں۔
 سیدنا ذوالنورینؑ کی شہادت کے بعد حضرت علیؑ کے چار پانچ سالہ بحرانی دور
 اور اس کے بعد دمشق کے دار الخلافت ہونے پر مدینہ کی مرکزیت سیاسی طور پر ختم ہو چکی
 تھی۔ مگر سیدہ صدیقہؑ کی ذات بابرکات کے علمی فیوض نے مکہ طائف، بحرین، یمن، دار الخلافت
 و دمشق، مدینہ، کوفہ، بصرہ وغیرہ کے تشنگانِ علوم کیلئے مدینہ منورہ کو مرکزیت کا مقام بنا رکھا تھا۔
 اور جو دیوانگانِ دین حرم نبویؐ کی زیارت کیلئے تشریف لاتے تھے وہ دینی ذمہ داریوں و
 برکات سے اپنے دامن بھر کر لوٹتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ یہ تمام مقامات حضرت صدیقہؑ کی خیزی
 اولاد کے اکابرین کا مرکز بنے ہوئے تھے گویا مدینہ منورہ کی علمی مرکزیت سیدہ صدیقہؑ کے شرف
 فضل و مجد کی وجہ سے قائم رہی۔ گویا ابن عمرؓ، ابن عباسؓ، ابوہریرہؓ، زید بن ثابتؓ کی
 مستقل دیگاہیں موجود تھیں مگر وہ لوگ بھی مسجد نبویؐ سے متصل حجرہ نبویؐ کو درگاہِ عظمیٰ
 سمجھ کر حضرت صدیقہؑ کے حضور میں ہی رجوع فرماتے تھے۔ لڑکے، عورتیں، بچے، محرم اور غیر
 اولیٰ الارث حجرہ مبارک کے سامنے مسجد نبویؐ میں بیٹھ کر استفادہ اٹھاتے۔ ہر سال حج کے لئے
 تشریف لیجاتیں اس موقع پر کوہِ حرا اور شہر کے درمیان آپؐ کا خیمہ نصب ہوتا۔ لوگ جوق در جوق
 حاضر ہو کر اپنی علمی مشکلات پیش کرتے اور اگر کوئی آدمی کسی بات کی دریافت سے جھجکتا تو آپؐ
 فرماتیں جو تم اپنی ماں سے پوچھ سکتے تھے مجھ سے بھی پوچھ سکتے ہو (مسند) آپؐ سے علمی استفادہ اٹھانے
 والوں کی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہے مردوں کا ذکر چھوڑیے آپؐ سے علمی استفادہ اٹھانے
 والی خواتین کی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہے۔

افتا گذشتہ صفحات میں سیدہ صدیقہؑ کائنات کی سیرت کی طرف جو چند اشارات
 کئے گئے ہیں۔ ان سے اندازہ ہوتا ہے نبی علیہ السلام کی وفات کے بعد
 چالیس سال سے زیادہ زمانہ فرزندانِ اسلام کے لئے حضرت سیدہؑ کی ذات اقدس کس قدر
 مرجعیت کا مقام رکھتی تھی۔ آپ صدیق اکبرؓ کی خلافت کے زمانہ میں ہی افتاء کا مستقل
 مقام حاصل کر چکی تھیں اور اس کے بعد سیدنا فاروق اعظمؓ اور سیدنا ذوالنورینؑ کی خلافتوں
 کے زمانہ میں باقاعدہ فتوے دیتی رہیں (ابن سعد) سیدنا امیر معاویہؓ اپنی خلافت کے زمانہ میں
 ضرورت کے وقت آپؐ کی خدمتیں خصوصی ایچی بھیجتے جو حجرہ مبارک کے دروازہ پر کھڑا ہو کر
 مسائل دریافت کر کے واپس جاتا (ابن سعد)

صنعت لطیفیت پر صدیقہ کائنات کے احسانات | حضرت صدیقہ کی پوری زندگی ہر ایک

عورت کے لئے مشعل راہ اور شمع ہدایت ہے۔ آپ یہ ثابت کر دکھایا کہ ایک مسلمان عورت پر وہیں رہ کر بچی ملک و ملت کے لئے کس قدر علمی تہذیبی، معاشرتی، معاشرتی، مذہبی، اجتماعی، مدنی، سیاسی، خانگی، پند و نصائح اور تذکیر و غفلت اصلاح و ارشاد اور فلاح امت کے لئے کارنامے انجام دے سکتی ہے آپ کی ذات قیامت تک دختران اسلام کے لئے اسوہ حسنہ ہے۔

عورتوں کو ذیل سمجھنے والوں سے آپ سخت برہم ہو جاتیں اور انہیں اچھی طرح سمجھائیں۔

عالم نسوانی میں صدیقہ کائنات کا مقام و مرتبہ

گزشتہ صفحات میں اس موضوع پر بہت کچھ کہا گیا ہے جن بعض لوگوں نے اپنی ذہنی اختراع سے فاضل و مفضل کے مباحث میں پڑ کر اپنی ذہنی مفلسی کی بنا پر اس قسم کے خیالات کا اظہار کیا ہے کہ خواتین میں فلاں افضل ہے فلاں کا دوسرا نمبر ہے اور فلاں تیسرے نمبر ہے۔ وہ یا تو نبی علیہ السلام کے اس ارشاد سے بے خبر تھے اور یا غیر شعوری طور پر سیاحت سے متاثر تھے۔

ابو موسیٰ اشعری سے روایت ہے کہ حضرت صادق و صدوق نے فرمایا مرد نہیں بہت سے کامل گزے ہیں لیکن عورتوں میں مریم بنت عمرانؑ ایسی زوجہ فرعون کے سوا اور کوئی کامل پیدا نہیں ہوئی اور عائشہؓ کو عورتوں پر اسی طرح فضیلت ہے جس طرح ثرید کو دوسرے ہر قسم کے کھانوں پر۔

حقیقت یہ ہے کہ سیدۃ النساء العالمین صرف اور صرف ام المومنین صدیقہ کائنات حضرت سیدہ عائشہؓ صلوات اللہ علیہا کی ذات اقدس ہے۔

اللہم صل علی محمد بن النبی اللاحی و اتوا جہ امہات المؤمنین و ذہریتہ و اہل بیتہ
کما صلیت علی ال ابراہیم انک حید مجید (ابوداؤد نسائی)

اشتراک

سیرت صدیقہ کائنات کی تالیف کا کام آج سے تقریباً تین سال پہلے شروع ہوا تھا۔ چونکہ اس کے اکثر مباحث عام گھسیٹھی سے بہت کم صرف قرآن اور صحیح احادیث کی روشنی میں قابلِ مذکر کئے گئے تھے اس لئے ضروری سمجھا کہ ملک کی بالغ نظر اور معروف دینی شخصیتوں کی نظر سے گزر جائیں۔ الحمد للہ کہ جن قدآور علمی شخصیتوں کی نظر سے یہ مسودہ گزرا ان میں سے بعض نے اسے وقت کی اہم ضرورت قرار دیا۔ بعض نے پر خلوص جذبات سے داد دی اور ایک آدمی نے

اس کے چند ایک مباحث سے دینی زبان میں اختلاف کیا مگر مجموعی طور پر اس نے بھی سراہا۔

قطع نظر دیگر مباحث کے سیدۃ النساء العالمین صدیقہ کائنات ام المؤمنین محبوبہ محبوب رب العالمین حضرت عائشہ صلوات اللہ علیہا کی عمر شریف بوقت نکاح کے متعلق جیسا کہ کتاب میں تاریخین کی نظروں سے گزر چکا ہے الاسلام میں شائع ہوا تھا اور آخر میں ”صلائے عامہ“ کے بارانِ نکتہ ”اد“ کے لئے ”کا مصرع بھی لکھ دیا تھا۔ تاکہ میرے اس مضمون سے جن احماب کو اختلاف ہوگا۔ وہ ضرور میری غلطیوں سے مجھے آگاہ کریں گے۔ مگر صدائے برخواستہ سوائے صرف دو لفظوں پر مشتمل کارڈ کے۔

البتہ چند دن ہوئے کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی عمر پر ایک تحقیقی نظر نامی کتابچہ کی طباعت کی آواز شنیدہ میں آئی تو اس بات پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ ”سیرت صدیقہ کائنات“ ابھی طبع نہیں ہو سکی۔ ہو سکتا ہے حضرت ام المؤمنین کی عمر کے متعلق میرا خیال غلط ہو۔ تو ابھی اصلاح کا وقت ہے۔ کتابچہ فوراً منگوایا۔ اور برے شوق سے اس کے مطالعہ میں مصروف ہو گیا۔ مگر اسے بسا آرزو کہ خاک نشہ۔

معلوم ہوا کہ حضرت مرتب وہی بزرگ ہیں جنہوں نے میرے الاسلام والے مضمون کی اشاعت پر صرف دو لفظ کہ ”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر کے متعلق تم نے کتنی غلط بات کہی ہے“ لکھے تھے۔ اور جواباً جیٹ عرض کیا گیا کہ نصیح فرادیں تو جواب ندارد۔ البتہ اب کتاب مذکور کے ذریعے موصوف نے مرحوم نے سید سلیمان ندوی کے کندھے پر بندوق رکھ کر چلانے کی زحمت گوارہ فرمائی ہے۔

سید صاحب کے ان مضامین میں جو کچھ بیان ہوا ہے اس کتابچہ کی طباعت سے پہلے ہی میں سیرت صدیقہ کائنات میں لکھ چکا ہوں اور جو فارمین کی نظروں سے گزر چکا ہے۔ چند باتوں کی مزید وضاحت یہاں بھی ضروری سمجھتا ہوں۔

حضرت مرتب کو چاہیے تھا کہ وہ دوستانہ انداز میں مجھے سمجھاتے مجھے ہلا کر میری سنتے اپنی سناتے اور ایک نظریہ پر متفق ہو کر حضور ام المؤمنینؑ کی عمر کے متعلق فارمین کو اس فیصلہ سے آگاہ کر دیتے اور یہ قصہ ختم ہو جاتا۔ مگر موصوف نے یہ نہایت بھونڈی قسم کا طریق کار اختیار کر کے عوام کے ذہنوں کو پریشان کرنے کی طرح ڈالی ہے۔

کتابچہ کے صفحہ اول کی پہلی سطر میں قرآن مجید کی ایک آیت کا جو ٹکڑا لکھا گیا ہے وہی غلط ہے۔ آیت کا یہ ٹکڑا یوں ہے: **اُولَئِكَ مَبَرَّعُونَ مِمَّا يَقُولُونَ**۔ مگر کتابچہ میں سہ پرشد کی بجائے ب پرشد ہے۔ اور و پر جزم کی بجائے ن پر جزم ہے اور ساتھ ہی زبر بھی۔ جو چاہے ”معروف معنوں میں علماء کا علم کرم سزا کرے۔“

سیدہ صدیقہ کائنات ام المؤمنینؑ کا نام مقدس جس سبابت زدہ گھسی پٹی عام روش کے مطابق لکھا گیا ہے۔ کم از کم ایک عالم دین سے ایسی حرکت کا ارتکاب اور وہ بھی اس صورت میں کہ اس کے عین نیچے ایک اہمتی کے نام کے ساتھ محقق عصر بھی ہے اور مؤرخ اسلام بھی۔ حضرت علامہ بھی ہے اور اس کے نام کے بعد رحمۃ اللہ کا لاحقہ بھی۔ مگر سیدۃ النساء العالمینؑ کے اسم مقدس کے ساتھ صرف رضا کی علامت۔ یہاں پورا لفظ رضی اللہ تعالیٰ عنہا لکھنے کی بھی توفیق نصیب نہ ہوئی شاید اس لئے کہ صدیقہ اکبرؑ تو اس مقام پر کام آنے کی نہیں ہیں البتہ سید صاحب سے اپنے ڈھب کا کام لیا جا رہا ہے۔

کتابچہ پر پیش لفظ قلمبند فراتے وقت صفحہ سطر ۱۱ پر ارشاد ہوتا ہے: **حالیہ سالوں میں بعض سطحی قسم کے لکھنے والے حضرات نے سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی عمر مذکور کو پھر تختہ مشق بنایا ہے۔**

ایک عالم دین کے قلم سے اس قسم کی سو فیاض چٹخارہ بازی کا ارتکاب؟ یا للعجب سیدہ صدیقہ کی عمر کے ساتھ تختہ مشق کی جدت۔

جناب مرتب کبھی کسی کے متعلق چٹخارہ کہتے ہیں کہ فلاں معروف معنوں میں عالم نہیں شاید اس لئے کہ وہ زکوٰۃ و صدقات کی روٹیاں توڑ کر معروف معنوں میں علمیت حاصل کرنے کے شرف سے محروم رہا۔ اور کبھی کسی کو سطحی قسم کی تفحیک کا نشانہ بناتے ہیں۔

چلیے تو یہ تھا کہ اخلاقی جرات سے کام لے کر ان سطحی قسم کے لکھنے والوں کو نام بنام قارئین کے سامنے پیش کرتے اور خود ان کے دلائل کا جواب دیتے اس طرح قارئین کے دلوں میں جو غلط تاثر پیدا کرنے کی سعی کی گئی ہے اسے غیر صحافیانہ کہا جائے یا محض اپنی ذات کو قدر آور کر کے دکھانے کا ایک ذریعہ سمجھا جائے۔
۴۔ صفحہ ۵ سطر ۱۳ میں بھی اسی قسم کا تاثر دینے کی کوشش کی ہے۔ آخر حضرت مرتب کھل کر بات کیوں نہیں کرتے۔ حالانکہ اگر موصوف اپنے آپ کو معروف معنوں میں عالم سمجھتے ہیں تو ان سطحی قسم کے لکھنے والوں کے دلائل کا سلسلہ وار جواب لکھیں۔

میں کنا بیچہ کے متعلق کچھ کہنے سے پہلے قارئین کو اپنے متعلق یہ یقین دلانا چاہتا ہوں کہ میں نے آج تک جو کچھ لکھا ہے قرآن و حدیث کی روشنی میں اپنی بصیرت اور وجدان کی رہنمائی اور روشنی میں حق سمجھ کر لکھا ہے مجھے کسی سے سنائش کی تمنا ہے نہ صلہ کی پرواہ۔ اذرنہ ہی میں نے جناب مرتب کی قسم کے ”معروف معنوں“ میں علماء کے حضور میں جبہ سالی کو موجب افتخار یا ذریعہ نجات سمجھا ہے۔ یہ علمی دنیا ہے اس میں ہر صاحب تحقیق کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ قرآن و حدیث کی روشنی میں اپنے علم و یقین کے مطابق مسلمانوں کے سامنے اپنی کاوش تحقیق کو پیش کرے مگر علمی انداز میں قرآن کے پیش کردہ تحقیق کو اپنے ترکش استہزاء کے ناوک تفحیک کا ہدف بنانے کے لئے خود قیچے رہ کر دوسروں کی آڑ میں اپنی شخصیت کو قند آور بنانے کا اب زمانہ مشکل سا ٹھوکیا۔
مضمون کے متعلق کچھ عرض کرنے سے پہلے قارئین کی توجہ چند امور کی طرف مبذول کرنا ضروری ہے۔

سید صاحب کے یہ مضامین ۱۹۲۹ء کے لکھے ہوئے ہیں اور سیرت حضرت عائشہؓ
آپ نے سالہ میں قلمبند کی۔ اور آپ کی وفات سالہ ۱۹۵۳ء میں ہوئی۔ گویا وفات سے
۳۳ سال پہلے سیرت عائشہؓ لکھی گئی اور ۲۴ سال پہلے یہ مضامین لکھے گئے۔

یہ مضامین سید صاحب کے ابتدائی علمی دور کے ہیں۔ سید صاحب کے جاننے
والوں کو خوب معلوم ہو گا کہ سید صاحب اپنے ابتدائی دور میں حضور صادق و
مصدقؐ کے روحانی معراج کے قائل تھے۔ اور کہیں گشتہ ۱۳۹۹ء میں حسامی معراج
کے قائل ہوئے۔

اسی طرح اس کتابچہ کے صفحات ۱۹، ۳۹، اور دیگر متعدد مقامات میں آپ نے
شعب ہاشم کو سبائی اصطلاح کے مطابق شعب ابی طالب لکھا ہے حالانکہ بعد
میں سیرت النبیؐ جلد اول کی تالیف کے وقت مولانا شبلی نعمانیؒ نے جہاں شعب
ابو طالب لکھا تھا۔ سید صاحب نے وہاں اپنے استاد مکرم کے اس ذہول کی اصلاح
کرتے ہوئے حاشیہ میں شعب ہاشم لکھا تھا۔

اور سب سے بڑا کیڑہ سید صاحب نے اپنی عمر کے اس دور میں یہ مضامین
لکھے جب آپ عید منات یعنی ابو طالب کو جس کا کفر مسلمات کا درجہ رکھتا ہے۔
اس کے نام کے ساتھ حضرت کا سابقہ ٹانگے دکھائی دیتے ہیں دیکھئے اسی کت بچہ
کا صفحہ ۳۹ سطر ۸۔

الغرض یہ مضامین اور سیرت حضرت عائشہؓ سید صاحب کے ابتدائی علمی دور کی
تخلیقات ہیں جوں جوں عمر مطالعہ اور تجربہ بڑھتا گیا۔ آپ میں بالغ نظری پیدا ہوتی چلی
گئی۔ کاش کہ آپ اپنے اس ذہول پر بھی نظر ثانی کر سکتے۔

نفس مضمون کے متعلق سید صاحب کا پہلا مضمون کتابچہ کے صفحہ ۵ سے صفحہ ۱۰
تک پھیلا ہوا ہے۔ اس مضمون میں سید صاحب نے ایک عجیب استدلال سے مشکوٰۃ
کے مولف شیخ ولی الدین خطیب کی تالیف الاکمال فی اسماء الرجال پر محاکمہ فرمایا
ہے۔ الاکمال میں مولف نے سیدہ صدیقہ کائنات کی عمر بوقت نکاح سولہ سال
لکھی ہے۔ مگر سید صاحب کو چونکہ علامہ ولی الدین کی یہ تحقیق اپنے موقف کے مطابق
نظر نہ آئی۔ اس لئے نہایت سادگی سے فرماتے ہیں۔ سب سے پہلے یہ معلوم ہونا چاہیے

مضمون نگار ولی الدین صاحب شاید یہ نہیں جانتے تھے کہ یہی ”معمولی طلبہ“ آگے چل کر عظیم علماء بنیں گے اور طالب علمی کے دور میں جوابات ان کے ذہنوں میں راسخ ہو جائیگی ہے۔ وہ عمر کے آخری ایام تک ان کو گمراہ کئے رکھے گی۔ اور وہ لوگوں کو گمراہ کرتے رہیں گے۔

۳۔ خطیب آٹھویں صدی کے آدمی ہیں۔

گویا آٹھویں صدی کا آدمی ہونا اسے پایہ ثقاہت سے گرا دیتا ہے۔ اور چودھویں صدی میں پیدا ہونے والے ثقہ ہیں۔ پھر آٹھویں صدی کے اس مصنف کی تمام تالیفات دریا برد کرنے کے لائق ہیں۔

۴۔ مشکوٰۃ کی تالیف کے بعد یہ رسالہ لکھا گیا۔

اس کا مطلب تو یہ ہے کہ مولف نے عمر کی نچستگی کے دور میں یہ رسالہ لکھا۔ اور مولف کی پہلی تمام تالیفات میں اس کا مقام اہم ہے۔ مگر سید صاحب اس بات سے یہ تاثر دیتا چاہتے ہیں بعد میں لکھی گئی۔ کوئی کتاب پہلی تالیفات کے مقابلہ میں غیر اہم اور ناقابل عمل ہوتی ہے۔ باللجب

آگے چل کر صفحہ ۷ پر اکمال کی بیان کردہ چھ سال والی روایت درج کرتے ہیں اور پھر بڑے معصومانہ انداز میں دریافت فرماتے ہیں کہ ان دونوں میں سے کون سی روایت صحیح ہے ذرا تطبیق تو دیجئے۔

جو سوال سید صاحب نے یہاں پیدا کیا ہے اسی سوال کے استفسار کا حق فریق ثانی کو بھی دیجئے۔

آگے اسی صفحہ پر صحیح بخاری کی چھ سال والی روایت پیش کر کے اس کی تائید میں صحیح مسلم مستدرک حاکم، مستدرک احمد، ابن سعد، استیعاب، اسد الغابہ اور اصابہ کے نام گناتے ہیں۔ ان میں سے حاکم کے فضل پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ مسند کے جامع کے متعلق میں بدلائل و شواہد گزشتہ باب میں ثابت کر چکا ہوں کہ وہ را فضی تھا۔ ابن سعد کا حال معلوم استیعاب اسد الغابہ اور اصابہ انہیں کے خوشہ چین ہیں۔ ان کی جوابات قرآنی شواہد اور روایت پر پوری نہ اُتر سکے قابل قبول نہیں۔ صرف صحیح مسلم کا معاملہ باقی رہ جاتا ہے۔ مگر دیگر قرآن و شواہد کی موجودگی میں اس کا قبول کرنا بھی محل نظر ہے۔

صفحہ ۹ پر لکھتے ہیں :

اس رشتہ کا مقصد نبوت و خلافت کے باہمی رشتوں کا استحکام تھا۔ اور دوسرے حضرت عائشہ کی طبعی ذکاوت و ذہانت سے اسلام کو فائدہ پہنچانا اور عورتوں کے اسلامی تعلیمات کے نشر و اشاعت کا سامان بہم کرنا۔ بحمد اللہ کہ یہ مقاصد عظمیٰ حروف بہ حرف پورے ہوئے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی زندگی اس کی گواہ ہے تاہم یہ نبوت کی وہ استثنائی مثال ہے جس کی پیری مسلمان کو صرف استثنائی ہی صورت میں کرنا چاہیے۔

یہاں سید صاحب نے تجاہل عارفانہ سے کام لے کر اپنی فطانت و ذہانت کے بل بوتے پر قارئین کے سامنے عجیب انداز سے ایک سنگ گراں ٹوٹھکانے کی سعی فرمائی ہے۔ ۱۔ نبوت و خلافت کے باہمی رشتوں کے استحکام کی لم میں جو ہجو بلیغ پوشیدہ ہے وہ دنیا سے رخصت سے درآمد کردہ ہے۔ وہ لوگ بھی یہی بات دہراتے ہیں یعنی ابو بکرؓ نے نایاب بچی کا نکاح نبی علیہ السلام سے محض اپنے مفاد کے لئے کیا تھا۔ میں یہاں ایک حقیقت کے ذریعے اس نکاح کا پس منظر بیان کرنا چاہتا ہوں اور شاید یہ بات ”معروف معنوں میں علمائے کرام“ کی سمجھ میں نہ آ سکے چونکہ یہ ایک ”سطحی قسم“ کے لکھنے والے کے قلم سے لکھی جا رہی ہے۔

قرآن اتری اور ابدی کتاب ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات قدیم ہے اور اس کا کلام بھی قدیم ہے۔ یہ اس کا تخلیقی شاہکار نہیں۔ قرآن ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے بھی کئی ہزار بلکہ کئی لاکھ سال پہلے لوح محفوظ میں موجود تھا۔ اور اراج النبی اس وقت بھی اہمات المؤمنین تھیں۔ اور چونکہ سیدہ صدیقہ کائنات سیدۃ النساء العالمین ہیں نکاح سے پہلے حضور خاتم المعصومین کو چند بار اللہ تعالیٰ کی طرف سے خواب میں دکھائے جانے کا مقصد ہی یہی تھا کہ علم الہی میں وہ محبوبہ محبوبت العالمین ہیں۔ پھر جن ارباب علم و فضل کے تخیل کی قوت پر از صرف رشتوں کے استحکام پر جا کر رک جانے والی ہوان کے تخیل پر از کی آخری حدیں استحکام خلافت تک ہی پہنچ سکتی ہیں۔

طبعی زکاوت و ذہانت سے اسلام کو فائدہ پہنچانا

اس کے جواب میں کوئی بتلائے کہ ہم بتلا بیٹیں کیا۔ کے سوا کیا کہا جاسکتا ہے ایک طرف تو یہ ارباب علم و فضل سیدہ صدیقہ کی کم سنی اور حضور موصوفہؐ کی گڑیاں کھیلنے کی داستانیں ذخیرہ احادیث میں سے پیش کر رہے ہیں۔ اور دوسری طرف حضور موصوفہؐ کی ذہانت و فطانت سے اسلام کو فائدہ پہنچانا دکھایا ہے ہیں اور تیسری طرف انہیں ایک کھلتی ڈری قسم کی لڑکی بتایا جا رہا ہے۔ اور چوتھی طرف اپنے موقف کو تقویت پہنچانے کے لئے اسے استثنائی واقعہ قرار دے رہے ہیں مگر قرآنی استشہاد کی روشنی میں ان ذہنی ورز شوں سے چھٹکارا حاصل کرنے کی طرف توجہ نہیں دی جا رہی۔

صفحہ ۱۷۰۔ ۱۷۱ تک مولوی محمد علی لاہوری مرزائی کا مقالہ ہے جس میں آنجنابی نے صدیقہ کائناتؐ کی عمر شریف بوقت نکاح ۱۶-۱۷ سال کے متعلق سید صاحب کے مضمون کا تعاقب کیا ہے۔

سید صاحب کا دوسرا مضمون صفحہ ۲۱ سے ۵۲ تک پھیلا ہوا ہے۔ اس مقالہ کو اوّل سے آخر تک پڑھتے چلے جائیے۔ لفاظی کی بھرمار۔ چونکہ چنانکہ کی فراوانی۔ ایک واقعہ کی مختلف صورتوں میں تکرار۔ سنین و شہور کی بھول بھلیاں اور ہی گھسے پٹے استدلال پیل اسی کتابچہ کے صفحہ ۳۹ سطر ۵ میں بھی شعب ابوطالب کی سبائی اصطلاح کو استعمال کیا گیا ہے۔ اور اس سے پر لطف یہ کہ اسی صفحہ کی سطر ۵ میں ابوطالب کے نام کے ساتھ حضرت کے سابقہ کی پیوند کاری سی شیعہ شعار کی ترجمانی کی گئی ہے۔

سید صاحب کے اس مقالہ سے اپنے موقف کی تائید میں چند شواہد پیش کیے جاتے ہیں۔

- ۱۔ اپنے موقف کی تائید میں حقائق سے دلچسپ فرار ملاحظہ ہو۔ جب سنین کے لحاظ سے سیدہ صدیقہؐ کی صحیح عمر سے گریز کا کوئی راستہ نہ پایا۔ تو یہ کہنے پر مجبور ہوئے

”سنہ کا حساب اصل نہیں ہے بلکہ عمر کا حساب اصل ہے اور اس سے حساب لگا کر راولیوں نے سنہ بنایا ہے۔ اس لئے آپ سنہ کے حساب میں ترمیم کر سکتے ہیں۔ مگر حضرت عائشہؓ

کی عمر میں ترمیم نہیں کر سکتے۔ (صفحہ ۱۰۰ سطر ۱۰)

مگر سید صاحب اپنے ادیبانہ رنگ میں اپنے تیار کردہ کلمہ کو تسلیم کرنے کے لئے دوسروں کو کیسے قائل کر سکتے۔ یہی کلمہ اُلٹ کر دوسرا فریق اپنے حق میں پیش کر سکتا ہے۔ اس سے سید صاحب یہ رنگ کیسے چھین سکتے ہیں۔

۲۔ اسی صفحہ کی بارہویں سطر میں نکاح کے وقت آپ کی عمر نو سال وانی روایت تسلیم کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔ حضرت ایک مشکور الحافظ کہہ سکتا ہے آگے چل کر صفحہ ۲۴ کی سطر ۹ میں فرماتے ہیں کہ اسود نے ۹ برس کی عمر میں نکاح ہونا بیان کیا ہو۔ ثابت ہو چکا ہے کہ اس سے اس کی مراد رخصتی ہے۔ ”کیا ہی دلربا بیانہ قسم کی دلیل ہے۔ راوی نکاح کہتا ہے اور سید صاحب اس سے مراد رخصتی فرما رہے ہیں۔

۳۔ صفحہ ۲۴ پر علامہ عینی کا بیان ہے۔ ”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہہ میں ہجرت سے دو سال پہلے نکاح کیا اور کہا گیا ہے کہ تین سال پہلے اور کہا گیا ہے کہ دو سال پہلے یا اس کے قریب ثنوال میں نکاح کیا۔ جب وہ چھ برس کی تھیں اور کہا گیا کہ سات برس کی تھیں۔ اور ان کی رخصتی کرائی ثنوال میں واقعہ بدر کے بعد ۲ ہجری میں۔ اور وہ آپ کی صحبت میں آٹھ برس اور پانچ مہینے رہیں۔ اور جب آپ نے (نئی) وفات پائی تو وہ اٹھارہ برس کی تھیں۔ اور سنیچھ سال کی عمر میں وفات پائی۔

علامہ عینی کے اس بیان میں جو امر اور رموز پوشیدہ ہیں یعنی دو سال ، تین سال اور دوڑیڑھ سال کی چھستانی کلام کا حاصل فارمین ”معدوت معنوں میں علماء کرام“ سے ہی دریافت کریں۔ ”سطحی قسم کے لکھنے والے“ ایسی چھستانی کلام کے اسرار و رموز سے کیسے واقف ہو سکتے ہیں۔

البتہ آخری فقرہ میں رخصتی کے وقت دس سال عمر کا تسلیم کرنا ہی غنیمت ہے۔ ۴۔ اسی طرح صفحہ ۲۴ پر علامہ ابن عبدالبر کے اقوال میں بھی کوئی حتمی بات موجود نہیں۔ البتہ سید صاحب نے نتیجہ اخذ کرنے میں وہی سنین اور عمر کا ذکر کر کے اپنے مطلب کی بات پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔

سیدہ صدیقہ کائناتؓ کی عمر کم کر کے دکھانے کے لئے کتنی گھاٹیاں عبور کرنے کی کوششیں کی جا رہی ہیں۔

صدیق اکبرؓ کا ہجرت حبشہ کے لئے ۵ نبوت میں مکہ سے رخصت ہونا مسلمات کا درجہ رکھتا ہے۔ چونکہ صدیقہ کائناتؓ سے بھی ہجرت حبشہ کے متعلق روایات موجود ہیں۔ چونکہ حضور موصوفہ کو اس وقت شیر خوار بچی کی شکل میں دکھانا مطلوب تھا اس لئے سیدہ صدیقہ کو اس روایت کا راوی تسلیم کیا جاتا تو لامحالہ تقسیم کرنا پڑتا تھا کہ وہ اچھی خاصی ہوش و خرد رکھنے والی لڑکی تھیں۔ لہذا یہ لکھنا پڑا کہ

دیکھیے حضرت ابوبکرؓ کو ۵۷ھ رحلت مرتب کو اتنا بھی معلوم نہ ہوگا

کہ وہ ۵۷ھ نہیں بلکہ ۵۸ھ نبوت تھا، میں نہیں بلکہ ۵۹ھ یہاں

بھی ۵۸ نبوت چاہئے تھا، میں سخت تکلیف دی جا رہی ہے۔ اس

سے یہ معلوم ہوا کہ فلما ابتلی المسلمون جب مسلمانوں کو تکلیف

دی گئی سے خواہ مخواہ ۵۷ھ نبوی مراد لینا ضروری نہیں۔ اور اس

لئے اس لفظ سے حضرت ابوبکرؓ کے ارادہ ہجرت حبشہ کی تاریخ

۵۷ھ نبوی معین کرنے پر دلیل حاصل نہیں کی جاسکتی (صفحہ ۳۹)

زیادہ دُور نہ جانیئے صرف فلما ابتلی المسلمون پر غور نہ کیجئے۔ کیا

مسلمانوں پر ۱۳ نبوی میں کفار مکہ نے ظلم شروع کئے تھے اور ابتدائی ۱۲ سال مکہ میں

مسلمانوں پر کفار مکہ نے اپنے ہاتھوں سے چھاؤں کئے رکھی۔ ایک واضح گواہ حقیقت

کو کس قدر یوں سے استدلال کے سہارے جھٹلانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

اب میں تھوڑی سی گفتگو سورہ نجم اور سورہ قمر کے متعلق کر کے اس بحث کو سمیٹنا

چاہتا ہوں۔ سورہ قمر نبوی میں نازل ہوئی۔ اور اسی سورت کی دو آیتوں سے سید اللہ

العالمین کی عمر کے متعلق استشہاد کیا جاتا ہے۔ مگر فاضل مقالہ نگار اس استشہاد کو درست

ثابت کرنے کے لئے فرماتے ہیں۔

کبھی ایک ایک سورت چند سالوں میں متفرق طور سے نازل ہوکر

پوری ہوتی تھی۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ اس آیت کو فلاں مقام پر رکھو۔ اس لئے جب تک یہ ثابت نہ ہو کہ یہ آیت مذکورہ تنہا نہیں بلکہ پوری سورہ قمر کے ایک ساتھ اتری اس وقت تک یہ دلیل تام نہیں ہو سکتی۔ اگر پوری سورہ ایک ساتھ اترتی تو حضرت عائشہؓ سورہ قمر کا حوالہ دینے کے بجائے اخیر کا ایک تنہا آیت کا حوالہ کیوں دیتیں۔ (صفحہ ۴۷-۴۸)

سید صاحب کا ارشاد ہے کہ اس کلیہ کے تحت کہ بعض آیات کے متعلق چونکہ نبی علیہ السلام یہ فرماتے رہے کہ اسے فلاں مقام پر رکھو اس لئے ”گویا یہ ضروری نہیں سورہ قمر کی آخری آیات بھی تمام سورہ کے ساتھ نازل ہوئی ہوں“ اس لئے یہ دلیل ام نہیں بلکہ نام ہے۔

دوسری دلیل میں یہ فرماتے ہیں کہ حضرت صدیقہؓ نے پوری سورہ کا حوالہ دینے کے بجائے چونکہ صرف ایک آیت کا حوالہ دیا ہے۔ اس لئے ”گویا یہ آیت کہیں بعد میں نازل ہوئی ہوگی۔“

حیرانگی اس بات کی ہے کہ ایک غلط بات کو صحیح ثابت کرنے کے لئے کس قدر بے وزن دلائل کا انبار جمع کیا جا رہا ہے۔

سیدہ صدیقہؓ کا ثبات نے چونکہ پوری سورہ پڑھ کر نہیں سنائی اس لئے اس آیت کا موقع نزول مؤخر ہو گیا۔ اور اس موقف کو سہارا مل گیا کہ سیدہ صدیقہؓ نکاح کے وقت گڑیاں کھیلنے والی بچی تھیں۔

اس دلیل کے جواب میں کہ معجزہ شوق القمر کا مانعہ ابتدائی زمانہ کا ہے چونکہ بعد میں آنحضرتؐ شعب ابی طالب (دہی شیعہ اصطلاح) میں محصور ہو گئے تھے صفحہ ۴۹ پر وہی دلیل دہراتے ہیں کہ ایک آیت سے پوری سورت کا قیاس کرنا اور پورے سورہ کے نزول کو متعین کرنا مشتبہ مشکوک اور غیر یقینی ہے۔

آخر میں — عرب میں نکاح صغیر کے رائج کی چند مثالوں میں پسند
ڈھونڈی گئی ہے۔ اور مرقاۃ، ترکمانی علی البیہقی اور احکام القرآن رازی کے حوالہ جات
سے چند نابالغ بچیوں کے نکاح سے استشادات پیش کئے گئے ہیں۔

اگر ان واقعات کو سند کے طور پر تسلیم کرنا محل نظر نہ رہی۔ مگر ان واقعات میں
نکاح کا ذکر ہے۔ یہ بات کہاں سے ثابت ہوتی ہے کہ صغیر سن لڑکیوں کی رخصتی بھی
عمل میں لائی جاتی رہی۔

صفحہ ۵۲ پر واقعہ افک کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ اس وقت حضور موصوفہ
کی عمر بارہ تیرہ سال تھی۔

اول تو واقعہ افک سے افک ہے، جھوٹ ہے، کذب ہے اور افترا ہے
ہے جیسا کہ واقعہ افک کے عنوان کے تحت بیان کیا جا چکا ہے۔ اور دوسرے یہ کہ
نبی علیہ السلام تجربہ کار زمانہ کی سرور گرم چشیدہ از دلج کو چھوڑ کر بارہ تیرہ سال کی
نا تجربہ کار لڑکی کو ایک غزوہ میں ہمراہ لے جاتے ہیں اس اسرار سے معروف معنوں میں
عالم ہی پر وہ اٹھا سکتے ہیں۔ اور اسی افک میں سیدہ بریرہؓ کے یہ کلمات بھی محل نظر ہیں
کہ آپؐ آنا گوندھ کر کھلا چھوڑ دیتی ہیں اور بکری کھا جاتی ہے ان تمام واقعات پر بھی گذشتہ
صفحات میں مدلل بحث ہو چکی ہے۔

آخر میں یہ کلمات پھر دہرا چاہتا ہوں کہ ”سطحی قسم کے لکھنے والوں کے“ اس
قسم کے انکشافات کی طرف اب باہوش مسلمان خود بخود کھینچے چلے جا رہے ہیں۔
اب ”معروف معنوں میں عالم“ مسلمانوں کی حالت پر رحم فرمانے کی زحمت گوارہ
فرما کر اپنے لئے تضحیات کا سامان ہم نہ پہنچائیں۔ اور اہمات المؤمنین صلوات اللہ علیہم
اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ذرات قدسیہ کو اپنی علمیتوں کا تختہ مشق
بنانے کی زحمت گوارہ نہ فرمائیں۔

وَمَا عَلَيْنَا اِذَا الْبَلَاغُ

شیریںور سلطان ٹلیو شہید

وہ دشمنوں سے بھی لڑا اور مارا آئین قسّم دوستوں
 بھی کوئی شخص اس استقلال پامردی بہت شجاعت اور
 حوصلے سے اس قدر لڑائیاں نہیں لڑ سکتا۔
 وہ صرف سلطان ٹلیو شہید تھا جس نے ایک عظیم الشان
 اور بلند مقصد کے حصول کیلئے بے جگری بہادری اور جرات
 اس قدر لڑائیاں لڑیں۔

کسی مرحلہ پر بھی اس کے قدم نہ ڈلگائے نہ غم و ثبات
 میں فرق آیا اور نہ اس کی بہت حوصلہ نے جواب دیا
 شکست خوردہ ہو کر مایوس ہوا نہ فتح مند ہو کر اترا یا اور یہی
 اس کے مخلص اور مومنین ہونے کا ناقابل تردید ثبوت ہے
 اپنے قریبی بٹاں سے طلب کیجئے

بکرا چوک فیصلہ شہید جہلم

فون ۲۸۸۵

کرشن چندر کی لافاانی کتابیں

- آئینے (کیلے ہیں) ————— ۱۵ روپے
- چند کی چاندنی ————— ۱۰
- پیار کی خوشبو ————— ۱۰
- مس نینسی مال ————— ۱۰
- زرگاؤں کی رانی ————— ۶۰۷۵
- ایک عورت ہزار رو آنے ————— ۱۵
- سینوں کے پھول ————— ۱۲۰۵۰
- نظارے ————— ۱۰
- سینوں کے قیدی ————— ۱۲
- لنگ کانگ کی حسینم ————— ۹
- شالو ————— ۱۵

بیک کارنی چوک فیصل شہید فون نمبر ۲۸۸۵۰۲۸۸۵

مصنّف کی دیگر تصانیف و تالیفات

- اختلاف اُمت کا المیہ ۱۹۶۹ء
- بنات الرسول ۱۹۷۱ء
- واقعہ کربلا ۱۹۷۳ء
- شہادت ذوالنورین ۱۹۷۵ء
- مشکوٰۃ المصابیح کے فوائد غزنویہ پر ایک نظر ۱۹۷۶ء
- اہل حدیث حقیقی معنوں میں اہلسنت والجماعت ہیں ۱۹۷۷ء
- سلطان ٹیمپوشیہ ۱۹۷۸ء
- حقیقت مذہب شیعہ ۱۹۷۰ء
- مقام عجاہ ۱۹۷۲ء
- عزت رسول ۱۹۷۴ء
- امیر المؤمنین مران بن الحکم ۱۹۷۷ء
- سرزمین پاک راجوری ۱۹۷۸ء



مقدمات، تقاریر و تعلیقات

- التفقہ فی الدین
- افادات جنگش
- انبیاء کی دعائیں
- اہتات المؤمنین
- مودودی صاحب کی غلط بیانیوں کا جواب

ملنے کا پتہ

حکیم فیض عالم صدیقی جامع الہدیت محلہ مسٹر یاں حلیم

کیمیائے سعادت

کتاب کو روکا اور
پہلا نورا

امام ابو حامد محمد الغزالی رحمۃ اللہ علیہ

علائقہ قلم سے

کم قیمت میں دلچسپ اور عمدہ ادب

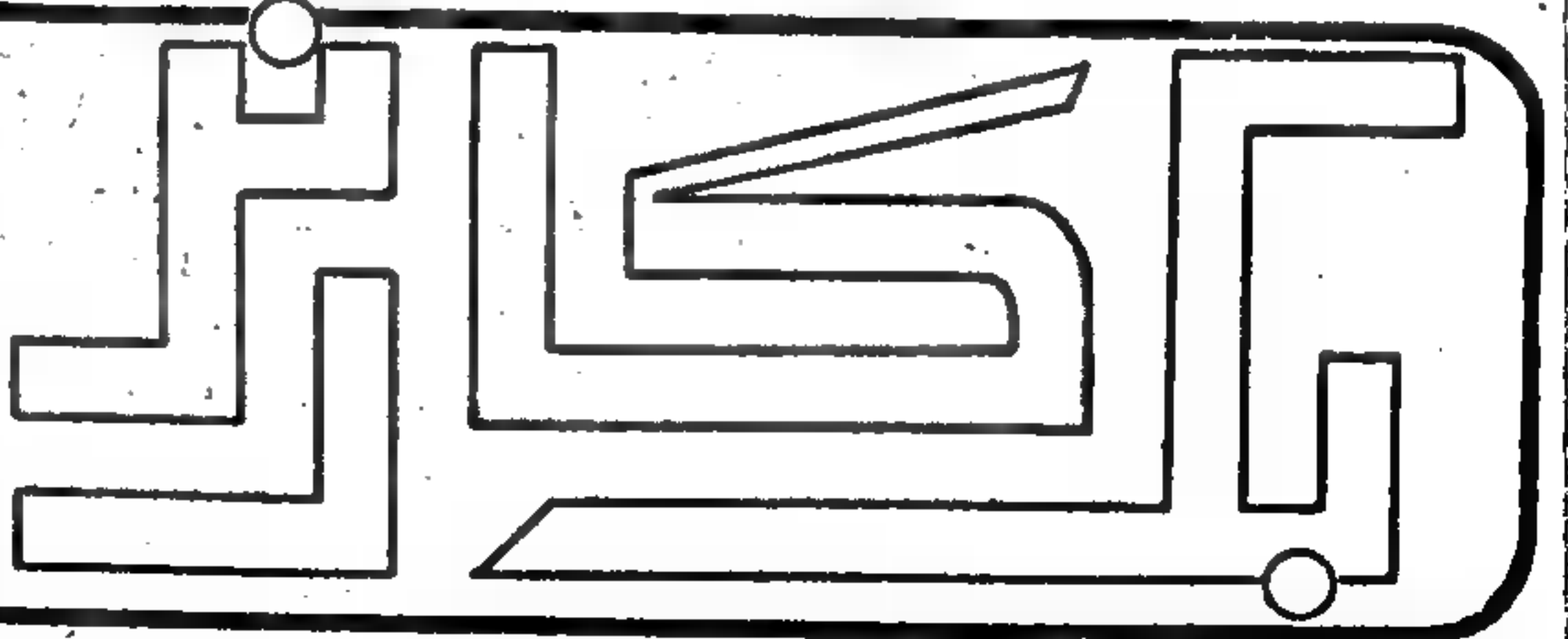
آج ہی طلب فرمائیں

پبلشرز بک سٹورز

فون نمبر ۲۸۸۵

چوک فیصلہ شہید

بازار کلاں جہلم پاکستان



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
 بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
 بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

صدیقہ کارنامات

یعنی

مُ الْمُؤْمِنِينَ سَيِّدُهُ كَانَتْ حَضْرَتُ عَائِشَةَ صَدِيقَةً رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا

حالات زندگی، تفقہ فی الدین میں آپ کا مقام اور قرآن و حدیث کی روشنی میں ان دسیہ کاریوں اور غلط فہمیوں کا ازالہ جو اسلام دشمن تحریکوں کی جانب سے اہل المؤمنین کی ذوات قدسہ کے خلاف ایسے منظم طریقوں سے شہر کر کے بار بار دہرائی جاتی رہیں کہ سادہ لوح اہل سنت کی اکثریت نے ان افتراء پر دازیوں کے ماعلیہ و مالہ سے غصن لہیر اور صرف نظر کرتے ہوئے انہیں حقیقت سمجھ کر اپنے دینی سرکاریہ کا ایک حصہ بنا لیا۔

حکیم فیض عالم صدیقی

فہرست مقدمات و تقاریر

عنوانات

فہرست مضامین	فہرست مضامین
مولف کے حالات - منقول از شاہکار انسائیکلو پیڈیا قسط ۳۰ صفحہ ۱۲۱۸ -	مولف کے حالات - منقول از شاہکار انسائیکلو پیڈیا قسط ۳۰ صفحہ ۱۲۱۸ -
تشکر و اعتراف	تشکر و اعتراف
گزارش احوال واقعی : از قلم پروفیسر ڈاکٹر محمد اسلم ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی	گزارش احوال واقعی : از قلم پروفیسر ڈاکٹر محمد اسلم ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی
تقریظ و معارف : از قلم السید شہداء الحق صدیقی ایم۔ اے۔ علیگ ..	تقریظ و معارف : از قلم السید شہداء الحق صدیقی ایم۔ اے۔ علیگ ..
تقریظ و مقدمہ : از قلم مولانا السید ابوالحسین محمد عظیم الدین صدیقی -	تقریظ و مقدمہ : از قلم مولانا السید ابوالحسین محمد عظیم الدین صدیقی -
تعارف کتاب : از قلم مولانا السید طاہر المکی	تعارف کتاب : از قلم مولانا السید طاہر المکی

فہرست مضامین سید النساء عا لہ صدیقہ کائنات ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ

عنوانات

ابتدائیہ

اپنی عظیم ماں کے حضور میں - دیباچہ - تاریخ و سیرت زلیسی کے ماخذ و آداب - حدیث کے بعد دوسرا درجہ تاریخ کا ہے - قرآن و حدیث سے تاریخ کا تقابل

پہلا باب

ام المومنین صدیقہ کائنات - شجرہ نسب شادی - صدیق اکبر کی ہجرت حبشہ صدیقہ کائنات مدینہ پہنچتی ہیں - سیدہ زینب صلوات اللہ علیہا (حاشیہ) صدیقہ کائنات کی علالت تعلیم و تربیت - باطنی تعلیم، علوم دینیہ - ازدواجی زندگی - سیدہ صدیقہ سے محبت کی وجہ اثاث البیت - افراد خانہ - کھانا پکانے کا اہتمام - نبی اکرم کیساتھ دلربا یا نہ محبت کے منظر

دوسرا باب

سیدہ کائنات کی عمر بوقت نکاح

فیض عالم صدیقی (شاہکار اسلامی انسائیکلو پیڈیا قسط ۳۰ صفحہ ۱۲۱۸)

ممتاز محقق عالم دین اہل قلم اور تحریک آزادی کشمیر کے سرگرم رہنما ۱۸ اپریل ۱۹۹۸ء کو فتنہ منشا فات اہل
 مفروضہ کشمیر میں پیدا ہوئے والد کا نام قاضی دین محمد تھا جو علاقے کی معروف شخصیت تھے۔ ابتدائی
 تعلیم فتنہ منشا میں حاصل کی۔ مزید تعلیم پنجاب میں حاصل کی۔ قرطاس و قلم سے تعلق بڑی چھوٹی عمر میں ہی ملا۔
 چنانچہ اسی دوران آپ نے کشمیر کے جرائد چاند حق جاوید۔ پاسبان۔ ملت جوہر اور الا صدیق
 وغیرہ میں لکھنا شروع کیا تھا۔ بعد میں یہ سلسلہ آپ کی سیاست کے باعث منقطع ہو گیا۔ ۱۹۳۶ء میں
 آپ فرج میں بھی بھرتی ہوئے تھے۔ اس دوران آپ کو مزائیت اور عیسائیت کا بھرپور مطالعہ کرنا
 کا موقع مل گیا۔ کچھ عرصہ آپ ضلع کھٹوعہ میں جو ہندوؤں کا مرکز تھا مدرس تعلیمات ہوئے وہاں ہندو
 مذہب کا پورے انہماک کے ساتھ مطالعہ کیا۔ انہی دنوں مسلم کانفرنس کے احیاء اور مسلم کانہ کی تائید
 میں سینکڑوں مقالات لکھے۔ طب میں آپ نے زبردست مہارت حاصل کی۔ ۱۹۴۲ء میں الہ آباد
 سے ادیب کامل اور ۱۹۴۵ء میں پنجاب سے فاضل فارسی کی ڈگریاں حاصل کیں۔ اسی طرح طب میں
 حکومت کی طرف سے درجہ اول کے سند یافتہ طبیب ہیں تقسیم ملک کے وقت ہجرت کر کے پاکستان آ گئے
 معروف کشمیری رہنما چوہدری غلام عباس کے ختمہ خصوصی کی حیثیت سے کام کرنا شروع کر دیا ان کے خاص
 انہماک سے چوہدری صاحب بہت متاثر تھے۔ ان سیاسی ہنگاموں کے باوجود دینی خدمت سے غافل
 نہیں رہے اور محض توکل علی اللہ دھریا لہ جالب ضلع جہلم میں ایک بڑی جامع مسجد اور ایک دارالعلوم
 کی بنیاد رکھی بعد میں آپ کو یہ قصبہ چھوڑنا پڑا یہاں سے مولانا جہلم کے محلہ مستیراں آئے اور ہاں مسجد پرست
 مولانا فیض عالم ایک عالم و زاہد ہونے کے علاوہ ادیب بھی ہیں مولانا اتحاد بین المسلمین کے
 خواہشمند ہیں لیکن ایک محقق ہونے کے ناطے سے عظمت مقام صحابہ کے شدت سے قائل ہی نہیں زبردست
 ہیں اسی جذبہ کی بنا پر بعض دفعہ انکی تحریر سلف صالحین کی روشنی سے نہایت جاتی ہے لیکن اس کے باوجود مسئلہ
 موثر انداز میں سمجھانے کے باہر ہیں۔ ان کا طرز تحریر منفرد ہے اور اس میں شدت بھی پائی جاتی ہے تحقیق کے
 میں انہوں نے بڑے نازک مسائل پر قدم اٹھایا ہے روافض و سیائیت ان کا خصوصی موضوع ہے اس پر
 نے سینکڑوں مقالات لکھے ان کی باقاعدہ تصنیف اختلاف امت کا المیہ ۱۹۶۸ء میں شائع ہوئی تھی
 تو گویا فکر و نظر کے ساکن تالاب میں تھوچ پیدا ہو گیا اور معلوم ہوا کہ حکیم صاحب جابہ تقلید کا جواب دینا
 سے اتار دیا ہے۔ ان کی کتاب کا حصہ دوم روافض کے رد میں ہونے کی وجہ سے سابقہ حکومت نے
 تھا۔ ان کی تصنیفات میں مقام صحابہ واقعہ کربلا، عترت رسول، بیات رسول، شہادت ذوالنورین، شہادت
 شریف کے نوادر غریبہ پر ایک نظر خلیفہ مروان بن الحکم سلطان طینیو۔ افادات شگش مخضر تاریخ

تشر و اعتذار

مواضع شہادت و التورین اور عزت رسول کے طبع ہونے سے پہلے میری کسی تالیف کوئی آگاہ نہ ہو سکا مگر سیرت صدیقہ کائنات کا معاملہ وارتگی محبت کی پہنائیوں سے گزر کر عقیدت و احترام کی سرحدوں سے بھی ماوراء تھا اور پھر مزید یہ کہ بعض مباحث ٹھوس حقائق و ثوابد کی روشنی میں قلمبند کرنے وقت معلوم ہوا کہ حضرت صدیقہ کائنات کی ذات اقدس کے متعلق سیرت کی کتابوں میں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ سراسر اغیار کی ذہنی کاوشوں کا چرہ ہے۔

اس لئے حضرت محسوس ہوئی کہ حیدر ارباب علم و فضل کو مسودہ دکھالیا جائے چنانچہ یہ مسودہ بیسیوں صاحبان علم و فن کے ہاتھوں میں سال بھر گردش کرتا رہا۔ اور جب میرے پاس واپس پہنچا تو حضرت صدیقہؓ کے حضور میں نذرانہ عقیدت پیش کرنے والوں کی طرف سے تقاریر و مقدمات کا جو ذخیرہ ہمراہ لایا وہ اصل کتاب سے بھی ڈیڑھ گھنٹہ تھا۔ جن میں سے پرنسپل ڈاکٹر محمد اسلم بی۔ ایچ ڈی صدر شعبہ تاریخ پنجاب یونیورسٹی، الشیخ الانانہ فیصل البیاضین مولانا محمد عظیم الدین صدیقی صدر مجلس عثمان غنیؓ کورنگی کراچی عزیز مکرم علامہ الشیخ طاہر المسکیٰ ناظم آل پاکستان سنی کونسل کراچی اور الشیخ المکرم شتار الحق صدیقی ایم۔ اے علیگ کی تقاریر و مقدمات ہی شامل اشاعت ہو سکے ہیں۔

مجھے اس بات کا نہایت افسوس ہے کہ باوجود انتہائی خواہش کے چند نہایت اہم بزرگوں اور خصوصی احباب کے حوصلہ افزا کلمات اپنی بد نصیبی اور تنگ دامانی کی وجہ سے شامل اشاعت نہ کر سکا۔

سیرت سے صدیقہ کائنات کے متعلق فیصلہ کرنا قارئین کا کام ہے کہ میں سیدۃ النساء العالمینؓ کے حضور میں یہ حقیر سا نذرانہ عقیدت پیش کرنے میں کس حد تک کامیاب ہو سکا ہوں۔ میں نے کوئی بات بغیر کسی ٹھوس ثبوت یا حوالے کے نہیں لکھی۔ ذمہ داریوں میں کھٹے ہوئے اسلام دشمن غبی نظریات کے حامل اگر خالی الذہن ہو کر انصاف کی نظر سے مطالعہ کریں گے تو یقیناً یہ اختیارات میں حیران کی سعی و کاوش کی داد دیتے ہوئے دست بدعا ہوں گے اور میں دست بدعا ہوں کہ اللہ العالمین میری اس ناچیز سی کوشش کو قارئین کیلئے واجب بات اور میرے لئے نذر عاقبت بنا۔ آمین !

گذشتہ احوال واقعی

سب یہ ہماری بڑی بد نصیبی ہے کہ ہماری تاریخ کے ابتدائی دور کے انتیس مورخوں میں سے کتنے مورخ سبائی پر دستِ اُست سے متاثر اور عجمی ذہنیت رکھتے تھے اور عہد رسالت خلافت راشدہ اور عہد نبو امیہ کی تاریخ لکھتے وقت اپنی اسلام دشمنی اور عربوں سے نفرت کو کوشش کے باوجود چھپا نہیں سکے۔ ان مورخوں نے قرآن مجید کی تعلیمات کو مسخ کرنے کی انتہائی مذموم کوشش کی ہے اور وہ ہتیاں جن کا تزکیہ نفس اور تعلیم و تربیت معلم کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے کی، ان کے بارے میں ایسی بے سرو پا روایات تاریخوں میں شامل کر دیں کہ ان کی سیرت اور کردار مشکوک ہو کر رہ گئے۔ اسلام دشمن عجمی منافقین نے خیر القرون کی جو تاریخیں مرتب کی ہیں ان میں انہوں نے یہی تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ قرآن مجید جس معاشرے کا داعی ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وہ معاشرہ پیدا کرنے میں ناکام ہے۔ گزشتہ تیرہ صدیوں سے ہمارے روایت پرست علماء اور دنیا و مافیہا سے بے خبر خطباء و فصحاء اور کذاب راویوں کی روایتوں اور عجمی مورخوں کی تاریخوں پر اعتماد کر کے غیر شعوری طور پر اکابر صحابہؓ کی کردار کشی کر رہے ہیں۔ میری یہ دیانتدارانہ رائے ہے کہ ایسی تمام تاریخیں اور تذکرے جو کتب خیرامۃ اخرجت للناس کے الہامی فیصلے کے خلاف ہوں وہ شہر کے سب سے زیادہ گندے نالے ہیں پھینکنے کے لائق ہیں۔

ابن دنفز بے معنی عرق مئے نابا ولی

مجھے یہ سمجھنے سے مسرت محسوس ہوتی ہے کہ گزشتہ چند سالوں میں بعض رد و مناد اور روشن دماغ علماء اور فضلا نے تاریخ اسلام کی طرف خصوصی توجہ مبذول کی ہے اور انہوں نے عجمی منافقوں کی لکھی ہوئی تاریخوں کو قرآن پاک کی تعلیمات کی روشنی میں پڑھنے کی کوشش کی ہے اور ان کی سعی و کاردش سے جو حقائق ہم کے سامنے آ رہے ہیں ہم ان پر بجا طور پر فخر کر سکتے ہیں۔ مجھے اس پر بے حد مسرت ہے کہ میرے فاضل دوست محقق اسلام حبیب حکیم فیض عالم صدیقی نے صدیقہ کائنات معلّمہ امت ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی سیرت مقدسہ پر ایک بلند پایہ کتاب تصنیف کی ہے۔ ہمارے نام نہاد علماء اور ارجل خطباء نے گزشتہ تیرہ سو برسوں میں مسلمانوں کو ان کی عظمت اور مقام سے جان بوجھ کر بے خبر رکھا ہے۔ میرا

یہ ایمان ہے کہ حضرت حوا علیہا السلام سے لیکر قیام قیامت پیدا ہونے والی کوئی عورت
ام المؤمنین صدیقہ کائنات رضی اللہ عنہا کی ہمسری نہیں کر سکتی۔

غیر مسلم مؤرخوں اور یورپ کے مذہبی راہنماؤں نے نبی علیہ السلام کے تعداد ازدواج
پر جو اعتراضات کئے ہیں ان کا ہم نے ہمیشہ ہی جواب دیا ہے کہ آنحضرتؐ نے اپنی جوانی
ایک عمر خاتون سیدہ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے ساتھ گزار دی اور ہجرت کے بعد جب
ان کی عمر تریپن برس سے تجاوز کر چکی تھی تو انہوں نے چند بے سہارا خواتین سے نکاح فرمائے
اگر حضورؐ کو معاف اللہ زیادہ شادیاں کرنے کا شوق ہوتا تو آپؐ جوانی میں ایسا کرتے۔ قارئین
کرام کو یاد ہو گا کہ جب رحمت عالمؐ نے مکہ کے جنگل میں صدائے نوحید بلند کی تو قریش مکہ
نے کہا کہ آپؐ ان کے معبودوں کو بُرا کہنا چھوڑ دیں اور اس کے بدلے عرب کی بادشاہت اور
عرب کی حسین ترین عورت آپؐ کی خدمت میں پیش کر دیں گے۔ حضورؐ نے ان کی پیشکش
پر فرمایا کہ وہ ان کے ایک ہاتھ پر سونج اور دوسرے پر چاند لاکر رکھ دیں تب بھی میں خدائے
وحدہ لاشریک کا پیغام ان تک پہنچانے سے باز نہیں رہ سکتا۔ اگر شارع علیہ السلام کو
دنیاوی زندگی ہی پسند ہوتی تو آپؐ صنادید مکہ کی اس پیشکش کو قبول کر لیتے غیر مسلموں
کے اس اعتراض کا جواب ہم ان الفاظ میں دیتے ہیں کہ حضورؐ نے تریپن برس کی عمر کے بعد
جو نکاح فرمائے ان کی غرض وغایت یہ تھی کہ آپؐ عورتوں کی ایک ایسی جماعت تیار کرنا چاہتے
تھے جو عورتوں کی تعلیم و تربیت کر سکتی۔ مدینہ منورہ کی عورتیں جو شرم و حیا کی پیکر تھیں۔ حضورؐ
علیہ الصلوٰۃ والسلام سے براہ راست نسوانی مسائل پر گفتگو نہیں کر سکتی تھیں۔ اس لئے وہ
ایسے نازک معاملات میں اہلالتائیں کی طرف رجوع کرتی تھیں اگر وہ مسائل حضورؐ کی ازواج
مطہراتؓ کو معلوم ہوتے تو وہ انہیں بتا دیتیں۔ یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ جو مسئلہ ایک
بیوی اپنے خاوند سے دریافت کر سکتی ہے وہ ایک بیٹی اپنے باپ سے نہیں پوچھ سکتی۔ یہی
وجہ ہے کہ حضورؐ کی بیٹیوں سے نسوانی مسائل فروغ نہیں ہیں۔ کیونکہ ایسے مسائل ہیں وہ
خود بھی اہلالتائیں کی محتاج تھیں۔ جہاں تک عورتوں کے مسائل کا تعلق ہے۔
اہلالتائیںؓ اور خاص طور پر سیدہ صدیقہ کائناتؓ ان مسائل پر آخری سند سمجھی جاتی
تھیں اور اگر صحابہؓ بھی ایسے مسائل میں ان ہی کی طرف رجوع کیا کرتے تھے۔ مخبر صادقؑ نے
سیدہ صدیقہ کائناتؓ کے بارے میں یوں نہیں فرمایا تھا کہ انہیں دوسری عورتوں پر ایسی فضیلت

حاصل ہے جیسی خرید کو عام کھانوں پر۔

حضرت صدیقہ کائناتؓ فرماتے ہمعصروں میں قرآنی آیات کی نشان نزول اور قرأت کی بڑی ماہر سمجھی جاتی تھیں ام المؤمنینؓ فرماتی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم شب کے آخری حصے میں نوافل میں لمبی لمبی سورتیں پڑھنے کے عادی تھے اور اکثر ایسا ہوتا کہ موصوفہ وضو کر کے آپ کے پیچھے کھڑی ہو جاتی تھیں۔ حضرت صدیقہ کائناتؓ فرماتی ہیں کہ وہ صاحب وحی کے اس وقت قرآن سناتی تھیں جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صاحبزادیاں اپنے اپنے گھروں میں آرام فرما ہوتی تھیں۔

حضرت صدیقہ کائناتؓ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خلوت و جلوت میں دیکھا تھا۔ اور یہ وہ شرف ہے کہ جس میں آنحضرتؐ کی ازواج مطہراتؓ کے علاوہ اور کوئی ان کی ہمسر نہیں کر سکتا۔ آپ چونکہ جوان تھیں اور ان کا حافظہ باقی ازواج مطہراتؓ کی نسبت تیز تھا اس لئے انہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ۲۲۱۰ حدیثیں ازبر تھیں۔ ان میں زیادہ تر حدیثیں ایسی ہیں جن پر غور توں کے مسائل اور احکام شریعت کا دار و مدار ہے۔ یہ درست ہے کہ آپ کے روایت حدیث میں ربانچ چھ صحابی بازی لے گئے ہیں۔ لیکن حضور محمد وجہؐ کو یہ امتیاز حاصل ہے۔ کہ موصوفہ محض حدیثوں کی راوی ہی نہیں بلکہ مجتہد بھی ہیں۔ امام شعرانیؒ نے اپنی شہرہ آفاق تصنیف "المیزان" میں انہیں صاحبہ مذہب تسلیم کیا ہے۔ تمام ائمہ اہل سنت اور فقہائے کرام ان کی علمی استعداد کے قائل ہیں اور امام عظیم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول تو زبان زدِ خدا ہے کہ وہ غور توں کے مسائل میں ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے فتوے پر فتویٰ نہیں دے سکتے۔ کیونکہ ان کے مسائل میں ام المؤمنین ہی آخری سند سمجھی جاتی ہیں۔

حضرت صدیقہ کائناتؓ کے تمام سیرت نگار اور محدثین اس بات پر متفق ہیں کہ مدینہ منورہ کی تمام عورتوں کا علم اہمات المؤمنینؓ کے پاس تھا اور اہمات المؤمنینؓ کا تمام علم صدیقہ کائناتؓ کے پاس تھا۔ اسی طرح جن ربانچ چھ صحابہ کرام کے پاس تمام صحابہ رسولؐ کا علم تھا۔ ان میں آپ بھی شامل تھیں۔ آپ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رحلت کے بعد اڑتالیس برس تک حیات رہیں اور اس طویل عرصے میں ان کے بحر علم و کرم سے لاتعداد لوگ فیض یاب ہوئے۔ انہوں نے شاگردوں کی ایک بڑی تعداد تیار کی جنہوں نے شامع علیہ السلام کی سنت اور احادیث کو اگلی نسلوں تک پہنچایا۔ ان ناقابلِ تمجید حضرت حق کی

روشنی میں آنحضرتؐ کی اس حدیث پر غور کیجئے جس میں آپؐ نے فرمایا تھا :
 ”آدھا دین مجھ سے سیکھو اور لقیہ آدھا دین عائشہؓ سے لو۔“

عجمی منافقین کی وسیسہ کاریوں کی بدولت ہمارے بڑے بڑے علماء اور خطباء

سیدہ صدیقہ کائناتؓ کی عظمت اور مقام سے کماحقہ واقف نہیں ہیں انہوں نے ام المؤمنین

صدیقہ کائناتؓ کی بجائے حضرت فاطمہؓ کو سیدۃ النساء کہنا شروع کر دیا اور جمعہ کے

خطبوں میں برسر منبر اس کی تکرار کرنے لگے۔ ان اصحابِ جُبہ و دستار سے کوئی نہیں کہتا۔

کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی آخری کتاب میں اُتھات المؤمنین کو مخاطب کر کے فرماتا

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ لَسْتَ اَحَدٌ مِنَ النِّسَاءِ اور نعم اللہ کے اس فرمان کی موجودگی میں

ازواجِ مطہراتؓ کی بجائے کسی دوسری خاتون کی سیادت کے قائل ہو۔ ان کی ایک اور

دھاندلی ملاحظہ ہو۔ قرآن مجید میں جب پرے کا حکم نازل ہوا تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے نبی

برحقؐ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا : يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ

وَلِلنِّسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ قرآن پاک کا اعجاز

اس کا اختصار ہے اور یہ کم سے کم الفاظ میں زیادہ سے زیادہ مطلب واضح کرتا ہے اگر

یہ آیت یوں ہوتی قُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ الخ تو پھر بھی معنی کے لحاظ سے یہ آیت

کامل ہوتی۔ کیونکہ مومنات میں ازواجِ النبیؐ، بناتِ الرسولؐ اور نساء المؤمنین بھی آ جاتی

ہیں لیکن اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہمیں یہ سمجھانے کے لئے کہ تمام مومنات ایک جیسی نہیں ہیں۔

بلکہ ان کے تین گروہ ہیں۔ اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے ازواجِ النبیؐ کو بناتِ الرسولؐ

پر اور بناتِ الرسولؐ کو نساء المؤمنین پر فضیلت دی ہے اس آیت کی موجودگی میں اگر کوئی

شخص اپنی نادانی، جہالت یا دھاندلی سے نساء المؤمنین کو بناتِ الرسولؐ پر اور بناتِ الرسولؐ

کو ازواجِ مطہراتؓ پر فضیلت دیتا ہے تو وہ قرآن کی صریح مخالفت کرتا ہے۔

اس آیت میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے بناتِ الرسولؐ کو خطاب فرمایا ہے : یہ بات

یاد رہے کہ عربی قواعد کی رو سے بنات کا صیغہ تثنیٰ یا تثنیٰ سے زاید بیٹیوں کے لئے استعمال

ہوتا ہے یہ سورۃ احزاب کی آیت ہے۔ جو جنگِ احزاب کے موقع پر شہدہ میں نازل

ہونا شروع ہوئی۔ اس سے یہ بھی مترشح ہوتا ہے کہ شہدہ میں بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام

کی تین بیٹیاں حیاتِ نہیں تھیں اس آیت میں مخاطب کیا گیا ہے حضورؐ کی ایک بیٹی

سیدۃ رقیۃ الزہراء رضی اللہ عنہا سلمہ ہجری میں غزوہ بدر الکبریٰ کے موقعہ پر فوت ہو گئی تھیں اس لئے اس آیت کے نزول کے وقت حضورؐ کی تین صاحبزادیاں بقید حیات تھیں۔ عبد اللہ ابن سیاء کے پیروؤں کا یہ خیال ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے سوا حضور سلام اللہ علیہ کی اور کوئی بیٹی نہ تھیں۔ قرآن مجید کی اس آیت سے ان کے فاسد خیال کی تردید ہو جاتی ہے اب انہوں نے یہ کہنا شروع کیا ہے کہ حضرت زینبؓ، حضرت رقیہؓ اور حضرت ام کلثومؓ آنحضرتؐ کی بیٹیاں نہیں تھیں بلکہ وہ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کی بیٹیاں تھیں۔ اور اس تعلق کی بنا پر وہ حضورؐ کی بیبیات تھیں لیکن قرآن نے انہیں بنات میں ہی شامل کر لیا ہے۔ عقل کے ان اندھوں کو یہ معلوم نہیں کہ قرآن میں ربائب کا لفظ موجود ہے اور اگر وہ حضورؐ کی بیبیات ہوتیں تو اللہ تعالیٰ ان کا ذکر بنات الرسولؐ میں کرنے کی بجائے ربائب کے تحت فرماتا یا انہیں نساء المؤمنین میں شامل کر دیتا۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے الفوز الکبیر میں خوب فرمایا ہے کہ قرآن پاک کی کسی آیت کی ایسی تاویل یا تشریح جو صحابہ کرامؓ اور صالحین سلف سے ثابت نہ ہو مردود ہے۔

حضرت صدیقہ کائناتؓ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقام اور منصب کے لحاظ سے خاتون اول ہیں۔ اور ان سے یہ شرف اور مرتبہ ازواج مطہراتؓ کے علاوہ اور کوئی نہیں چھین سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی سورہ نور میں یہ فرمایا ہے والطيبات للطيبين والطيبون للطيبات۔ اس آیت کی رو سے حضرت عائشہ صدیقہؓ کا تقویٰ و طہارت میں وہی مقام اور مرتبہ ہوگا جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مقام اور مرتبہ ہوگا۔ میرا تو یہ ایمان ہے کہ آنحضرتؐ بہترین کائنات ہیں۔ اور آپ طیب و طاہر ہیں۔ بلکہ اطمینان و طہر ہیں۔ والطيبات للطيبين کی رو سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح ان کی ازواج مطہراتؓ بھی اطمینان و طہر ہوں گی۔ اور قرآن پاک کی اسی آیت کی رو سے تقویٰ و طہارت میں جو مقام حضرت ابوبکر صدیقؓ کا ہوگا وہی ان کی رفیقہ حیات کا ہوگا۔ اور جو مقام و درجہ حضرت فاروق اعظمؓ کا ہوگا، وہی ان کی شریک حیات کا ہوگا۔ اسی طرح تقویٰ و طہارت کے جس مقام پر حضرت عثمان غنیؓ فائز ہوں گے۔ وہی مقام ان کی بیوی کا ہوگا۔ اور جتنے طیب و طاہر حضرت علیؓ ہوں گے انہی ہی طیبہ و طاہرہ ان کی اہلیہ ہوں گی۔ اسی طرح : والخبيثات للخبيثين والخبيثون للخبيثات

کی رُو سے جنائث کے جس درجے پر البوسب فائز ہو گا وہی درجہ اس کی بیوی کا ہو گا۔ جسے قرآن مجید میں حصالۃ الخطب کے الفاظ میں یاد کیا گیا ہے۔ جو بد بخت اور نصیب یہ کہتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حرم میں معاذ اللہ ایک خبیثہ عورت بھی موجود تھی (اور اس کا اشارہ صدیقہ کائناتؐ کی طرف ہوتا ہے) وہ قرآن مجید سے نابلد محض ہونے کے علاوہ شاتم رسولؐ بھی ہے۔ جو بد بخت حضرت صدیقہ رضہ کو معاذ اللہ خبیثہ سمجھتا ہے وہ قرآن مجید کی اس آیت کی رُو سے حضور کو کیا سمجھتا ہے؟ حضرت صدیقہ کائناتؐ کے لئے یہ شرف کیا کم ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کی برأت میں قرآن پاک میں دو رکوع نازل فرمائے ہیں اور تا قیام قیامت جب تک مساجد کے محراب و منبر میں قرآن پاک کی تلاوت ہوتی رہے گی ان کی عفت طہارت کا ذکر ہوتا رہے گا۔ ہمارا یہ ایمان ہے کہ قرآن پاک حادث اور مخلوق نہیں بلکہ یہ قدیم ہے اور یہ اتمای قدیم ہے۔ جتنی ذات باری تعالیٰ اس لئے جب اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس وسیع و عریض کائنات کو پیدا نہیں کیا تھا تو اس وقت بھی قرآن موجود تھا اور اس میں وہ آیات موجود تھیں جو اہمات المؤمنینؑ کی عفت و عصمت پر گواہ ہیں۔ بالفاظِ دگران کی عفت و عصمت ازلی وابدی ہے۔

قرآن پاک میں اللہ تبارک و تعالیٰ اہمات المؤمنینؑ کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتا ہے۔
 وَاذْكُرْ مَا يَنْتَلٰی فِیْ سِوٰتِكُنْ مِنْ اٰیٰتِ اللّٰهِ وَالْحُكْمِ الخ
 اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ان کے حجروں میں قرآن پاک کی تلاوت جاری رہتی تھی اور وہاں صرف حکمت اور دانائی کی باتیں ہوتی تھیں۔ اہمات المؤمنینؑ کے دیندار ہونے پر اور کس کی گواہی کی ضرورت ہے۔

حضرت صدیقہ کائناتؐ جس حجرہ میں قیام پذیر تھیں اس کا مرتبہ عرش سے بھی ارفع و اعلیٰ ہے۔ اس مقدس حجرے کو یہ شرف حاصل ہے کہ اس میں فخرِ موجودات محمد رسول اللہ صدیق اکبرؐ اور فاروق اعظمؓ کو استراحت ہیں۔ حضرت صدیقہ کائناتؐ نے ایک خواب دیکھا تھا کہ آسمان سے تین چاند ٹوٹ کر ان کی بھولی میں آگئے ہیں یہ اس خواب کی تعبیر تھی۔ اہمات المؤمنینؑ کو ایک شرف اور بھی حاصل ہے جو انہیں دنیا کی خواتین سے ممتاز کرتا ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ اگر کوئی شخص مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز ادا کرے تو

اسے ستائیس نمازوں کا ثواب ملتا ہے۔ اور اگر کوئی خوش نصیب مسجد نبوی میں ایک نماز ادا کرے تو اسے پچاس ہزار نمازوں کا ثواب ملتا ہے۔ یہ تو مسجد نبوی میں نماز ادا کرنے کے بارے میں ہے۔ اب ذرا سوچئے کہ اگر ایک نماز امام الاولین والآخرین محمد رسول اللہ کی اقتداء میں پڑھی جائے تو اس کا کتنا ثواب ہوگا؟ اور اہل المؤمنین جن کے حجرات کے دروازے مسجد نبوی میں کھلتے تھے، اگر اپنے حجرات میں ہی جماعت میں شریک ہو جائیں تو اجر ہامرتین کے مصداق ان کو دوسروں کی نسبت دو گنا ثواب ملے گا۔ یہ شرف صرف اور صرف حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ازواج مطہرات کو حاصل ہے کہ انہیں از روئے قرآن ہر نیکی کا دو گنا ثواب ملتا ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے مرد و زن کے تعلقات کے ضمن میں ہن لباس حکم دیا۔ انتہا لباس لہن فرمایا ہے۔ اس آیت مبارکہ کی رو سے اہل المؤمنین بنی اکرم کا لباس ہیں۔ لباس سے جہاں ستر چھانکا جاتا ہے وہاں لباس باعث زینت بھی ہوتا ہے۔ اس لئے بزرگزید ہستیاں ایک دوسرے کے لئے جہاں ستر کا کام دیتی ہیں وہاں باعث زینت بھی ہیں۔ جو انہی وابدی بدبخت اہل المؤمنین کی طرف انگشت نمائی کرتا ہے وہ دراصل حضور کا ستر نکال کرنا چاہتا ہے۔

صدیقہ کائناتؑ کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ ان کی مقدس اور ہنی غرہ بدر اکبریٰ میں پرچہ نصرت آیات بنی۔ یہ اور ہنی خلفائے راشدینؑ خلفائے بنو امیہ اور خلفائے بنو عباس سے ہوتی ہوئی عثمانی خلفائے پہنچے عثمانیوں کی یورپی اقوام سے آئے دن لڑائی رہتی تھی جب ان کے درمیان سخت معرکہ پیش آتا تو اس وقت عثمانی خلفاء حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی مقدس اور ہنی کو پھر برائے لڑتے تو اللہ تعالیٰ اس کی لاج رکھتے ہوئے انہیں کامیابی سے ہمکنار کر دیتا تھا۔

جاہل سنیوں اور فرقہ جماعت کی طرف سے صدیقہ کائناتؑ کی ذات اقدس سے بڑا افتراء اور بہتان جسٹ گھل گھل میں شمولیت ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ ام المؤمنین صدیقہ کائناتؑ نے امام مظلوم سیدنا عثمان غنیؓ کے قصاص کے لئے علم جہاد بلند کیا تھا اسے دنیا و مافیہا کے بے خبر علماء اور خطباء "اجتہادی غلطی" سے تار کر رہے ہیں۔ حقائق و شواہد کی روشنی میں جب ہم اصل حالات کا جائزہ لیتے ہیں تو ہم

ہوتا ہے کہ یہ علماء فضل و اصل حقائق سے خود ہی ناواقف ہیں۔

اُم المؤمنینؓ اور ان کے نامور اور جاں نثار فرزند اہم مظلوم کا قصاص طلب کرنے میں حق بجانب ہیں اور صحابہ کرام کی ایک برگزیدہ جماعت حدیبیہ کے تاریخی مقام پر اللہ اور اس کے ہاتھ پر حضرت عثمان غنیؓ کا قصاص لینے کا عہد کر چکی تھی۔ صحابہ کرام اور اُم المؤمنینؓ یہ کہتے تھے کہ قصاص سے دست بردار ہونا قرآن مجید سے انحراف کے مترادف ہے ان حقائق کی روشنی میں یہ کہنا کہ اُم المؤمنینؓ اور اسکے سول کے قتل غلطی پر یہ قرآن مجید خدا اور اس کے رسول ص کے ساتھ ایک کھلا مذاق ہے۔ فاضل مؤلف نے جنگ جمل کے متعلق ایک طویل بحث میں بدلائل و ثبوت نصف النہار کی طرح ثابت کیا ہے کہ اس جنگ میں سیدہ صدیقہ کائناتؓ کا مؤقف معنی برحق تھا۔ اگر آپؐ اس وقت سیدنا ذوالنورینؓ کی مطلوبانہ شہادت کے قصاص کے لئے اقدام نہ فرماتیں تو قیامت تک خون عثمانؓ کے قصاص کا قرض اور فرض امت کے ذمہ رہتا ہے۔ فاضل مؤلف کی یہ بحث قارئین کے لئے سرمہ نصیرت اور نور ہدایت ہے۔ اسی طرح فاضل مؤلف کے باقی مباحث بھی صرف سیدہ صدیقہ کائناتؓ کے حضور میں نذرانہ عقیدت ہی نہیں بلکہ امت کے اس بے خبر گروہ کے لئے ذریعہ نجات اور موجب سعادت اخروی ہیں۔ سیدہ صدیقہ کائناتؓ کی عمر شریف بوقت نکاح کے متعلق فاضل مؤلف نے حقائق و ثبوت اور دلائل و براہین کی روشنی میں یہ ثابت کیا ہے کہ نکاح کے وقت حضرت سیدۃ النساءؓ کی عمر شریف چھ سات یا آٹھ نو سال نہیں بلکہ سولہ سترہ سال سے زیادہ تھی۔ میں کہتا ہوں کہ امت مرحومہ کو ایک عظیم غلط فہمی سے نکال کر جو شاہراہ حقیقت پیش کی ہے۔ فاضل مؤلف کا امت مرحومہ پر یہ احسان عظیم ہے۔

بخاری کی ایک روایت کے مقابلہ میں فاضل مؤلف نے بیسیوں شواہد و نظائر پیش کر کے آنکھیں کھول دی ہیں۔

اسی طرح واقعہ انک کے متعلق موصوف نے جن تفسیری نکات کی روشنی میں اس بحث کو سمجھ کر یہ ثابت کیا ہے کہ واقعہ انک کا سرے سے کوئی وجود نہیں بلکہ یہ منسوب الی الصحابہ روایت تیسری جو تھنی صدی ہجری میں دشمنان اسلام کے دماغوں کی اختراع ہے۔ تحریم نجس اور ایلا کے مباحث پر فاضل مؤلف کے مباحث — ایک ایک سطر پڑھتے جائیں گے تو ایسا معلوم ہوتا جیسے گا۔ کہ ہم کسی اندھی گلی سے نکل کر ایک منور شاہراہ پر

پہنچ چکے ہیں۔ یہ بجائے صدیوں ہی کھینٹتے چلتے آرہے ہیں۔ مگر انصاف دیانت اور صداقت کا تقاضا ہے کہ ہم ایک بار خالی الذہن ہو کر اس کتاب کا مطالعہ کریں تو لامحالہ تسلیم کرنا پڑیگا۔ کہ حق وہی ہے جو مولف بیان کر رہا ہے۔ کتاب کا خاتمہ سیدنا ذوالنورین اور صدیقہ کائنات کے تعلقات اور حضور محمد ص کی وفات اور تدفین کے حالات پر ہوا ہے اور حق یہ ہے کہ موصوف نے سیدہ صدیقہ کائنات کی تالیف کا حق ادا کر دیا ہے۔ کہنے کو تو بہت کچھ ہے۔ مگر میں اب اپنے اس ”گزارش احوال واقعی“ کو ان سطور پر ختم کرتا ہوں۔

ام المؤمنینؓ پر سب شتم کا جو سلسلہ تیرہ سو برس سیابیوں نے شروع کیا تھا۔

تا دم تحریر جاری ہے۔ ”مجدد باہر حاضر“ (بزعم خویش) اس عقیقہ کو ”زبان راز“ کہتے ہوئے خدا اور اس کے رسولؐ سے نہیں ڈرتا۔ ہم اسے اس بد نصیب کی زبان درازی نسلی تفسار، اور آباپستی کے علاوہ اور کیا کہہ سکتے ہیں ؟

سیدۃ النساء عائشہ صدیقہؓ کی حیات طیبہ پر سید سلیمان ندوی مرحوم و مغفور نے ایک بسیط کتاب تصنیف کی ہے جس کا علمی و دینی حلقوں میں بڑا چرچا رہا ہے۔ اس کتاب کا بار بار اور بغور مطالعہ کرنے سے یہ حقیقت منکشف ہوتی ہے کہ بعض مقامات پر سید مرحوم نے ٹھوکر کھائی ہے۔ اور وہ اپنے نسلی تعصب اور تفسار کو چھپا نہیں سکے۔ بہت سے اہل علم جو سید سلیمان ندوی کی علمیت سے مرعوب تھے ان کی تحریریں پڑھ کر احتیاط کا دامن ہاتھ سے چھوڑ چکے ہیں۔ میرے فاضل دوست حکیم فیض عالم صدیقی صاحب کو اللہ تبارک و تعالیٰ جزائے خیر دے کہ انہوں نے اپنی تصنیف میں سید صاحب کی ایسی تمام فروگزاشتوں کی نشاندہی کر دی ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ سیدہ عائشہؓ کے درجات کو بلند فرمائے اور ہمیں ان کے فیوض سے بہرہ یاب کرے۔ آمین !

نذریۃ المصنفین ، لاہور ننگ اسٹریٹ

۲۸ ربیع الثانی ۱۳۹۸ھ محمد اسلم

ایسوسی ایٹ پروفیسر شعبہ تاریخ،

دہلی ریونیورسٹی - لاہور

سید عالم صاحب صدیقی ایمے علیہ
از قلم السید شہناز الحق صدیقی ایمے علیہ

تقریظ و تعارف

السید حکیم فیض عالم صاحب صدیقی دینی مسائل اور تاریخ اسلام کے مختلف پہلوؤں سے متعلق متعدد کتابیں تحریر کر چکے ہیں اور ہر ایک میں ان کے غور و فکر اور تلاش و جستجو کے گہرے نقوش دکھائی دیتے ہیں لیکن "صدیقہ کائنات" جس کا مسودہ اس وقت میرے پیش نظر ہے وہ نہ صرف تحقیق کا شاہکار ہے بلکہ اس کے ایک ایک لفظ سے ان کے خلوص و عقیدت اور محبت و وارفتگی کا اظہار ہوا ہوا ہے۔ انہوں نے حضرت صدیقہ کے حضور یہ نذرانہ عقیدت پیش کر کے گویا تمام عالم اسلامی کے سر سے قرض اٹا دیا ہے جو صدیوں سے امت کے ذمہ واجب الادا تھا۔ اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جن کے لئے لسان نبوی سے یہ الفاظ ادا ہوئے کہ عائشہؓ کی حیثیت دوسری تمام عورتوں میں ایسی ہے جیسی کھانوں میں شریکہ کی۔ ان کی عظمت اور علوم مرتب کا کوئی کیا اندازہ کر سکتا ہے۔ جن خواتین پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیقہ کو فضیلت دی ان میں جملہ اہل ایمان المؤمنین بھی شامل ہیں اس صورت میں دنیا کی دوسری خواتین کا کیا ذکر ہے۔ رہا مردوں کا معاملہ ان سب کی دواں میں اور اس لئے مردوں پر بھی انکی فضیلت مسلم ہے حقیقت یہ ہے کہ جس طرح خاتم النبیین محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مطہرہ و اطہر کائنات کے لئے رحمت تھی اسی طرح اُم المؤمنین کی ذات اقدس ہر زمانہ کے لئے بے مثل و بے مثال رہی ہے۔ دینِ متین کا تین چوتھائی حصہ آج امت کو ان ہی کے توسط سے پہنچا ہے۔

ایک فتنہ پر از گروہ کی ریشہ دوانیوں اور اس کے مسلسل پروپیگنڈے کی بدولت جہاں دین حق کی شکل بہت کچھ بدل گئی ہے اور اشاعت دین کے لئے اپنی زندگیاں وقف کر دینے والے بہت سے قدسی صفات انسانوں کے کردار مجروح ہوئے ہیں وہیں صدیقہ کائنات کی عظمت بھی

لے مولف: ہمارے پہلے رسول تحقیق وحدت الوجود و الشہود۔ پیرو مسودہ کا دور مبادیات علم شلت۔ بزم انجم
فلکیات۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ۔ مولانا محمد علی جوہر تصوف کی حقیقت۔
تراجم: مہ و غیسم۔ آثار باقیات۔ شاد عالم مترجم البحرین۔ علماء سلف اور نابینا علماء۔ مسلمان اندلس میں

اس درجہ زیر حجاب آگئی ہے کہ ان کی محبت کا دم بھرنے والے بھی آج ان کے صحیح مقام کا تعین کرنے سے قاصر ہیں۔ تحریریں اور تقریروں سے کچھ ایسا مترشح ہوتا ہے کہ آپ کی حیثیت بھی کچھ ایسی ہی تھی جیسی اور بہت سی عورتوں کی۔ بلکہ بعض اوقات تو آپ کے کردار کو ایسے انداز میں پیش کیا جاتا ہے کہ آپ کا رتبہ بعض اور خواتین کے مقابلہ میں فروتر محسوس ہونے لگتا ہے۔ یہ نتیجہ تو آپ کے کمالات کو چھپانے سے نکلا لیکن اس سے بھی زیادہ مضر اثرات ان نا پسندیدہ امور سے مرتب ہوئے۔ جو بعض شریک پندوں نے وضع کر کے آپ کی ذات مطہرہ کے ساتھ داپستر کر دیئے ہیں۔ جیسے عمر شریف کو گھٹا کر بیان کیا گیا ہے۔ تاکہ آپ کی مرویات کا وزن کم ہو جائے۔ واقعہ انک اور واقعہ تحریم کو نہایت مکروہ انداز میں پیش کیا ہے۔ جنگ جمل میں آپ کو برسرِ خطا بتایا گیا ہے۔ وفات اور تدفین کے سلسلہ میں غلط روایتیں وضع کی گئی ہیں۔ غرض آپ کے صاف و مصفی کردار میں ایسے رخنے پیدا کرنے کی ناپاک کوشش کر کے راسخ العقیدہ مسلمانوں کے اذہانِ فلوب تک کو مسموم کر دیا گیا ہے۔ کتاب ہذا کے فاضل مولف حکیم فیض عالم صدیقی نے خدا نہیں جڑے خیر کرے ان ہی اہل روایات کا پردہ چاک کیا ہے۔ ایک طرف انہوں نے قوی دلائل و شواہد سے ان تمام ہواہمتوں کو ایک ایک کر کے رد کیا ہے جن کو نہایت معصومیت سے شریک پندوں نے وضع کر کے تاریخ اور تذکروں کی کتابوں کی زینت بنایا اور مسلمانوں کے سوا عظیم کو یہ باور کرایا کہ وہ حضرت صدیقہ کی حیات طیبہ کے متعلق حقائق ہیں۔ دوسری جانب فاضل مولف نے حضرت صدیقہ کائنات کی ان خوبیوں کو صحیح خدو حال کے ساتھ پیش کیا جن کی وجہ سے آپ اس بلند مقام پر فائز ہوئیں جس کی تصدیق خود لسانِ نبوی سے ہوئی۔

کتاب جس انداز سے لکھی گئی ہے اس کو دیکھتے ہوئے بلا خوف تردد کہا جاسکتا ہے کہ اس موضوع پر لکھی جانے والی تمام کتابوں میں اس کا درجہ افضل ہی نہیں بلکہ اسے اولیت کا مقام حاصل ہے اس میں واقعات کی تحقیق بھی ہے اور اندازِ بیان میں عقیدت، احترام اور دلہانہ پن کی ملی جلی کیفیت بھی۔ موضوع کی اہمیت اور کتاب کی افادیت کو دیکھتے ہوئے میری خواہش ہے کہ ہر کلمہ گو کے گھر میں یہ کتاب موجود رہے اور گھر کا ہر فرد اس کا مطالعہ کرے۔ امید ہے کہ صدیقہ کائنات رحمہ کے حضور میں یہ نذرانہ عقیدت مولف کی نجاتِ خردی کا موجب ہوگا۔

تقریب مفتاح

از قلم: ابوالحسن محمد عظیم الدین صدیقی کورنگی کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تاریخ سازی اور تاریخ نویسی ————— دو مستقل عنوان ہیں جن سے عملاً عہدہ برآ ہونے کے لئے الگ الگ استعداد اور صلاحیتیں درکار ہیں اور چونکہ ان میں سے ہر عنوان اپنی وسعت و ہمہ گیری اور تنوع کے اعتبار سے ہمہ تن یکسوئی اور دوسرے سے بے اعتنائی کا تقاضی ہے۔ اس لئے عموماً ایسا ہوتا ہے کہ تاریخ ساز قوم کو اپنی تاریخ لکھنے اور مرتب کرنے کی ہمت نہیں ملتی ————— یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ فکر و عمل کی تمام صلاحیتوں اور توانائیوں کے ساتھ تن من دھن کی بازی لگا کر تاریخ بنانے والی قوم کے مصروف کار اور جاوید پیا افراد کو اطمینان و سکون اور فراغ کے چند لمحات بھی میسر نہیں ہوتے کہ وہ گوشہ عافیت میں بیٹھ کر ذہنی و فکری یکسوئی سے اپنی ”ثبت است پر جریدہ عالم“ تاریخ کی روداد مرتب و مدون کر سکیں۔ بصورت دیگر تاریخ ساز قوم اگر تاریخ نویسی پر توجہ دینے لگے تو پھر قلم و قریاس کی اس شکست رنجیت میں الجھ کر وہ جدوجہاد مسلسل کو جس کا دوسرا نام تاریخ سازی ہے جاری و باقی نہیں رکھ سکتی۔

یہ ایک ایسی فطری حقیقت ہے جس کے ثبوت پر بھاری بھر کم دلائل کی قطعاً ضرورت نہیں اس کے محسوس اور غیر محسوس شواہد قوموں کی انفرادی و اجتماعی زندگی میں شب روز پیش آتے رہتے ہیں ————— کشتی، کبڈی، ہاکی، والی بال، کرکٹ اور باکسنگ وغیرہ کا مظاہرہ کرنے والے کسی شخص کو اپنے فن اور عمل کی کنٹری یا آنکھوں دیکھا حال پیش کرتے ہوئے کبھی اپنے دیکھا ہے؟ نہیں ————— اس لئے کہ دو مختلف مزاج اور متضاد کیفیات کی یکجائی و اجتماع ممکن ہی نہیں تو پھر آپ کسی تاریخ ساز قوم سے یہ توقع کیوں رکھتے ہیں کہ وہ تاریخ سازی کے ساتھ ساتھ تاریخ نویسی کے فرائض بھی انجام دے ڈالے تقدیر العزیز العظیم اور چونکہ قوانین فطرت میں کوئی استثنائی گنجائش نہیں اس لئے لامحالہ عرب قوم کو بھی ان ہی فطری و کمونی عناصروں اور راہوں سے دوچار ہونا پڑا ————— خاتم المعصومین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ و آلہ و صحابہ وسلم عرب کے مشہور شہر مکہ معظمہ اور قبیلہ قریش میں پیدا ہوئے اگرچہ آپ کی بعثت تمام بنی نوع انسان کے لئے عام تھی لیکن گرد و پیش کی عام عربی معاشرت اور دعوت اسلام کی

اولین مخاطب عرب قوم کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا چنانچہ آپ کے فیضانِ صحبتِ نبوت یافتہ حضرات صحابہ کرام کی وہ مقدس جماعت تیار ہوئی جنہیں انسانی فضائل و کمالات کا نقطہ عروج ہی نہیں — بلکہ سعی و عمل کا محکمہ پیکر اور سربِ پایا جہاد کتنا زیادہ مناسب کی دور میں انتہائی ظلم و ستم کے باوجود ایمان و اسلام پر استقامت اور پیش آمدہ مصائب و شدائد پر خندہ پیشانی سے صبرِ مدنی عہد میں کھٹن اور مایوس کن حالات کے باوجود میدانِ جہاد میں مسلسل جاوہ پیمائی۔ حضراتِ خلفائے راشدینؓ سیدنا صدیق اکبرؓ سیدنا فاروق اعظمؓ اور سیدنا عثمانؓ ذوالنورینؓ کے رشد و ہدایت سے بھرے پچیس سالہ دور میں جہانگیری و جہانبنانی کے ناقابلِ فراموش کارنامے۔ سیدنا علیؓ کے ساڑھے چار سالہ آزمائشی و عبوری حکمرانی میں دشمنانِ اسلام کی بپا کردہ اسلام دشمن کاروائیوں کے مقابلِ نبرد آزمائی۔ ساٹھ لاکھ مربع میل کے زیادہ رقبہ پر پھیلی ہوئی سیدنا معاویہؓ کی بیس سالہ خلافتِ راشدہ اور اس میں ہونے والی تسخیر و فتوحات اور اسلامی و انسانی خدمات یہ سب کچھ اس بات کا منہ بولتا، ناقابلِ تردید ثبوت ہے۔ یہ قرنِ اول کی مسلم قوم خصوصاً مسلمانِ عرب انسانی روپ میں سعی و عمل کی وہ چلتی پھرتی تعبیریں تھیں جن سے اللہ تعالیٰ نے اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ سازی کا مقدس کام کیا۔ — بایں ہمہ سکر و عمل کی تقسیم کے اس فطری قانون کی تنقید کا یہ کرشمہ ہے کہ جب تک مسلمان قوم اپنی تاریخ کے بنانے میں مصروف رہی انہیں تاریخ نویسی کی جانب توجہ کا موقع نہ مل سکا۔ اور جب اس طرف دھیان کیا تو تاریخ سازی کا وہ عمل قلم و قریاں کے سنگم اور اس سے پیدا شدہ نتائج و عواقب کی بھیت چڑھ چکا تھا۔ جس کے نتیجہ میں انہوں نے عرب کے ریگزاروں سے نکل کر اقصائے عالم میں نہ ملنے والے تاریخی نقوش ثبت کئے تھے تاریخ سازی کے اس دور میں آپ کو عالمِ فاضل۔ محدث۔ مفسر۔ فقیہ۔ شمشیر زن۔ نیر انداز۔ شہسوار۔ حاکم۔ عامل۔ افسر۔ قاضی اور گورنر غرضیکہ ہر صفت و منصب اور مزاج و کیفیت کے لاتعداد افراد مل جائینگے لیکن آپ اس تاریخ ساز قوم کے مصروفِ عمل افراد کی لغور چھان بین کریں تو تاریخ نویس نام کی کسی قابلِ ذکر شخصیت کی دستیابی سے محرومی رہے گی۔ ثم ارجع البصر کو تین بیتِ قلب الیٰک البصر خاصاً و هو حسیہ۔ بطورِ بالا پڑھ کر آپ کے ذہن میں یقیناً یہ سوال کروٹیں لے رہا ہو گا کہ — پھر مسلمان کی تاریخ کے بیش از بیش ذخیرے کیسے اور کہاں سے وجود میں آئے — موضوع اگرچہ تفصیل طلب ہے جس کے لئے بطورِ مقدمہ لکھی گئی یہ سطوریں قطعاً نا کافی ہیں اس لئے تفصیلات کسی

دوسری فرمت کے لئے قلم انداز کرتے ہوئے اجمالی اشارات پیش خدمت ہیں۔

امام اول خلیفہ بلا فصل سیدنا صدیق اکبرؓ کے عہد خلافت میں ایران کی مجوسی سلطنت سہا سے
 پہلے پکار دہیلہ کذاب کی جھوٹی نبوت کا فتنہ ہی ختم نہیں کیا گیا بلکہ بعض ناگزیر مجبوریوں اور کمائی تحفظات
 کے پیش نظر ایران کی فتوحات کا سلسلہ شروع ہوا۔ امام دوم خلیفہ عادل سیدنا فاروق اعظمؓ کے
 زمانہ خلافت میں تسخیر و فتوحات کا یہ سلسلہ بہت دور تک پھیل گیا جس کے نتیجہ میں دم و ایران وغیرہ مختلف
 علاقوں کے جنگی قیدی مدینہ منورہ آنے لگے، حضرت عمرؓ اس بات پر راضی نہ تھے کہ ان قیدیوں کو مدینہ
 میں مسلمانوں کے ساتھ رکھا جائے آپ ان ممالک کے لوگوں کی نفسیات سے بخوبی واقف تھے نیز آپ اچھی
 طرح سمجھتے تھے کہ مفتوحہ اقوام کے جنگی قیدیوں کا احساسِ محرومی کسی بھی وقت انتقام کا دھبہ پار سکتا ہے۔
 لیکن حضرت عمرؓ نے بعض حضرات کے مسلسل اصرار پر جنگی قیدیوں کو مدینہ منورہ میں رہنے کی اجازت دیدی
 ماریخی روایات سے پتہ چلتا ہے کہ سیدنا علیؓ اور سیدنا عباسؓ نے ان قیدیوں کی دیکھ بھال اور نو مسلموں کی
 تربیت پر مامور تھے۔ یہی وجہ ہے کہ عجمی قیدیوں اور نو مسلموں کی علوی و عباسی خاندانوں کے ساتھ اچھے
 ملے رہنے کے مواقع میسر رہے۔ اور پھر اسی خلا ملا کے فریاد انہوں نے نبوہاشم اور بعض دیگر ایسے
 نوجوانوں کی ذہنی تعمیر شروع کر دی جنہیں وہ بوجہ اپنے خفیہ انتقامی مشن میں بطور اڑ استعمال
 کر سکتے تھے۔ چنانچہ ایرانی نو مسلم قیدیوں نے سیدنا علیؓ اور خاندان رسالتؐ کے کچھ دوسرے قابل
 نعظیم بزرگوں کے ساتھ اظہارِ محبت و عقیدت کو اپنی انتقامی تحریک کا ابتدائی قدم قرار دے کر علوی عقیدت
 کا وہ دروازہ کھول دیا جس نے آگے چل کر فرضی فضائل و مناقب کے بل پر شخصیت پرستی یعنی ہیرازم
 کے وہ وہ طریقے درآمد کئے جن کے سامنے یہود و نصاریٰ کی افراط اور اشخاص پرستی بھی بے حقیقت
 دکھائی دیتی ہے۔ امام سوم، خلیفہ برحق سیدنا عثمان ذوالنورینؓ کے عہد خلافت میں مرکز
 بسے دور کوفہ، بصرے اور مصر وغیرہ کے علاقوں میں خفیہ اور راز دارانہ انداز میں اس انتقامی پروگرام کو منظم
 کرنے کی کوششیں کی گئیں۔ بالآخر حضرت عثمان ذوالنورینؓ اسی انتقامی سازش کے تحت شہید کئے گئے۔
 چونکہ اس انتقامی پروگرام میں نبوہاشم یا انھیں حضرت علیؓ کے ساتھ محبت اور ان کے استحقاق و برتری کے اظہار
 کو بڑی اہمیت حاصل رہی تھی، اس لئے انتقامی مشن کے مزید تحفظ کے لئے ضروری سمجھ کر سبائی
 یوایتیوں اور قاتلین عثمانؓ نے حضرت علیؓ کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کر لی۔ سیدنا علیؓ کے عبوری دور
 کی خانہ جنگیوں میں لاکھ کے قریب انسانوں کا قتل عام اسی انتقام کی ایک کڑی ہے۔ حضرت علیؓ
 کی شہادت کے بعد حضرت حسنؓ نے امیر المومنین سیدنا معاویہؓ کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کر کے عجمی انتقام

کی پیش قدمی کو روک دیا۔ سیدنا معاویہؓ کے عہد خلافت میں ان سازشوں کو کھل کھیلنے کا موقع نہ مل سکا۔ اس لئے اس اسلام دشمن تحریک نے خفیہ مشن کی صورت اختیار کر لی یہی وہ دور ہے جب انتقامی غنا نے بڑے پیمانے پر روایات گھڑیں اور انہیں حد درجہ رازداری، تقیہ بازی اور کتمان و خفا کیساتھ عام کرنا شروع کیا، نوبت یہیں جا رسید کہ ان عجیبی کسالوں سے روایات و حکایات کے اس قدر کھوٹے ہو گئے اور پھر انہیں ہمہ گیر اور مسلسل انداز میں اتنا پھیلا دیا گیا کہ اس خالص انتقامی و سیاسی تحریک نے مذہبی رنگ اختیار کر لیا اور پھر آگے چل کر انہی موضوع روایات اور مبالغہ آمیز فضائل و مناقب کے ذریعہ بنو عباس اور بنو علیؓ نے عجمیوں سے ساز باز کر کے بنو امیہ کا تختہ الٹ دیا۔

وضعت المناصب فی فضائل علیؓ و اهل البیت نحو ثلاث مائة الف حدیث موضوعات کبیر ص ۱۰۶۔ رائف نے حضرت علیؓ اور اہل بیت کے فضائل سے متعلق تین لاکھ کے لگ بھگ روایتیں بنائیں۔

ومن ذلک الاحادیث فی ذم معاویۃ و ذم عمرو بن العاص و ذم بنی امیۃ و مدح المنصور و السفاح و کذا ذم یزید و الولید و
مردان بن الحکمہ موضوعات کبیر ص ۱۰۶

اسی طرح حضرت معاویہؓ، حضرت عمرو بن عاصؓ اور دیگر بنو امیہ، خصوصاً امیر نریدؓ اور حضرت ولیدؓ اور حضرت مروان بن حکمؓ کی برائی۔ اور خلیفہ منصورؓ اور خلیفہ سفاحؓ کی تعریف کی روایات بھی تھوٹی اور وضعی ہیں۔

صرف یہی نہیں کہ عجمیوں نے اپنی انتقامی حکمت عملی کے پیش نظر مسلمانوں کو دو حصوں میں بانٹ کر، ایک کی تعریف اور دوسرے کی برائی میں روایات گھڑیں بلکہ انہوں نے اسلامی عقائد و اعمال کے ہر سرگوشے سے متعلق ایسی ایسی گھنڈائی، متضاد اور ناقابل فہم روایات بھی وضع کیں۔ جن سے اسلامی تعلیمات کا چہرہ مسخ ہو کر رہ گیا۔ بنو عباس کے دور میں

اس بات کی ضرورت محسوس کی گئی کہ اب تک زبانی اور سینہ بہ سینہ چلتی ہوئی روایات کو باقاعدہ مدون و مرتب ہو جانا چاہیے تاکہ سیاسی و انتقامی مصلحت کی خاطر گھڑا گیا یہ مواد نہ صرف محفوظ ہو جائے بلکہ آئندہ آنے والوں کے لئے مستقل طور پر ایسا ریکارڈ ثابت ہو جس کے ذریعہ اختلاف و استنباط بحث و تمحیص اور اختلاف و انتشار کا نہ بند ہونے والا دروازہ کھل جائے جس میں دہائی ہو کر مسلمان قوم اتحاد و اجتماعیت و رہا ہی انوث محبت سے محروم ہو کر عجیبی انتقام کا شکار ہوتی رہے۔

اموی دور خلافت میں تاریخ ساز مسلم قوم بالخصوص عربوں کو کسی اور طرنت توجہ کی فرصت نہ ملی۔ اور جب عباسی دور خلافت میں تاریخ نویسی باقاعدہ شروع ہوئی تو عموماً بحی اہل علم اور ارباب قلم اس علمی و تاریخی سرے کے حامل و وارث ہو چکے تھے جنہوں نے فرصت فراغ کی بدولت صحیح و مفہم ہر دو طریقوں سے سُن کر اسے اکٹھا کر لیا تھا۔ اس میں شک نہیں کہ اس ذخیرے میں صحیح احادیث کے تاریخی احوال پر مشتمل روایات بھی موجود تھیں لیکن اس حقیقت سے بھی انکار ناممکن ہے کہ وضعی و من گھڑت روایات جھوٹے قصے اور فرضی داستانیں غالب حیثیت کی حامل تھیں۔ اللہ بھلا کر فقہائے محدثین کا کہ دشوار پلوں کے باوجود انہوں نے بڑی حذک و احتیاط سے روایات کو اس ڈھیر کی چھان پھٹک کا مقدس فریضہ انجام دیا۔ مثال کے طور پر امام بخاری کو ایسے ہی کہ انہوں نے کم و بیش چھ لاکھ روایات میں سے اپنے مقرر کردہ معیار صحت کے مطابق پورے تین ہزار کے لگ بھگ روایات کا انتخاب کر کے باقی کو قلم انداز کر دیا۔ اس سے بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ امام بخاری کے زمانہ تک سقیم اور غیر صحیح روایات کا کس قدر اتنا ہلکا یا چمکا تھا۔ صحیح بخاری کے گہرے اور حقیقت پسندانہ مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ روایات کی تنقیح و تطہیر کا عمل جاری تھا کہ امام بخاری کا انتقال ہو گیا۔ ورنہ کچھ اور موقع ملتا تو وہ اس میں مزید حکمت و اضافہ سے کام لیتے۔ صحیح بخاری میں کتنے ہی مقامات ایسے ہیں جہاں باب یا ترجمہ الباب یا متعلقہ روایات کا اندراج نہیں۔ یہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ موجودہ کتاب امام بخاری کا وہ بیاض ہے جو ان کے زیر تحقیق و تدوین تھا جس میں مزید کمی و بیشی کے لئے انہوں نے خالی جگہیں چھوڑ رکھی تھیں جنہیں کسی وجہ سے وہ اپنی زندگی میں پُر نہ کر سکے۔ بلاشبہ امام بخاری وغیرہ محدثین نے لاکھوں مخلوط روایات کے انبار سے صحیح روایات چھانٹنے کا عظیم ترین کام انجام دیا۔ لیکن اس عمل تطہیر کو نہ انہوں نے حرف آخر سمجھا اور نہ ہی دوسرے فقہاء و محدثین نے اس پر کسی کمی و بیشی کو ممنوع قرار دیا ہے اس لئے بعد میں آنے والا کوئی محقق اگر کسی روایت کے بارے میں دلائل و براہین کے ساتھ ثابت کرے کہ یہ روایت صحت کے اس معیار پر پوری نہیں اترتی جو خود امام بخاری نے مقرر کیا۔ یا جسے قرآن مجید نے معیار قبولیت قرار دیا ہے تو یہ کوئی انوکھی اور اچھی کی بات نہیں، متقدمین و متأخرین فقہاء اور علماء اسی اصول کے مطابق روایات کی ترجیح یا تردید کرتے آئے ہیں۔ فضائل اعمال، مناقب مشاہیر، مشاجرات اور بیان واقعات کی روایات کے سلسلہ میں اختیار کی گئی سہل انکاری اور اس پیداشد

اعتقادی فساد کے پیش نظر عید ضروری ہے کہ عنوانات بالا کی تمام تر روایات کو محققین اور ارباب فکر و نظر روایت و روایت کی کسوٹی پر پرکھ کر اس اہم ضروری اور مقدس فریضہ کی ادائیگی سے سبکدوش ہوں جواب سے بہت پیشتر تکمیل کو پہنچ جانا چاہیے تھا۔ مولانا حکیم السید فیض عالم صدیقی صاحب مجاہد پر مبارکباد کے مستحق ہیں کہ اس پرفتن دور میں اپنی تمام علمی ذہنی اور عملی صلاحیتوں کے ساتھ تحقیقی و اصلاحی کام میں مصروف ہیں موصوف پہلے بھی متعدد علمی و تحقیقی تالیفات پیش کر چکے ہیں اور اب یہ نظر تالیف "صدیقہ کائنات" کے نام سے ان کا نیا تحقیقی شاہکار ناظرین کی خدمت میں پیش ہو رہا ہے۔ یوں تو تمام اہمات المؤمنین کو عز و توفیر کا اعلیٰ مقام حاصل ہے لیکن سیدہ حضرت عائشہ صلوٰۃ اللہ علیہا گونا گوں انفرادی خصوصیات کمالات کے اعتبار سے بہت بلند ترین مرتبہ کی حامل ہیں محترم حکیم صاحب نے جس جذبہ اور دلمانہ انداز میں جناب صدیقہ کے کمالات فضائل بیان کئے ہیں اور دشمنان صدیقہ کی الزام تراشیوں کا تعقب کیا ہے وہ جناب صدیقہ عائشہ کے ساتھ ان کے نزدعانہ خلوص و محبت کی دلیل ہے۔ فیاض محقق نے سیرت صدیقہ کائنات کے بعض مشہور معروف واقعات مثلاً یہ کہ صدیقہ کائنات کی عمر شریف بوقت نکاح سوئہ سال سے زائد تھی یا واقعہ انک کہ یہ سراسر افتراء بہتان ہے یا تحریم و تحبیہ اور ایلا سے متعلق دلائل و براہین کی روشنی میں یہ بحث ان کے متعلق اکثر روایات محل نظر ہیں یا جنگ جمل کا پس نظر، واقعات اور اس کے نتائج پر بحث کرتے ہوئے ان امور کی طرف اشارہ ہی اور اس جنگ میں سیدہ کائنات کا موقف سراسر یمنی برحق تھا۔

تحریم کے متعلق عام سیرت نگاروں سے یہٹ کر جو انداز تحقیق اختیار فرمایا بہت ممکن ہے کہ وہ حتماً نازک مزاج اور مسلکی اختلاف رائے میں غیر طبعی اعصابی دباؤ میں مبتلا بعض حضرات کیلئے حیرت و استعجاب بلکہ استنکار کا موجب ہو۔ لیکن جو حضرات روایت ساز اور تاریخ نویس عناصر کے استقامتی پس منظر سے بخوبی واقف ہیں ان کے لئے یہ ایک فکر و دعوت و عمل ہے جس پر حیرت زدہ اور ناراض ہونے سے کہیں زیادہ اس بات کی ضرورت ہے کہ قرآن مجید کی روشنی میں تاریخی روایات کی مزید چھان بین کی جائے ہو سکتا ہے کہ بعض اندھا دھند روایت پرست حضرات مولانا موصوف کی اختیار کردہ تحقیق کی بعض جزئیات سے "بدلائل" اختلاف رائے رکھتے ہوں لیکن کسی بات کو محض اس لئے غلط قرار دینا ہرگز صحیح نہیں ہو سکتا کہ اسے پہلوں نے بیان نہیں کیا۔ مناسب ہو گا کہ اس موقع پر رد و قبول کا معیار جاننے کے لئے مندرجہ ذیل آیات کریمہ پر غور و فکر کرتے چلیں :

۱۔ اَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ الْفُتٰنَ الَّذِي كَانُ مِنْ عِندِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوْ هُوَ فَاخْتَلَفَا كَثِيْرًا
سورت نساء ۲۴

کیا وہ قرآن مجید پر غور نہیں کرتے اور اگر وہ اللہ کے علاوہ کسی اور کی طرف سے ہوتا۔ تو اس میں بڑا اختلاف پاتے۔

۲۔ اُولَئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فاصْصَمُوا وَاَعْمُوا ابصارهم۔ افلا

یتدبرون القرآن ام على قلوب اقفلهاہ پ سورۃ محمد
یہی لوگ تو ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی ہے سو انہیں بہرا کر دیا اور ان کی آنکھوں کو اندھا کر دیا ہے کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے یا دلوں پر تالے پڑے ہوئے ہیں۔

۳۔ وَالَّذِينَ إِذَا ذُكِرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوا عَلَيْهَا صُمًّا وَعُمْيَانًا ۝۹ سورۃ قرآن
اور جب ان کے رب کی آیات سے ان کو نصیحت کی جاتی ہے تو وہ اس پر ہرے اور اندھے ہو کر نہیں گرتے۔

۴۔ قَالُوا بَلْ نَنْتَعِمُ مَا آتَيْنَا عَلَيْهِ آيَاتُنَا ۝۱۰ سورۃ بقرہ

و کہتے ہیں ہم تو اسی کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا ہے۔

۵۔ مَا سَمِعْنَا بِهَذَا فِي الْمِلَّةِ الْآخِرَةِ إِنْ هَذَا إِلَّا اخْتِلَافٌ ۝

ہم نے یہ بات کچھ لوگوں میں نہیں سنی (اس لئے) یہ گڑھت ہی ہے۔

آیات بالا سے یہ بات واضح طور پر معلوم ہوتی ہے کہ جس طرح کسی بات کو یہ کہہ کر

ٹھکرا دینا غلط ہے کہ اسلاف و اکابر اور پچھلے لوگوں سے نہیں سنی گئی۔ اسی طرح

غور و فکر اور تدبر و تحقیق کے بغیر کسی معاملہ میں اندھا دھند پل پڑنا بھی قرآنی بصیرت

و درایت کے سراسر خلاف ہے۔ جب ”آیات ربانی“ پر بے سوچے سمجھے گر پڑنے کو قرآن مجید

اچھی نظروں سے نہیں دیکھتا تو پھر تاریخی روایات کے سلسلہ میں اسے کیونکر قبول کیا جاسکتا

ہے۔ ان الفاظ کے ساتھ ہم ایک بار پھر محترم حکیم السید فیض عالم صدیقی

صاحب کی خدمت میں اس علمی و تحقیقی کام پر مبارکباد پیش کرتے ہوئے تمام مسلمانوں

سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ موصوف کے پیش نگاہ ”کو سمجھ کر اس مقدس کام میں ان کا ہاتھ

بٹائیں۔ وَفَّقَنَا اللَّهُ وَآيَاكُم لَهَا يَجِبُ دِرْضِي ۝

ابو الحسن محمد تقی علیہ السلام

خطیب جامع مسجد اقصیٰ کورنگی پورہ کراچی

۲۵ ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ - ۲ اپریل ۱۹۹۸ء

تعارف کتاب

مسلمانوں کے معاشرے کو اگر عمرانی نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو یہ عجیب و غریب بات سامنے آئے گی کہ ان کے ہاں بحیثیت مجموعی عورت کی عزت بہت کم ہے۔ ان کے مقابلے میں ایک مسیحی معاشرے اور ہندو معاشرے میں انہیں زیادہ عزت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ پھر یہ تعجب اس وقت بڑھ جاتا ہے جب یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ مسلمانوں کی بنیادی مذہبی کتاب قرآن مجید اور منیر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عملی زندگی (یعنی سنت) میں مسلمانوں کے اس طرز عمل کے برعکس خواتین کی عظمت و اہمیت اور ان کی بلندی و برتری کے نقوش قدم قدم پر نمایاں نظر آتے ہیں۔

دوسری طرف بائبل اور وید (ہندوؤں کی مذہبی کتاب) میں عورت کی عظمت کا کہیں پتہ نہیں چلتا۔ مگر عملاً وہ اس معاملہ میں مسلمانوں سے بہتر ہیں۔

غور کرنے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ قوموں اور معاشروں پر نظریاتی اصول اتنے نہیں کرتے جتنے نمونہ ہائے عمل اثر کرتے ہیں۔ مثلاً مسیحیوں کے ہاں نظریاتی طور پر اگرچہ عورت کو کوئی بلند مقام حاصل نہیں مگر چونکہ ان کے سامنے بچپن سے بڑھاپے تک ہر وقت حضرت مریمؑ کا تعریفی انداز میں تذکرہ کیا جاتا ہے اس لئے عورت کی عظمت کا نقش ان کے دلوں پر کھد جاتا ہے۔ اسی طرح گوہندوؤں کی نظریاتی کتابوں میں عورت کے متعلق نہایت پسیت خیالات پائے جاتے ہیں مگر مختلف مذہبی ڈراموں اور رمانوں میں سینا وغیرہ کے کردار کے ذریعے بچپن سے ان کے دلوں میں عورت کی عظمت گھر کر جاتی ہے۔ جو ان بے جان نظریاتی اصولوں کے کبھی کبھار پڑھ یا سن لینے سے زائل نہیں ہوتی۔

مگر مسلمانوں کے ہاں یہ صورت حال نہیں ہے اور باوجود انتہائی عظیم نمونوں کی موجودگی کے کبھی انہیں عوام کے سامنے یا بچوں کی ابتدائی تعلیم میں پیش نہیں کیا جاتا اب ظاہر ہے قرآن مجید کا سمجھ کر مطالعہ کرنے والے مسلمانوں میں ایک فی ہزار بلکہ ایک

فی لاکھ بھی مشکل سے ملیں گے پھر ان کے سامنے صحیح نقطہ نظر کھلا کس طرح آ سکتا ہے۔
 مثال کے طور پر مسلمانوں میں ہر اعتبار سے عظیم مثالی خاتون ام المومنین عائشہ
 صدیقہ صلی اللہ علیہا ہیں۔ جو علاوہ حضور اکرمؐ کی اہل بیت ہونے کے محدثہ ہیں۔ مفسرہ
 ہیں۔ حافظہ ہیں، قاریہ ہیں، ادیبہ ہیں، خطیبہ ہیں، معلمہ ہیں۔ فقیہہ ہیں غرض مجموعہ حسنات
 و کمالات ہیں۔ بلکہ نظر کو بلند تر کیجئے اور دیکھیے کہ پوری تاریخ عالم میں اتنی عظیم جامع الصفات
 اور جامع الخیرات خاتون جو زبردست عالم و فاضل بھی ہو اور حق کی خاطر ہر کیفیت میدان
 میں نکل آنے والی بھی، انتہائی شجاع بھی ہو اور زبردست مدبر بھی، گھریلو خاتون بھی ہو۔
 اور انتظامی صلاحیتوں کی مالک بھی) — کیا پوری دنیا میں سوائے ان کے کوئی
 نظر آتی ہے۔

لَمْ أَزِجِ أَبْصَرَ
 كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبُ إِلَيْكَ
 الْبَصَرُ خَاسِئًا وَ سَئِيرًا
 (سورة الملک)

انہنگا ہوں کہ بھر علم و تحقیق کی فضا میں اذن پاکبشائی
 عطا کرو۔ تم دیکھو گے کہ تحقیق و تفحص اور
 تلاش و جستجو کے باوجود اسے گوشہ چنیم میں
 ناکام و نامراد واپس آنا پڑے گا۔

مگر غور فرمائیے، اتنی عظیم خاتون کے متعلق بھی ہم سے عوام ہی نہیں بلکہ اہل علم اور
 پڑھے لکھے لوگ بھی کیا جانتے ہیں؟ کیا سوائے ان کے نام کے، ان کے کارناموں فضیلتوں،
 اور عظمتوں سے کوئی واقف ہے؟ — آخر اس کی وجہ کیا ہے یہی کہ دشمنان اسلام و
 قرآن و محمدؐ نے اپنی منظم فکری و تاریخی سازشوں کے فریے صدیقہ کائنات کی زندگی کے حالات
 کو اول تو مسلسل چھپانے کی کوشش کی اور جو تھوڑے بہت حالات ان کی دست برد سے محفوظ
 رہے ان میں بھی انہوں نے دہخریف کی اور انہیں ایسے رنگ میں پیش کیا جس سے شعوری و
 غیر شعوری طور پر مسلمانوں میں عورت کی عظمت کے بجائے ایسا تصور ابھرا جو آج عامۃ المسلمین
 کی اکثریت میں نمایاں ہے۔

اب ذرا سوچیے! جب اسلام کی اس سب سے عظیم خاتون کے متعلق مسلمانوں کے دل
 و دماغ میں اس قسم کے نقوش مرتسم ہوں تو پھر دوسری خواتین کے متعلق بلند خیالات کی ان
 سے کیا توقع رکھی جاسکتی ہے؟
 اسلام نے وَأَزْوَاجَهُ أَتَّهَاتَمُہُمْ حضور اکرمؐ کی ازواج مطہرات تمام مسلمانوں کے

لئے ماں کی طرح محترم ہیں) کہہ کر اہلبیتؑ نبوت کو جو مقام عطا کیا تھا اور جس مقصد سے عطا کیا تھا، مسلمانوں نے اس کی اہمیت کو محسوس نہ کیا اور اس کے نتائج بھگت رہے ہیں۔ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللَّهُ وَلَكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ۔

ایک اور پہلو سے بھی غور فرمائیے تو اہلبیتؑ مطہرات کی عظمت کا وہ رخ سامنے آئیگا جس کی طرف عموماً نگاہ بہت کم جاتی ہے۔ کلام الہی میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ

لَوْ كَانَ فِي الْأَرْضِ مَلَائِكَةٌ يَكْتُمُونَ
مُطْمَئِنِّينَ لَنَرَيْنَا عَلَيْهِمْ مِنَ
السَّمَاءِ مَلَكَ رَسُولًا ۚ (بنی اسرائیل ۹۵)

اگر زمین میں فرشتے اطمینان سے چل پھر رہے ہوتے تو ہم ضرور کسی فرشتے ہی کو ان کے لئے پیغمبر بنا کر بھیجتے۔

کیونکہ اگر انسانوں کے لئے بجائے انسان کے کسی فرشتے کو بطور رسول بھیجا جاتا تو لوگ کہہ سکتے تھے کہ جناب یہ فرشتے، ہم انسان! کہاں یہ کہاں ہم۔ یہ دوسری دنیا کی مخلوق اور ہم دوسری دنیا کی۔ یہ بھلا کیسے ہو سکتا ہے کہ جو کام یہ فرشتے کر لیں۔ وہ ہم بھی کر سکیں۔

غرض یہ کہ حضرت انسان کے لئے ہزار بہانے ہوتے اور فرائض و واجبات کی دنیا میں ستمنا طاری نظر آتا۔ انسانوں میں انسان کی طرح مدد کر انسان کے سے کام کرنا اور پھر انسانی زندگی میں منشاء الہی کے مطابق اصلاح کر کے دکھا دینا کسی فرشتے کے بس کا کام نہ تھا، اس لئے تو ایک انسان ہی موزون ہو سکتا تھا۔ اس لئے اس خالق کائنات کہ جس نے أَحْسَنَ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقَهُ ثُمَّ هَدَىٰ هَرَشَيْءٍ کی نہایت حُسن کا رانہ انداز میں تخلیق کی۔ پھر ہر ایک کو اس کے مناسب راہ ہدایت بھی دکھا دی۔ ہاں اسی خلاق عالم نے انسانوں میں انسان ہی کو پیغمبر بنا کر بھیجا تا کہ وہ اپنے اپنا حُسن کے لئے مکمل اور صحیح راہ نمائے اور یہ ثابت کر دکھائے کہ یہ احکام الہی یہ خدائی راہ ہدایت کوئی مشکل راستہ نہیں۔ آخر میں بھی تمہاری حُسن کا ہو کر جب اس پر عمل کر رہا ہو۔ تو پھر تمہیں اس پر عمل کرنے میں کیا اشکال ہے۔

غرض اس حکمت اور اس مصلحت کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے ہم انسانوں میں بشر رسول کو مبعوث فرمایا۔ پھر کیا عورتوں کے لئے اس علیم و حکیم نے کوئی انتظام نہیں فرمایا؟ اور کیا ان کے لئے اس نے اسوۂ حسنہ اور مثالی نمونے پیدا نہیں کیے تاکہ

ان کی عدم موجودگی میں کوئی خاتون یہ نہ کہہ سکیں کہ بھئی ان احکام پر تو صرف مرد ہی عمل کر سکتے ہیں۔ ہم صنف نازک اور جنس لطیف اس پر کس طرح عمل پیرا ہو سکتی ہیں ایسا تصور کرنا اس خالق کائنات اور پروردگار مرد و زن کی الوہیت کے لئے انتہائی توہین آمیز ہے۔ اس نے یقیناً انتظام فرمایا اور اسی لئے خانم النبیین صلی اللہ علیہ وسلمؐ ازواجہ کے زیر تربیت، مختلف مزاج اور مختلف طبیعتوں کی بارہ خواتین کو رکھ کر اور ان کی مکمل تظہر و تطہر (تظہیر) فرما کر انہیں تمام عالم کی خواتین کے لئے اسوۂ حسنہ اور کامل نمونہ مقرر فرمایا اور ارشاد ہوا کہ

وَاذْكُرْنَ مَا يُبَلِّغُنَّ فِيْ يَوْمِنَا كُنَّ مِنْ اٰيَاتِ اللّٰهِ وَالتَّحْكُمَةُ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا خَبِيْرًا ۝

اب تمہارا فرض اولین ہے کہ جو کچھ تمہارے گھروں میں کتاب و حکمت کی تلاوت کی جاتی اور تعلیم دی جاتی ہے اس کو نہ صرف خود یاد رکھو بلکہ امت تک اسے پہنچاؤ۔

اور کائنات کو پہنچانے کیلئے اپنے قول و عمل اور گفتار و کردار سے تمام دنیا کے لئے نمونہ اور

اے اردو کے ایک مشہور مفسر کو اعتراف ہے کہ اصل میں لفظ وَاذْكُرْنَ استعمال ہوا ہے جس کے دو معنی ہیں: یاد رکھو اور بیان کرو پہلے معنی کے لحاظ سے مطلب یہ ہے کہ اے بنی کی بیویو! تم کبھی اس بات کو فراموش نہ کرنا کہ تمہارا گھر وہ ہے جہاں سے دنیا بھر کو آیات الہی اور حکمت دانائی کی تعلیم جاتی ہے اس لئے تمہاری ذمہ داری بڑی سخت ہے۔ دوسرے معنی کے لحاظ سے مطلب یہ ہے کہ بنی کی بیویو! جو کچھ تم سنو اور دیکھو اسے لوگوں کے سامنے بیان کرتی رہو کیونکہ رسول کے ساتھ ہر وقت کی معاشرت سے بہت سی ہدایات تمہارے علم میں ایسی آئیں گی جو تمہارے سوا کسی اور کے ذریعے سے لوگوں کو معلوم نہ ہو سکیں گی (تفہیم القرآن جلد ۱ ص ۹۴ حاشیہ نمبر ۵) اس سے چند صفحے قبل فرماتے ہیں: کہ ان آیات میں خطاب بنی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں سے کیا گیا ہے مگر مقصود تمام مسلمان گھروں میں ان اصلاحات کو نافذ کرنا ہے۔ ازواج مطہرات کو مخاطب کرنے کی غرض صرف یہ ہے کہ جب بنی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر سے اس پاکیزہ طرز زندگی کی ابتدا ہوگی تو باقی سارے مسلمان گھرانوں کی خواتین خود اس کی تقلید کریں گی کیونکہ یہی گھرانے کے لئے نمونہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

(تفہیم القرآن جلد ۱ ص ۸۸ حاشیہ نمبر ۶)

انسانیت کے نصف بہتر (خواتین) کے لئے خصوصاً مجسم نمونہ بن جاؤ تاکہ خواتین اسلام تمہیں دیکھ کر تمہارے طرز عمل کو سامنے رکھ کر تمہاری پیروی کر کے تمہارے اتباع کے ذریعے دونوں جہان کی کامیابی و کامرانی حاصل کر سکیں۔

ہاں! وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا ذُرِّيَّتٍ لَّعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ (ترجمہ: اور ہر چیز کے لیے جوڑے بنائے شاید کہ تم اس سے سبق لو) فرمائے والے نے رسول اور اس کی ہم کفو ازواج مطہرات کو تمام دنیا کے زوجین کے لئے مینار نور، سراج مینار اور آفتاب ہدایت بنایا۔ کیا اس کے باوجود بھی ازواج مطہرات کو اپنے لئے اسوۂ و نمونہ نہ سمجھنے والوں اور نہ سمجھنے والیوں کو اور ان کی طرف سے بے توجہی برتنے والوں اور بے توجہی برتنے والیوں کو اپنی کوتاہی غلطی کا احساس نہ ہوگا؟ فَإِنَّا لَنَكِيدُ نَارِصِحِّ امِّين

مسلمانوں کی اسی کوتاہی کو دور کرنے کے لئے اور خواتین اسلام کے لئے ایک نمونہ کامل کی جھلک دکھانے کی خاطر ہمارے مجاہد بزرگ رئیس القلم السید مولانا حکیم فیض عالم صدیق نے "فخر الہدیت مطہرات افضل نساء العالمین صدیقہ کائنات ام المؤمنین حضرت صدیقہ صلی اللہ علیہا وعلیٰ ذویہا کی یہ تحقیقی سوانح مرتب فرمائی ہے اور اردو بولنے والی ملت مسلمہ کی طرف سے ایک نہایت اہم فرض کفایہ ادا کیا ہے۔ دشمنان اسلام اور ان کے ایجنٹ سبائی منافقین نے صدیقہ کائنات پر پھینٹے اڑا کر دہر رسول کو دافدار کرنے کی جو کوشش کی تھی، اور مسلمانوں کو عموماً اور خواتین اسلام کو خصوصاً جس ذہنی انتشار میں مبتلا کرنا چاہا تھا۔ فاضل مؤلف نے اس کی ایک ایک جزئیہ بیخ و بن کو اکھاڑ پھینکا ہے۔

اس عمل جراحی میں اگر بعض جگہ تلخی محسوس ہو تو یہ ملحوظ ہے کہ اگر کسی کی ماں بڑا کہا جائے یا اس کی توہین کی جائے تو اس کا رد عمل کیا ہوگا؟ چاہے اس کا بد مقابلہ کوئی ہو۔ (لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظَلَمَ) بلکہ جو ماں کے خلاف الزام تراشی کرنے والوں کا منہ نہیں توڑتا یا جواب نہیں دیتا اور خاموش رہتا ہے اس کی حلال زدگی میں بھی شبہ ہے کم از کم وہ بے غیرت اور بزدل ضرور ہے۔

یوں تو یہ پوری کتاب (صدیقہ کائنات) اہم ہے اور بلند پایہ تحقیقات کا ثمر ہے۔

مگر اس کے بعض حصے خاص طور سے اہمیت کے مستحق ہیں۔ مثلاً اس کتاب میں

- ۱۔ (اہلبیت کے معنی اور قرآن مجید میں اس کے استعمالات پیش کردہ یہ حقیقت واضح کی گئی ہے کہ حقیقی اہلبیت صرف ازواج مطہرات ہیں۔
- ۲۔ صدیقہ کائناتؑ کی عمر بوقت نکاح) پر مفصل بحث کرنے کے بعد خفائق سامنے لائے گئے ہیں کہ اس وقت ان کی عمر کم از کم سترہ برس اور رخصتی کے وقت انیس سال تھی۔

۳۔ افسانہ افک پر مفصل روشنی ڈالی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ اس کی کوئی حقیقت نہیں یہ ہوائی کسی دشمن کی اڑائی ہوئی ہے۔ اور اس دشمن نے اس آیت کے شان نزول میں حضرت عائشہ صدیقہؑ کا نام لے کر وہ ہجو یلح کی ہے۔ جسے مسلمان تو عام طور پر سمجھ نہیں پاتے مگر غیر مسلموں نے اس پر خوب خوب بغلیں بجائی ہیں۔ ثبوت کے طور پر صرف ولیم میور کی سیرت کا مطالعہ کر لیا جائے) مولف کتاب نے اس ہجو یلح کے ایک ایک جز کو بے نقاب کر کے رکھ دیا ہے۔

۴۔ حادثہ جمل کے عنوان کے تحت ان تاریخی بیانات کو پیش کیا گیا ہے، جو گوتاریخ کی بنیادی کتابوں میں تو موجود ہیں مگر جمل کے موضوع پر لکھنے والے انہیں سامنے لاتے ہوئے کتراتے ہیں۔ اور تاریخ کا صرف ایک رخ پیش کر کے خاموش ہو جاتے ہیں۔۔۔۔۔ حالانکہ اگر تاریخ کو وحی الہی کا درجہ دے کر اسے بے چون و چرا مانا ہی ہے تو پھر یہ کہاں کا اصول ہے کہ اس کا صرف ایک رخ پیش کیا جائے مورخانہ دیانت کا تقاضا تو یہ تھا کہ اس واقعے کے دونوں رخ پیش کر کے فیصلہ قارئین پر چھوڑ دیا جاتا لیکن چونکہ یہود و مجوس کے گھڑ جوڑنے آل علیؑ کے معاملہ میں بے انتہا غلو کیا اور انہیں بعد از خدا بزرگ کے مقام پر فائز کرنے کے لئے بے حد و حساب پروپیگنڈا کیا ہے

۵۔ بلکہ اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ سبائی عوام کے لاشعور میں آل علیؑ کے متعلق برترانہ خدا

اس لئے اس سیاتی پروپگنڈے کے زیر اثر عام اہل قلم بھی حقائق کو صحیح تناظر میں دیکھنے کے بجائے اسی پروپگنڈے کی رنگین عینک سے دیکھتے ہیں اور اسی لئے ان کو سادہ اندھے کی طرح ہر جگہ ہر جہاں ہر نظر آتا ہے اور دوسرا پہلو اوجھل ہو کر رہ جاتا ہے۔ — فاضل مولف نے اسی عام فرد گزشتہ کی اصلاح کے لئے دوسرے پہلو کو خاص طور پر نمایاں کیا ہے کیونکہ تاریخ کے دونوں رخ سامنے رکھنے کے لئے اس کا مطالعہ بہت ضروری ہے۔ — ورنہ قرآن مجید نے صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین کا جو کردار پیش کیا ہے اور خود تاریخ نے بحیثیت مجموعی ان کے معاشرے اور ان کی سوسائٹی کا جو نقشہ کھینچا ہے۔ اس کے پیش نظر یہ تمام تاریخی بیانات عجیب اور انہوں نے معلوم ہوتے ہیں انہیں قبول کرتے ہوئے ایک قلب سلیم ہیچا بہت محسوس کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ قدامت و متاخرین میں سے بعض اہل علم جنگ جمل و صفین کے سرے سے منکر ہیں۔

(بقیہ حاشیہ ص ۲۹) ہونے کے تصورات پرست کرنے میں کامیاب ہو چکے ہیں۔ ہر مشکل تو پر یا علی مدد اور یاحسین کے الفاظ درون قلب جذبات کی ترجمانی کے لئے کافی ہیں۔

۱۔ متقدمین میں سے ہشام و عباد نے ان کا انکار کیا ہے۔ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: قد حکى عياض عن هشام وعباد انهما انكرا واقعة الجمل اصلاً وراساً والتخلف عن الجمل یعنی قاضی عیاض نے لکھا ہے کہ ہشام اور عباد نے واقعہ جمل کا سرے سے انکار کیا ہے۔ اور شرح مواقف مقصد سابع میں ہے کہ اما الفتن والحروب الواقعة بين الصحابة فالهشامية انكروا وقوعها یعنی صحابہ کرام کے درمیان جو فتنے ہوئے اور جنگیں ہوئیں فرقہ ہشامیہ نے ان کے وقوع کا سرے سے انکار کیا ہے (ص ۳۴۲)۔ اور متاخرین میں سے سرسید کے دست راست مولوی چراغ علی (نواب اعظم یار جنگ) نے (جو پہلے خاندانی شیعہ تھے مگر ذاتی تحقیق کے بعد اس فرقہ داریت سے بلند ہو کر خالص مسلمان ہو گئے تھے دیکھئے ان کی سوانح مرتبہ بابائے اردو عبدالحق جو اعظم الکلام فی ارتقاء الاسلام جلد دوم کے ساتھ شائع ہوئی ہے) اپنی کتاب تعلیقات میں جو پوری عماد الدین کی کتاب تاریخ محمدیہ کے جواب میں لکھی تھی۔ اور سیرت نبوی میں انگریزی میں محمدی ٹرڈیوٹ کے نام سے شائع ہوئی تھی ان تمام واقعات کا انکار کیا ہے ان کے بعد مزاحیرت نے اپنی کتاب شہادت کی چھ جلدوں میں اور خواجہ عباد اللہ نے "خلافت اسلامیہ میں یہی خیال ظاہر کیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر تاریخی روایات کی جانچ پڑتال کی جائے اور روایات پر کڑی نگاہ ڈال کر
کی روایات کو پرکھا جائے تو جس طرح دور فاروقی میں کذب خانہ الکندریہ جلجائے جانے کا واقعہ
بھی ایک حقیقت سمجھا جاتا تھا علامہ شبلی وغیرہ کی تحقیقات کے بعد افسانہ ثابت ہوا۔ اسی طرح
میں و صفین کے واقعات بھی تحقیق کے بعد افسانہ ثابت ہوں گے۔ اس کے لئے ہمیں
ورثہ تہمتی ایک اور علامہ شبلی کی اور ملت کی خوش نصیبی کہ اللہ تعالیٰ نے صدیقہ کائناتؑ کے مولف کے
جوہر میں یہ خلا پورا کر دیا۔

۵۔ سورہ تحریم کے نشان نزول میں بھی، سورہ نور کے افسانہ افک اور سورہ احزاب کے قصہ
زید و زینبؑ کی طرح ہماری تاریخ و تفسیر کی کتابوں میں حرمت انگیز بلکہ ناگفتہ بہ باتیں
کہی گئی ہیں۔

مولف علامہ نے اس سورت کی تشریح کرتے ہوئے ان کا اصل مفہوم اس خوبصورتی
سے پیش کیا ہے اور تفسیری جھاڑ جھنکار کو اس طرح صاف کیا ہے کہ بے اختیار اُن
کے لئے دعا نکلتی ہے، سبحان اللہ و ماشاء اللہ کتاب کا یہ حصہ
ہے دیکھنے کی چیز اسے بار بار دیکھ

۶۔ وفات حضرت عائشہ صدیقہ کا ذکر کرتے ہوئے مولف نے سبائی بدباطنوں
کے ایک عجیب غریب الزام پر روایت و رایت کی رو سے اس طرح بحث کی ہے
کہ سبائی الزام ایک لطیفہ بن کر رہ گیا ہے۔
غرض کہان تک گنوا یا جائے پوری کتاب اسی طرح کے تحقیقی جوہرات میں ہے
اور مولف کی محنت و کاوش کا جتنا جاگتا مرقع ہے

۷۔ اسی طرح مشہور عالم واقعہ قرطاس کے متعلق بھی رجو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض الموت میں ہونا
بتایا جاتا ہے، علامہ شبلیؒ نے اپنی کتاب الفاروقی میں ثابت کیا ہے کہ وہ ایک فسانہ ہے ورنہ مرے
سے یہ واقعہ پیش ہی نہیں آیا۔

۸۔ صدیقہ کائنات کے مولف علامہ نے بھی اپنی اہم تالیف حقیقت مذہب میں واقعہ قرطاس
بے اچھوتے انداز میں بحث کرتے ہوئے ثابت کیا ہے کہ واقعہ قرطاس سے متعلق حدیث موضوعات
ہے۔ اس واقعہ کا مرے سے کوئی وجود نہیں۔

اچھو میں

لوئے صحابہؓ کے علمبردار، رئیس القلم، حضرت العلام فاضل مولف کی خدمت میں
اس کامیاب تالیف پر مبارکباد پیش کرتا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ غیرت مند مسلمان
اور فرزندانِ اُم المؤمنینؓ اسے قذر کی نگاہ سے دیکھیں گے۔ خصوصاً صدیقہ کائناتؓ
کی معنوی بیٹیاں یعنی خواتینِ اسلام اس کا خود بھی مطالعہ کریں گی اور دوسروں کو بھی
مطالعہ کی دعوت دیں گی۔

یکے از فرزندانِ اہلبیت

کاظمِ انصاری

~~کاظمِ انصاری~~

B - 6355

سید یاسر رضا شمش

لا کما

ST FEL

سیدۃ النساء العالمین محبوبہ محبوبہ سب العالمین اُقم المؤمنین طاهر
 (شہیدہ) حضرت عذرا بی بی زینب علیہا السلام

صدیقہ کائنات

صلوات اللہ علیہا

حکیم فاضل عالم صدیقی صاحب

پیشہ زبک سلیڈز اینڈ جنرل آرڈر پلاٹرز

چولہ فیصل شہید مین بازار فون ۲۸۸۵ جہلم

تکلف